ہمارے بچے
ہم سے کیا چاہتے ہیں؟



تالیف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر یاسر نصر حفظہ اللہ

ترجمہ

فضیلۃ الشیخ محمد امان اللہ ناصر مدنی

فاضل مدینہ یونیورسٹی

نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

مکتبہ بیت السلام

لاہور، الریاض

ہمارے بچّے

ہم سے کیا چاہتے ہیں؟

تالیف

ڈاکٹر یاسر نصر

ترجمہ

فضیلۃ الشیخ محمد امان اللہ ناصر مدنی ﷾

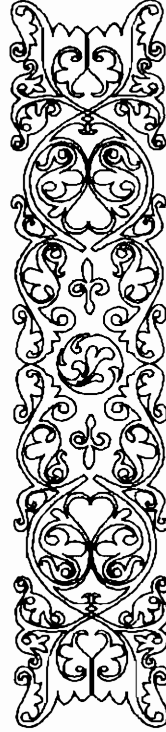
فاضل مدینہ یونیورسٹی

نظرثانی

حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

مکتبہ بیت السلام

الریاض ، لاہور



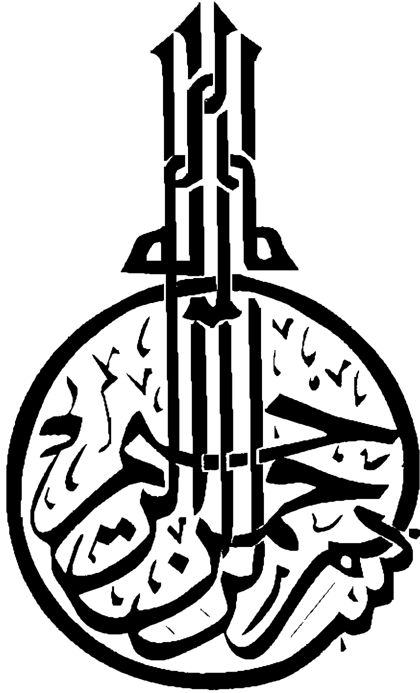
طبع اوّل

۱۴۳۵ھ ــــــــــــــــ ۲۰۱۳ء



مکتبہ بیت السلام الریاض، لاہور

Mob: 0542666646,0566661236,0532666640 Tel: 4381155 - 4381122 Fax: 4385991
Email: bait.us.salam1@gmail.com Facebook page :Baitussalam book store
Web: baitussalam.exai.com لاہور 0321-6466422



ہمارے بچے

ہم سے کیا چاہتے ہیں؟

فہرست



عرضِ ناشر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے معاشرتی تعلقات کو صحیح طریقے سے نبھانے کے لیے ہر رشتے اور تعلق کے حقوق اور فرائض بیان کیے ہیں، جن پر عمل پیرا ہوکر ہمارا معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اسی سلسلے میں اولاد کی تربیت اور ان کے حقوق کو صحیح طریقے سے ادا کرنا بہت ضروری ہے، کیوں کہ یہی بچے بڑے ہو کر اس معاشرے فعال رکن بنتے ہیں اور یہ ان کی تربیت ہی ہوتی ہے، جس کی بنیاد پر وہ اپنی زندگی کا صحیح اور غلط لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں۔

دینِ اسلام میں بچوں کی تربیت پر بڑا زور دیا گیا ہے، چناں چہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے بچوں کی صحیح تربیت اور نشو و نما کے لیے اپنے اخلاق و عادات کو درست کر کے ان کے لیے ایک نمونہ بنے، پھر اس کے بعد ان کے عقائد و افکار اور نظریات کو سنوارنے کے لیے بھرپور محنت کریں اور ان کی اخلاقی اور معاشرتی حالت سدھارنے کے لیے ان کے قول و کردار پر بھرپور نظر رکھیں، تاکہ وہ معاشرے کے باصلاحیت اور صالح فرد بن سکیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ضروری عمل یہ ہے کہ ہم بچوں کی نفسیات کو سمجھیں، ان کی عمر اور ذہنیت کے مطابق مناسب طرزِ عمل اپنائیں، تاکہ وہ ہماری باتوں کو قبول کرسکیں، وگرنہ بے جا طریقے سے کی گئی وعظ ونصیحت اپنا کوئی اثر نہیں رکھتی، کیوں کہ شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو نصیحت

کرنے کے لیے حکمت و موعظت کو مدِنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''ہمارے بچے، ہم سے کیا چاہتے ہیں؟'' میں بچوں کی تربیت کے اسی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سلسلے میں بڑوں پر عائد ہونے والے فرائض اور ذمے داریوں کو اُجاگر کیا گیا ہے، تاکہ ان اصولوں وضوابط کی روشنی میں ہم اپنے بچوں کی صحیح اسلامی تربیت اورنشو ونما کے فریضے سے کما حقہ عہدہ برآ ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مولف، مترجم، ناشر اور جملہ معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت اور بلندیٔ درجات کا باعث بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

ابو میمون حافظ عابد الٰہی

مدیر

مکتبہ بیت السلام، ریاض۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نفسیاتی تربیت

سکون اور اطمینان کے حصول کے لیے چھ (6) تربیتی ذرائع:

① نرمی، بردباری اور ملائمت پر مبنی روش۔
② سختی، کرختگی، بے رحمی اور حد سے زیادہ محاسبے سے اجتناب۔
③ بچے کو مسرت و شادمانی مہیا کرنے کے لیے مطلوبہ وسائل کے لیے مسلسل جستجو۔
④ بچے کے ساتھ متواتر دلچسپی اور اس کے حالات کا مستقل جائزہ۔
⑤ والدین سے متعلق بچے کے اندیشوں کا ازالہ۔
⑥ ضرورت مند بچوں کے ساتھ خصوصی توجہ۔

اسلام نے انسان کی بھرپور اور متوازن تعمیر کا حد درجہ اہتمام کیا ہے، اس نے انسان کی تعمیر کے لیے درکار اہداف کو اس انداز سے متعین کیا ہے کہ کوئی بھی ایک ہدف کسی دوسرے ہدف سے ٹکراتا ہے اور نہ اس سے تجاوز کر سکتا ہے، بلکہ اس نے تمام تر احکامات کو ایک ہی مرکزی ہدف کے اندر مجتمع کر دیا ہے۔ وہ ہے ایک صالح اور مفید انسان کی تعمیر، کامل انسان جو تندرست عقل، صحت مند جسم، مضبوط بنیاد اور بے عیب ضمیر سے متصف ہو۔

قرآن کریم نے جس طرح انسان کی خوبی و بہتری کو اپنا مقصود بنایا ہے، اسی طرح اس نے انسان کے ضمیر کو بھی خصوصی توجہ سے نوازا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴾ [الشمس: 7]

''قسم ہے جان کی اور اس کی جس نے اسے درست بنایا۔''

اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴾ [الشمس: 9]

''یقیناً وہ بامراد ہو گیا جس نے اپنی جان کو پاک کر لیا۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے تربیتی طریقے میں انسان کی نفسیاتی تربیت کو باقی تمام دلچسپیوں کے مساوی رکھا گیا ہے کہ یہ بھی انسان کی تربیت سے تعلق رکھنے والا کامل جزو ہے، لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو بھی توجہ سے محروم کر دینا درست نہیں ہے۔

کسی انسان کی سرشت میں نیکی کی طرف دعوت دینے کا جذبہ ہو یا برائی سے منع کرنے کا وصف، اس کا تعلق اس کے باطنی کردار کی تحریک اور داعیے کے ساتھ قائم ہوتا ہے جو محبت اور بغض کی صورت میں نفسیاتی میلانات کے ڈھانچے

میں مساوی طور پر موجود ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر ہم نفسیاتی ساخت کو انسان کی بھر پور اور کامل شخصیت کا اہم ترین اور مطلوبہ بنیادی جزو قرار دیں، تو اس میں قطعاً کوئی مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔

اسی طرح مربی کے لیے مسلمان بچے کی اس کے ایامِ طفولیت میں، یعنی اس کی نشو و نما کے اہداف و رجحانات کی تشکیل کے مرحلے میں، اس کی نفسیاتی تربیت پر توجہ مرکوز رکھنا بھی اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتا ہے، چونکہ یہ بچے کی شخصیت کی اٹھان اور مضبوطی کے اہم ترین ذرائع میں شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس سے قطعاً بے پروائی نہیں اختیار کرنی چاہیے۔

نفسیاتی تربیت کے مفہومات:

نفسیاتی تربیت کے متعدد مفہوم ہیں۔ بعض اوقات ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اہم ترین نقطہ جس پر کامل توجہ کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ نفسیاتی تربیت کے معیار، مقدار اور اس کے مواقع اور میدان کار کی جامعیت پر مبنی تعریف کی جائے، جس کے ذریعے سے ہمارے لیے کمزور اور ناقص قسم کے علاج و تدارک سے انحراف کرنا ممکن ہو جائے گا، اس لیے کہ بعض لوگوں کے نزدیک نفسیاتی تربیت صرف اس بے چینی اور اضطراب کے علاج تک محدود ہے، جس سے بچہ دو چار ہوتا ہے۔

اس سوچ کے حامل لوگ صرف تدبیر و علاج کو اہمیت دیتے ہیں، انھیں نہ تعمیر سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ احتیاط و پرہیز ہی سے، اس طرح یہ لوگ اسلامی تربیت کے واضح ترین اہداف کے انتہائی ضروری پہلو سے بے اعتنائی اختیار کر لیتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں ہمہ گیر اور جامع نظریہ انسان کی تعمیر اور اس کے ذاتی و نفسیاتی اوصاف کی تکمیل پر اپنی توجہ مبذول رکھتا ہے اور اس کی ترقی، راہنمائی

اور ہدایت کے تمام پہلوؤں کو ہر وقت ملحوظ رکھتا ہے، اسے متعینہ معیار پر قائم رکھنے کی جدو جہد کرتا اور توازن و تقابل کی بھی مکمل نگہداشت کرتا ہے، جو صحیح اور غلط، حق اور باطل قسم کے معیارات میں فرق کو نمایاں کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ اچھائی اور برائی کے مابین بھی امتیاز پیدا کرتا ہے، جیسا کہ بہادری کے مقابلے میں بزدلی، سخاوت کے برعکس بخیلی اور محنت و مشقت کے مقابلے میں سستی اور کاہلی ہوا کرتی ہے۔

اس دیباچے سے نفسیاتی تربیت کے متعدد معانی و مطالب کو ذیل کی انواع و اقسام میں محدود کیا جا سکتا ہے:

① نفسیاتی تربیت یہ ہے کہ زندگی کے مسائل سے عہدہ برا ہونے کے لیے انسان کی تربیت کی جائے اور اس کے اندر ہمدردی، دوسروں سے تعلق اور محبت کے جذبات کو ابھارا جائے۔

② انسان کے پاس موجود مفید اور مثبت صفات اور خیر و بھلائی کی خصلتوں کو فروغ دینا، یہاں تک کہ وہ ممکن حد تک کمال کا درجہ حاصل کرے۔

③ انسان کے پاس موجود قدرتی اور فطرتی اوصاف کی نگہداشت کرنا اور اس کی حفاظت اور ترقی کے لیے جد و جہد کرنا۔

④ بھرپور اور کامل شخصیت کی تعمیر کے لیے بچے کے عمل اور کردار کی اصلاح کرتے رہنا۔

⑤ بچے کو ایسے قوانین اور قواعد کا عادی بنانا، جو واجبات و فرائض کو بہتر صورت اور عمدہ ترین طریقے سے ادا کرنے کی خاطر اس کی تربیت اور پرورش کے لیے مددگار ثابت ہوں۔

⑥ زندگی، کائنات اور دنیوی امور میں انسان کی ذمے داریوں کے متعلق بچے

کے ذہنی ونفسیاتی رجحانات ومیلانات کی تعمیر کرنا، اسی طرح ان رجحانات کی بھی تشکیل کرنا جو ان تمام قسم کے میلانات کا احاطہ کریں، جو حق اور باطل، درست اور غلط، پسندیدہ اور ناپسندیدہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے اس کے پاس معیار اور کسوٹی کا درجہ رکھتے ہوں۔ آسان لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر وہ شعور اور احساس پیدا کر دیا جائے جو اسے فرقان، مختلف اشیا اور صفات کے مابین امتیاز اور فرق کرنے کی صلاحیت کی منزل سے آشنا کر دے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾

[الأنفال: 29]

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمھیں ایک فیصلے کی چیز دیدے گا۔''

۷ بچے کے نفس میں موجود محرکات اور دواعی کے متعلق اس کی توجہ اور انہماک کی اخلاص، ترغیب اور انعام کے ذریعے سے حوصلہ افزائی کرنا، جو نیکی اور بھلائی کے امور میں پیش قدمی کے لیے، اس کے لیے جرأت و ہمت اور تقویت کا باعث بنتی ہیں۔

۸ قدرتی و فطرتی عادات کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں نکھارنا اور ان کو کنٹرول کرنا، بایں طور کہ ان عادات کو نہ تو کچل دیا جائے اور نہ ان میں مطلق آزادی دے دی جائے۔ ان عادات کو آپ انسان کی ذاتی ضروریات کا نام دے سکتے ہیں۔

انسان کی عمومی اور بچے کی خصوصی ضروریات:

مربی تربیتی قواعد وضوابط سے آزاد ہو کر تربیت کرنے لگتا ہے، حالانکہ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نفسیاتی تربیت کا دار و مدار انسانی حاجات وضروریات کو ملحوظ رکھنے پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اچھی پرورش اور بہتر نگہداشت کے عمل کو شروع کرتے وقت ان ضروری حاجات کو اہمیت دینی لازم ہے۔

ان ضروریات کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

١ سکون و اطمینان کی ضرورت۔

٢ دوطرفہ محبت کی ضرورت۔

٣ میل جول پر مبنی مشترکہ زندگی کی اور کنبہ اور فیملی کے تعلق (شادی) کی ضرورت۔

٤ گردو پیش سے احترام وتکریم کی ضرورت۔

٥ آزادی کی ضرورت۔

٦ دوسروں کی طرف سے اسے مقبول کرنے کی ضرورت۔

٧ ایسی بااختیار اتھارٹی کی ضرورت جو اس کے لیے آزادی کی حدود متعین کرے۔

٨ کامیابی کی ضرورت۔

یہ تمام ضروریات انسان کے لیے لازم ہیں، تاکہ اسے معاشرے میں گھل مل جانے اور اس سے پیوستہ رہنے کی تربیت حاصل ہوتی رہے۔ اس طرح ایک ایسی شخصیت کا وجود متشکل ہو سکے، جو بے چینی سے آزاد، مطمئن اور بھرپور حیثیت کی مالک ہو۔ ان ضروریات کا تقاضا یہ ہے کہ مربی کے پاس ان ضروریات میں خاطر خواہ اصلاح کی اور ان کو بروئے کار لانے کی حد درجہ مہارت ہونی چاہیے۔

اس کے بعد ہی وہ قواعد وضوابط کی روشنی میں اور مکمل توازن کے ساتھ ان ضروریات کے وجود کی حفاظت کر سکے گا اور اسی وقت وہ ان ضروریات کے

ذریعے سے مطلوبہ شخصیت کی تعمیر کر سکے گا، دوسرے لفظوں میں وہ مردم سازی کا مرحلہ طے کر سکے گا۔

ہم ان ضروریات کے مابین قاعدہ و قانون کے مطابق توازن اور مطابقت مہیا ہو جانے کے بعد، بچے کے تمام ذاتی ونفسیاتی اعمال کے درمیان بھی موافقت پیدا کر سکتے ہیں اور اس کے لیے ایک ایسا پس منظر بھی بنا سکتے ہیں جس کی روشنی میں وہ تمام تر نفسیاتی الجھنوں، صدموں، بے قراریوں اور غیر متوقع حادثات کا مثبت انداز میں سامنا کر سکے گا اور اس کے ساتھ وہ ان مصائب و آلام کے برے اثرات سے بھی محفوظ رہے گا۔

آپ کے بچے کو اطمینان کیسے مل سکتا ہے؟

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بچے کی کچھ ضروریات ہوتی ہیں، بچے کے اندر نفسیاتی ہمواری پیدا کرنے کے لیے ان کا لحاظ رکھنا حد درجہ لازم ہے، ان ضروریات میں سے ایک ضرورت اہم ترین، جس کا نفسیاتی تربیت کے ساتھ گہرا تعلق ہے، وہ ہے ''اطمینان کی ضرورت'' یہی ضرورت اس کے اندر وہ جذبہ اور رجحان پیدا کر دیتی ہے، جسے انسان کے اقدامات، ترجیحات اور اس کی پالیسیوں میں ایک قائدانہ حیثیت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اولاد کو سکون مہیا کرنے اور ان کے اندر اسی جذبے کو پیدا کرنے کے لیے ماں باپ کے کردار کو بنیادی درجہ حاصل ہے۔

اطمینان مہیا کرنے کے تربیتی ذرائع

نرمی اور حسن سلوک:

بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور عمدہ برتاؤ سے دوطرفہ اعتماد، نفسیاتی اطمینان اور مشترکہ کشش کی نعمت میسر آتی ہے اور یہی چیز اولاد کے لیے ماں باپ کی محبت کی حقیقی اور مثالی تعبیر ہے اور یہی وہ پیغام ہے جس کے ذریعے سے بچہ اپنے ساتھ محبت کرنے والے دوسرے لوگوں کی الفت کا ہمہ جہتی جائزہ لیتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ سے بھی یہی اسلوب تسلسل سے ثابت ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

«قَدِمَ نَاسٌ مِنَ الْأَعْرَابِ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوا: أَ تُقَبِّلُونَ صِبْيَانَكُمْ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. قَالُوا: لٰكِنَّا وَاللّٰهِ مَا نُقَبِّلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَوَ أَمْلِكُ إِنْ كَانَ اللّٰهُ نَزَعَ مِنْ قُلُوبِكُمُ الرَّحْمَةَ؟»[1]

''کچھ اعرابی لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کرنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک ہم بوسہ دیتے ہیں، وہ کہنے لگے: لیکن ہم تو اللہ کی قسم! بوسہ نہیں دیتے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اختیار میں کیا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ ہی نے تمھارے دلوں سے شفقت اور مہربانی کو سلب کر لیا ہے۔''

[1] مسند أحمد [80/6]

سختی، بے رحمی اور حد سے زیادہ محاسبے سے اجتناب:

ذہنی اور نفسیاتی طور پر نا مکمل بچوں کے ساتھ سختی اور کرختگی کا سلوک انھیں بے قرار ردعمل کا شکار بنا سکتا ہے، اس کے نتیجے میں انھیں خوف، شرمندگی، ذاتی اعتماد کی کمی اور بلا ارادہ پیشاب خطا ہو جانے کے عوارض لاحق ہو سکتے ہیں، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ سخت رویہ ہمیشہ ناکام انسان ہی اختیار کرتا ہے، جسے اپنی اولاد سے اچھی گفتگو اور عمدہ مکالمے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔

امام ابن خلدون رحمہ اللہ نے کہا ہے:

> ''تربیت میں حد سے زیادہ سختی بھی حصولِ علم کے لیے ضرر رساں ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ بچہ چھوٹی عمر میں ہو، تربیت کا یہ انداز برے سلوک کا آئینہ دار ہے۔ جو بچے تعلیمی مرحلے میں ظلم وتشدد اور غیظ وغضب کے سائے تلے تربیت حاصل کرتے ہیں، ان پر غصہ اور طیش سوار ہو جاتا ہے اور ان کی خوشیاں بھی گھٹن اور پریشانیوں کی نذر ہو جاتی ہیں، پھر یہ چیزیں اس کی چستی و ہوشیاری کو ختم کر کے اسے سست اور کاہل کر دیتی ہیں، بالآخر اسے جھوٹ بولنے اور خلافِ حقیقت اظہار کی خبیث عادت کو اپنانے پر آمادہ کر دیتی ہیں۔''[1]

بچے کے لیے مسرت و شادمانی مہیا کرنے کی خاطر مطلوب وسائل کے لیے مسلسل جستجو:

یہ ذرائع اور وسائل معنوی اور روحانی ہو سکتے ہیں، جیسے بچے کو بوسہ دینا، خوش طبعی کرنا، گلے لگانا، اسے سلام کرنا اور مسکرانا وغیرہ۔ اس کے علاوہ مادی وسائل تو بہت زیادہ ہیں، مثلاً تحائف دینا، اس کے ساتھ کھیلنا کودنا اور بچوں کو

[1] مقدمہ ابن خلدون [ص: 987]

خوش کر دینے والی ان کی من پسند اشیا دے دینا، بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ ہو۔

یہ ہیں وہ ذرائع جو بچوں کو خوش کرتے ہیں اور ان کی فراہمی سے بچوں کو اپنے سے محبت کرنے والوں کی محبت کا پتا چلتا ہے، بچوں کو صرف یہ شعور ہو جائے کہ وہ پسندیدہ اور محبوب ہیں تو اکیلا یہی احساس ہی ان کی کامل اور بھرپور نشوونما کے لیے بنیادی عنصر بن جاتا ہے، اس طرح کی نشوونما ہی سے ان کی وہ مطمئن اور آسودہ شخصیت ابھر سکتی ہے، جو بچوں کی بے مثال صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے مددگار ثابت ہو سکتی ہے اور انھیں ہر قسم کے حالات میں کامیابی اور حسنِ ظن کے مفہوم و مطلب سے آشنا رکھ سکتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصُفُّ عَبْدَاللّٰهِ وَ عُبَيْدَ اللّٰهِ وَكَثِيراً مِنْ بَنِي الْعَبَّاسِ رضی اللہ عنہ ثُمَّ يَقُولُ: مَنْ سَبَقَ إِلَيَّ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا...... قَالَ: فَيَسْتَبِقُونَ إِلَيْهِ فَيَقَعُونَ عَلَى ظَهْرِهِ وَصَدْرِهِ فَيُقَبِّلُهُمْ وَيَلْتَزِمُهُمْ»[1]

''رسول اللہ ﷺ عبداللہ، عبیداللہ اور بنو عباس رضی اللہ عنہم کے بہت سارے بچوں کو قطار میں کھڑا کرتے اور فرماتے: تم میں سے جو سب سے پہلے دوڑ کر میرے پاس پہنچے گا اسے یہ اور یہ ملے گا۔ سیدنا عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ بچے آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑتے اور آپ ﷺ کی پیٹھ اور سینے سے آ لگتے، آپ ﷺ انھیں بوسہ دیتے اور اپنے سینے کے ساتھ انھیں چمٹا لیا کرتے تھے۔''

صحیح مسلم شریف میں ننھے صحابی سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مذکور ہے، وہ بیان فرماتے ہیں:

[1] مسند أحمد [214/1]

«صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الظُّهْرِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى أَهْلِهِ وَخَرَجْتُ مَعَهُ فَاسْتَقْبَلَهُ وِلْدَانٌ، فَجَعَلَ ﷺ يَمْسَحُ خَدَّيْ أَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا، قَالَ جَابِرٌ: وَأَمَّا أَنَا فَمَسَحَ خَدِّي فَوَجَدْتُ لِيَدِهِ بَرْدًا وَرِيحًا كَأَنَّمَا أَخْرَجَهُمَا مِنْ جُونَةِ عَطَّارٍ»[1]

''سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑا، آپ ﷺ کے سامنے بچے آ گئے، چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک کر کے ان سب کی گالوں پر ہاتھ پھیرنے لگے، آپ ﷺ نے میری گالوں پر بھی ہاتھ پھرا، مجھے آپ ﷺ کے دست مبارک میں ٹھنڈک محسوس ہوئی اور خوشبو ایسی کہ لگتا تھا کہ آپ ﷺ نے عطار کی تھیلی سے اپنے ہاتھوں کو باہر نکالا ہے۔''

بچے کے ساتھ مسلسل دلچسپی اور اس کے حالات کا متواتر جائزہ:

بچے کے حالات سے متعلق پوچھتے رہنے، اس کے معاملات میں دلچسپی لینے، اس کے حالات و واقعات کے مسلسل جائزہ لینے اور اس کے دکھ اور سکھ میں شریک رہنے سے بچے کو ایک مضبوط و مستحکم اساس نصیب ہوتی ہے، جس پر وہ زندگی کے مصائب و آلام کا سامنا کرنے کے لیے اعتماد کر سکتا ہے، یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعے سے دلوں کو ایک دوسرے سے ربط اور قرب نصیب ہوتا ہے اور بچے کے اور اس کے والدین کے درمیان بھروسے اور اعتماد کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔ اس طرح کی دلچسپی سے والدین کے لیے اپنے بچے کے ہر

[1] صحيح الجامع، رقم الحديث [4947]

دن اور ہر لمحے کے حالات سے باخبر رہنا ممکن ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے بچے کے لیے جس چیز کو مفید جانتے ہیں، اسے فروغ دینا اور جن عادات واخلاق کو وہ اپنے بچے کے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں، ان کا تدارک وازالہ بہ آسانی کر دینا ان کے لیے سہل ہوتا ہے، اس سے پہلے کہ یہ عادات مضبوط اور طاقتور ہو جائیں یا ان کی شخصیت کو داغ دار کر دیں۔

والدین کے متعلق بچے کے اندیشوں کا ازالہ:

بچے ہمارے فکر وتخیل سے بھی کہیں زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہ ہر شَے کا بڑی توجہ سے جائزہ لیتے اور اس سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ بسا اوقات ان کے ذہنوں میں ایسے اندیشے ابھرتے ہیں، جو ان کے دلی اطمینان کو بے قرار ہی نہیں بلکہ جھنجوڑ کر رکھ دیتے ہیں، ان اندیشوں کا سب سے بڑا محرک اور سبب بچے کے ذہن میں پیدا ہونے والا یہ شعور ہوتا ہے کہ والدین اپنی اولاد کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ کرتے وقت عدل وانصاف نہیں کرتے۔ واضح رہے کہ اس عدل وانصاف کا تعلق صرف مادی وسائل واشیا کی تقسیم کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس کے دائرہ میں روزمرہ کا سلوک، برتاؤ اور محبت وشفقت کا یکساں رویہ بھی آ جاتا ہے۔

حقیقتاً، یا بچے کے خیال کے مطابق، اس طرح کے عدل وانصاف کے معدوم ہونے سے بچے کے باطن میں بے قراری وآزردگی، تناؤ اور کشیدگی کے احساسات پیدا ہونے لگتے ہیں، ایسے ہی جذبات وتاثرات بچے کو یا تو حد سے زیادہ ضد اور عناد کے سپرد کر دیتے ہیں، یا پھر اسے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر سکتے ہیں، جس سے لازمی طور پر اس کی شخصیت کھوکھلی اور غیر مستحکم ہو جائے گی، مزید برآں، والدین کی طرف سے اپنی اولاد کے درمیان بلا امتیاز عادلانہ ومنصفانہ برتاؤ نہ کرنے سے خود اولاد کے مابین دشمنی، نفرت اور بغض وحسد کے آثارِ بد نمودار ہو جائیں گے۔

ضرورت مند بچوں کے ساتھ خصوصی توجہ:

ایک عورت سے پوچھا گیا کہ تیری اولاد میں سے کون سا بچہ تجھے سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے؟

اس نے کہا: ان میں سے سب سے چھوٹا بچہ، بڑا ہونے تک، ان میں سے بیمار بچہ، شفایاب ہونے تک اور ان میں سے غیر موجود بچہ، واپس آ جانے تک۔

اس خصوصی توجہ کے دائرے میں یتیم بچے بھی آ جاتے ہیں اور وہ بچے بھی جو دائمی معذوریوں یا مشکلات سے دو چار ہو چکے ہوں۔

بچے کی ذاتی ضروریات:

بچے کے ساتھ برتاؤ کا معقول اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کی نفسیات کو، اس کے چال وچلن کے اسباب ومحرکات کو اور اس کی ذاتی و بنیادی ضروریات کو سمجھ لیا جائے، ان امور کو سمجھے بغیر سرسری و سطحی انداز کا معاملہ ہی بالعموم اولاد کے طرزِ حیات کو پیچیدہ اور مشکل بنا دیتا ہے، خواہ وہ بچپنے کے مرحلے میں ہوں، یا نشو ونما کے دیگر کسی مرحلے میں۔

یہ حقیقت نفسیاتی وتربیتی تحقیقات کی رو سے ثابت شدہ ہے اور اس سے بھی پہلے سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی شکل میں ہمارے دین حنیف نے اس کی توثیق فرمائی ہے کہ ہر طرز عمل کا کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہوتا ہے۔

فرمانِ رسول کریم ﷺ ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَانَوَى»[1]

یعنی اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی میسر ہو گا جس کی اس نے نیت کی ہو گی۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1]

اس کے علاوہ ذاتی اور بنیادی ضروریات بھی اپنا وجود رکھتی ہیں، ہر انسان ان کی ضرورت محسوس کرتا ہے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ گہرے علمی مطالعہ کا نچوڑ یہ ہے کہ بچے کی زندگی کی ان بنیادی ضروریات کو اگر پورا نہ کیا جائے اور بے پرائی ہوتی جائے، تو بچہ اپنی حاجات کو بسااوقات غلط اور ناپسندیدہ طریقوں سے پورا کرنے کی طرف آمادہ ہو جاتا ہے۔

بچے کی بنیادی ضروریات سے بے پروائی اور عدم توجہی کے نتیجے میں بچے کے اندر ذیل کی صورتوں میں سے کسی ایک کا ظہور ہوسکتا ہے:

1. حد سے زیادہ حساسیت کی وجہ سے ناملنساری اور کم آمیزی، ذمے داریوں سے گریز اور پہلوتہی، اپنی ذات میں سمٹاؤ اور اپنے ضائع اور رائیگاں ہو جانے کا احساس، جیسے عوارض کا شکار ہو جائے گا اور یہ عوارض اس کی مستقبل کی شخصیت کو بے جان کر دینے کا باعث بن سکتے ہیں۔
2. وہ اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے تشدد اور جارحیت کا راستہ اپنا سکتا ہے۔ بچے کا اپنے خاندانی حلقے اور اپنے والدین کے خلاف اختیار کردہ ردعمل انتقام کی کئی شکلیں اختیار کرسکتا ہے اور اس کی مختلف علامات ہوسکتی ہیں، جیسا کہ بلا ارادہ پیشاب کا خطا ہو جانا یا بغض وعناد اور تشدد و جارحیت کے طریقوں کو اپنا لینا۔

انسان کی انفرادی ضروریات:

علمی اور فکری ونظریاتی تحقیقات انسان کی مختلف حاجات وضروریات کو تسلیم کرتی ہیں، جیسا کہ ماسکو کا نظریہ ضروریات ہے، مائیکل لینڈ کا ضرورتوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا نظریہ ہے اور ہارٹ برگر کا میلانات و رجحانات کے اسباب وعلل کا نظریہ ہے، اس کے علاوہ انسانی ضروریات کے متعلق اسلام کا

بھی ایک نقطہ نظر ہے، اس کی روشنی میں انسان کی انفرادی ضروریات کو پانچ بنیادوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

① مادی یا فزیالوجی ضروریات:

یہ وہ حاجات ہے ہیں، جن کی انسان کی بقا کے لیے ضرورت پڑتی ہے، ازقسم کھانا پینا اور رہائش وسکن وغیرہ، بچے کو اگر بھوک لاحق ہوتی ہے تو وہ اس مادی ضرورت کو حاصل کرنے کے لیے رونے چیخنے کا سہارا لیتا ہے، اس اعتبار سے رونا بھی ایک زبان ہے جس کے ذریعے سے بچہ اس خاص ضرورت کے متعلق اظہار کرتا ہے۔

② امن کی ضروریات:

بچہ خوف اور خطرات سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے جو بھی جتن کرتا ہے، اس میں وہ اپنی اسی ضرورت کو بیان کرتا ہے۔ بچہ بھی اپنی ذاتی حفاظت کے پیش نظر بہت سارے رویوں کا سہارا لیتا ہے۔

③ معاشرتی ضروریات:

انسان طبعی طور پر زندگی میں میل جول اور راہ ورسم کے انداز کو پسند کرتا ہے اور یہی فطرتی رغبت اسے دوسروں سے تعلقات قائم کرنے کی طرف مائل کرتی ہے، اس طرح وہ دوسروں کے ساتھ محبت، اخلاص اور تعاون پر مبنی تعلقات کا رشتہ قائم کرتا ہے۔ معاشرے کے ساتھ ربط وتعلق یا بڑی قوم اور جماعت کے ایک فرد ہونے کا شعور یکساں طور پر بچے اور انسان کی ذاتی اور معاشرتی ضرورت شمار ہوتا ہے۔

④ ذاتی احترام کی ضروریات:

انسان کو اپنے متعلق یہ شعور رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ مفید اور قیمتی

اعمال سر انجام دے سکتا ہے اور وہ اپنے فرائض اور ذمے داریوں کو نبھانے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے، یعنی وہ اپنے متعلق ترقی اور خود مختاری کا شعور رکھتا ہے، اکثر اوقات ان ضروریات کو پورا نہیں کیا جاتا ،جس کی وجہ سے بچہ غیر پسندیدہ رویوں، بلا ارادہ پیشاب خطا ہو جانے اور ظلم وتشدد کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

⑤ ذاتی قبولیت کی ضروریات:

انسان کو یہ ضرورت بھی لاحق ہوتی ہے کہ وہ اپنی خوش قسمتی اور بلند خیالی کو اپنی کامیابیوں کے بل بوتے اور مختلف قسم کی مہارتوں اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے ذریعے سے سچ کر دکھائے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ»

یعنی ہر شخص کے لیے وہ منزل آسان کر دی جاتی ہے، جس کے لیے اس کی تخلیق کی گئی ہے۔

ایمانی تربیت ہی ضروریات کو صحیح سمت پر گامزن کرتی ہے

ایمان انسانی ضروریات کو مہذب اور شائستہ بناتا اور انھیں محفوظ ترین سمت عطا کرتا ہے، تاکہ ان کا کوئی بھی پہلو دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دینے کا موجب نہ بنے اور نہ وہ صحیح راستے سے انحراف کر سکے۔ یہ مقصد اسلامی شریعت کی تعلیمات اور اس کے شاندار آداب، بلند اخلاق اور اعلیٰ ترین اقدار کی بنیاد پر اطمینان بخش مکالمے کے ذریعے ہی سے پورا ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیات مبارکہ بھی انسانیت کی انھی اوصاف حمیدہ کی توثیق فرماتی ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ [القريش: 4,3]

”تو انھیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور انھیں خوف سے امن دیا۔“

اور ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الأنعام: 82]

”جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے مخلوط نہیں کیا، ایسوں ہی کے لیے تو امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔“

تصحیح کے چھے لمحات

① یہ حقیقت ہے کہ بچہ اپنے چال چلن اور روز مرہ کے رویوں میں بہت بڑی حد تک اپنے گھر اور اپنے قرب و جوار کے ماحول سے متاثر ہوتا ہے، جو اس کی نشو ونما اور پرورش میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں، تاہم بچے کے طور طریقوں میں سے پیدا ہو جانے والی اکثر تبدیلیوں کا تعلق خود اس کی اپنی ذات سے ہوتا ہے کہ یہ تبدیلیاں اس کے اندر سے پھوٹتی اور چیلنج کرتی ہیں۔

② والدین کو اپنے بچے کی نشو ونما کے طریقوں کی اور اس کی ذاتی ضروریات کی جس قدر زیادہ معرفت حاصل ہوگی، اسی قدر انھیں اپنے بچے کی صحیح اور محفوظ راہنمائی کے لیے زیادہ کامیابی نصیب ہوگی۔

③ جب بچے کی ذاتی ضروریات کی اور اس کی نشو ونما کے مختلف مراحل کی خصوصیات کی پہچان ہو جائے گی، تو پھر تربیت کرنے والوں کو بچے کی خاموش کلام بھی سمجھ آ جائے گی اور اس کے ساتھ ہی ان کا بچے کے ساتھ برتاؤ بھی اپنے آپ درست ہو جائے گا، اس کے علاوہ بچے کے طرز عمل میں پیدا ہو جانے والے بگاڑ پر بھی انھیں کنٹرول حاصل ہو جائے گا۔

④ اس طرح کے شعور اور آگہی کے ذریعے سے ناکامی اور بے چینی کا وہ خوف بھی ختم ہو جائے گا، جو والدین کو اپنی اولاد کی اچھی تربیت اور عمدہ

راہنمائی کے سلسلے میں لاحق رہتا ہے اور وہ بچے کے ساتھ تناؤ سے بھرے رویوں سے بھی نجات حاصل کر لیں گے۔

٥ یہ معرفت والدین کو لاعلمی کی وجہ سے اپنے بچوں کی مہارت اور ان کی صلاحیتوں کو کچلنے یا بجھانے کے بجائے ترقی اور فروغ دینے پر آمادہ کرے گی۔

٦ یہ معرفت بچے کی قدرتی اور فطرتی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے ظاہر ہونے اور پھر انھیں ترقی دینے کی راہوں کو آسان کر دے گی۔

حیثیت وعزت کی بحالی کی ضرورت

بچہ اپنی حیثیت اور اہمیت کو ظاہر کرنے اور دوسروں سے منوانے کے لیے درج ذیل چھ طریقوں میں سے کوئی ایک استعمال کر سکتا ہے:
① بغض وعناد ② توڑ پھوڑ ③ کم خوری یا کھانے سے انکار ④ توجہ حاصل کرنے کے لیے شور وشغب ⑤ گھر میں آئے ہوئے مہمانوں یا بے گانوں کو پریشان اور بے قرار کرنا ⑥ خود ساختہ جھوٹ۔

بچے کی ذاتی اہمیت وحیثیت کے شعور کو مضبوط کرنے کے لیے آٹھ اِقدامات:

① اپنے بچے کو وقت دیں۔
② اس کے دل میں اپنی قدر و قیمت کا احساس پیدا کریں۔
③ اپنے بچے کو آزادی دیں۔
④ اپنے بچے کی پسند اور اختیار کو تسلیم کریں۔
⑤ اس کی رائے کا احترام کریں۔
⑥ اپنے بچے کو کچھ ذمے داریاں سونپ دیں۔
⑦ اپنے بچے کی تعریف وستائش کیا کریں۔
⑧ لوگوں کے سامنے بھی اپنے بچے پر فخر اور خوشی کا اظہار کیا کریں۔

ہر انسان کی کوئی نہ کوئی ذاتی ضرورت ہوتی ہے، جو اس کی شخصیت اور اس کے کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بچے کے ساتھ برتاؤ کرنے کے لیے اچھا

طریقہ یہ ہے کہ اس کی بہتر راہنمائی اور عمدہ نشو ونما کی خاطر اس کی ضروریات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

بچہ جس وقت روحانی اور جسمانی نشو ونما کے مراحل طے کر رہا ہوتا ہے، اس وقت اس کی اولین ضرورت یہ ہوتی ہے کہ دوسروں سے وہ اپنی حیثیت و اہمیت کو منوائے اور اس کا اظہار بھی کرے، یہ اس کی خود مختاری، خود اعتمادی اور ذاتی صلاحیتوں کے شعور و ادراک پر مبنی رجحان کا پہلا نتیجہ ہوتا ہے، اس کے لیے بچہ مختلف قسم کے رویے اپنانے پر مجبور ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کے یہ رویے خاندان کی بے قراری اور پریشانی کا موجب ہوتے ہیں، لیکن اس کی زبان حال سے اس کا بنیادی مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اس کے متعلقین اس کا لحاظ رکھیں اور اسے نظر انداز نہ کریں، بلکہ ایک مستقل شخصیت کے طور پر اس کا اعتراف کریں اور اس کے نمایاں وجود کو تسلیم کریں۔

بچے کی بھرپور شخصیت کی اٹھان کے لیے خود اعتمادی اور اپنی حیثیت کا شعور دو بنیادی عناصر ہیں۔ بچے کو اگر اپنی بے قیمتی اور حقارت کا شعور لاحق ہو جائے اور یہ احساس طاری ہو جائے کہ وہ اپنے ماحول میں اجنبی ہے اور وہ کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام دینے کی صلاحیت سے بھی محروم ہے، تو پھر اس کی شخصیت ادھوری رہ جاتی ہے۔

ادھورے پن کا تاثر اور خود اعتمادی سے محرومی بچے کو قبل از وقت ہی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے، جب اس کے وجود اور حیثیت کی حقیقت و ضرورت کو تسلیم کرنے یا اس کی قدر کرنے اور محبت کرنے سے انکار کر دیا جائے اور اس کی کامیابیوں اور صلاحیتوں کا اعتراف نہ کیا جائے۔

اپنی حیثیت اور اہمیت کو نمایاں کرنے اور اسے تسلیم کروانے کے لیے بچے کے اختیار کردہ طریقے:

بعض اوقات بچہ اپنے والدین کو متوجہ کرنے کے لیے مختلف انداز کے پریشان کن رویے اختیار کرتا ہے، اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے سب سے پہلے ان رویوں کا جائزہ لیا جانا چاہیے اور ان رویوں کے نفسیاتی اسباب ومحرکات کا ازالہ کرنا چاہیے، تاکہ اعراض اور بے توجہی کے بجائے اصل مشکل کا علاج کیا جا سکے، اس طرح کے رویوں کے پسِ منظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بچہ اپنی حیثیت و اہمیت کا اظہار چاہتا ہے۔ ان رویوں کی تفصیل یہ ہوسکتی ہے:

۱ بغض وعناد:

بچہ ضد اور انکار کے ذریعے والدین کی خواہش و آرزو کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے یا اپنی ذمے داری کو بھلا دینے کی صورت میں پوشیدہ مخالفت کرتا ہے اور اس کے علاوہ وہ اپنے ماں باپ کی بات کو توجہ سے سننے سے احتراز کرنے لگتا ہے اور بیماری کے بہانے بھی بنانے لگتا ہے۔

۲ توڑ پھوڑ:

توجہ حاصل کرنے کے لیے وہ آس پاس کی اشیا کو توڑنے پھوڑنے لگتا ہے۔

۳ کم خوری:

جب کہ ایسا کر کے وہ اپنے ماں باپ کو بے چین کر کے ان کی توجہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

۴ توجہ حاصل کرنے کے لیے شور وشغب کرنے لگتا ہے۔

۵ چیخنا چلانا:

گھر میں آئے ہوئے مہمانوں اور بیگانوں کے سامنے چیخنے چلانے کا

مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ اسے توجہ دی جائے، اس طرح کی بے سکونی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر کے لوگ بھی مہمانوں کے سامنے پریشان کن ردعمل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں یا پھر وہ لوگوں کے سامنے عام جگہوں پر اس طرح کا طرزِ عمل اپنا لیتے ہیں۔

٦ وہمی اور مصنوعی جھوٹ:

بچہ اپنی حیثیت جتانے کے لیے بہت سارے کارناموں کو سرانجام دینے کا دعوی کرنے لگتا ہے۔

اس طرح کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہی ماں باپ کے لیے متنبہ ہو جانے اور اس کے اسباب وعلل کا سد باب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ان رویوں کا سامنا نہ تو بے پروائی کے ساتھ کیا جائے اور نہ مار پیٹ کے ذریعے سے ان کا مقابلہ کیا جائے، اس طرح تو بچے کے ان رویوں میں پہلے سے زیادہ شدت پیدا ہو جائے گی۔

اہم ترین نوٹ

اپنے بیٹے کو اپنی توجہ کا مرکز و محور نہ بنائیں:

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ بچے کو توجہ دیں اور اس کی اپنی ذاتی حیثیت و اہمیت کو تسلیم کیے جانے کی ضرورت کو بھی پورا کریں، تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ آپ اسے پوری فیملی کے اندر سب سے زیادہ اہمیت دینی شروع کر دیں، اس طرح تو وہ ناز و نخرے اور خود سری کا خوگر ہو جائے گا اور پھر والدین کو پریشانی اور بے قراری کے ساتھ ساتھ اولاد کے حق میں گناہ کا احساس دامن گیر ہو جائے گا، اس کے علاوہ یہ اسلوب ازدواجی تعلقات کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

بچے کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمے داری نہ سونپیں:

تعلیم و تربیت کے ماحول میں دیگر غلطیوں کی طرح یہ غلطی بھی اکثر و بیشتر کر لی جاتی ہے کہ بچے کی اپنی حیثیت و اہمیت کو اجاگر کرنے کی رغبت کے پیشِ نظر ان سے اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا کردار نبھانے کا تقاضا کیا جائے اور ان کی جسمانی قدرتوں کے اعتبار سے غیر موزوں رویہ طلب کیا جائے، اس طریقے سے بچوں پر ناکامی، رائیگانی اور ذاتی اعتماد کی کمزوری کے احساسات غالب آجائیں گے۔ اسی طرح بچوں کو ان کی عقلی صلاحیتوں سے برتر کلام اور عبارات کا یاد کرانا بھی انھی غلط طریقوں میں شامل ہے۔

ایک بچے کا دوسرے کے ساتھ تقابل نہ کریں:

اپنے بیٹے کے سامنے کسی بھی بچے، خواہ وہ اس کا بھائی ہی کیوں نہ ہو، کی حد سے زیادہ تعریف نہ کریں، چاہے وہ کتنی ہی قابل تعریف و توصیف عادات و خصائل اور صلاحیتوں کا مالک کیوں نہ ہو اور بہ ظاہر یہ معاملہ آپ کو معمولی ہی لگتا ہو، تاکہ آپ کے بیٹے کو رائیگانی کا وہمہ لاحق نہ ہو جائے اور اس کے دل میں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف بغض اور نفرت کے جذبات پرورش نہ پانے لگیں۔

بچے کے اندر اس کی ذاتی اہمیت وحیثیت کے شعور کو مضبوط کرنے کے لیے آٹھ (8) اقدامات

① اپنے بیٹے کو وقت دیں:

بچہ اپنی حیثیت کو اجاگر کرنا چاہتا ہے، اس کی اس ضرورت کی خاطر آپ کا اس کے لیے کچھ وقت مخصوص کر دینا، اس کے اس شعور کو مضبوط کرنے کے لیے بنیادی قدم کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا جب وہ آپ سے گفتگو کرنے لگے تو آپ مکمل انہماک کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہیں، اس دوران میں اپنی تمام تر مصروفیتوں کو ترک کر دیں اور جواب دینے کی ضرورت پڑے تو اسے جواب بھی دیں، اس کے ساتھ بیٹھیں اور گفتگو کریں۔

ایک مرتبہ ایک بچے نے اپنے باپ کو اپنی گاڑی کو پالش کرتے دیکھا تو پوچھا: ابا جی! آپ کی گاڑی بہت بڑی مالیت کی ہے، اسی طرح ہے نا ابا جی؟ باپ نے جواب دیا: جی ہاں بیٹے! واقعی یہ گاڑی بڑی مالیت کی ہے اور جب ہم اس کی خوب دیکھ بھال کریں گے تو یہ اس سے بھی زیادہ کی ہو جائے گی اور جب ہم اسے بیچیں گے تو یہ انتہائی مہنگے دام میں فروخت ہو جائے گی۔ بچے نے کچھ دیر سر جھکانے کے بعد کہا: ابا جی! میرا خیال ہے کہ میری قیمت تو زیادہ نہیں ہے؟

② بچے کے دل میں اپنی قدر و قیمت کا احساس اجاگر کریں:

سب سے پہلے آپ اپنی قدر و منزلت کو اور اپنے وقار و احترام کو ملحوظ

رکھیں، اس طرح آپ ذاتی حیثیت و اہمیت کے شعور کو اپنے بیٹے کی طرف منتقل کر سکیں گے۔

③ اپنے بیٹے کو آزادی دیں:

اپنے بیٹے کے بجائے آپ مالی تصرف نہ کریں اور نہ اس کی طرف سے کسی کام کو انجام دیں، اس کے مافی الضمیر کو اپنی طرف سے ادا کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ خود اسے بولنے اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرنے دیں اور اسے اپنے امور میں اپنی مرضی و آزادی کے ساتھ اور والدین کی نگرانی میں تصرف کی اجازت دیں، جب آپ اس کے بجائے خود ہر طرح کا تصرف کریں گے تو ہم یہی سمجھیں گے کہ آپ اپنے بیٹے کی اہمیت اور اس کی صلاحیتوں کو کمتر جانتے ہیں۔

④ اپنے بیٹے کو پسند و ناپسند کا اختیار دیں:

جب آپ اپنے بیٹے کو پسند و ناپسند کا اختیار دیتے ہیں، تو یوں سمجھئے کہ آپ اسے اس کی اہمیت کا شعور دیتے ہیں اور اسے اپنی حیثیت کو نمایاں کرنے اور اپنی ذمے داریوں کا احساس کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، لہٰذا آپ اسے اپنے پسندیدہ کپڑوں میں سے اپنی مرضی کا انتخاب کرنے دیں اور آپ کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ جو کھانا چاہتا ہے اسے کھانے دیں اور جو کھیل کھیلنا چاہتا ہے اسے وہ کھیلنے دیں۔

⑤ اس کی رائے کا احترام کریں:

بچہ اکثر طور پر گفتگو میں شریک ہو کر اپنی رائے بھی پیش کرتا ہے، اس کی رائے جیسی بھی ہو، آپ اسے حد درجہ توجہ کے ساتھ سنیں اور اس کے ذریعے سے بچے کو اس کی اہمیت کا شعور دیں، اس کی رائے پر مذاکرہ و مباحثہ کرنے کے بعد اسے مطمئن کریں، اس کی کلام کو نہ تو حماقت قرار دیں اور نہ اس کا مخول اڑائیں، تاکہ وہ شرمندگی و خجالت سے محفوظ رہے اور اسے اپنے بیکار ہونے کا احساس لاحق نہ ہو۔

⑥ اپنے بیٹے کو کچھ ذمے داریاں سونپ دیں:

جب آپ اپنے بیٹے کو اس کی من پسند اور اس کی قدرت و استطاعت کے مطابق ذمے داریاں سونپ دیں گے، تو اس سے جہاں اسے اپنی اہمیت کا ادراک ہوگا، وہاں اسے یہ سوچ بھی آئے گی کہ میرے خاندان کو میری ضرورت ہے اور میں ایک اہم فرد ہوں، جس کے پاس بڑے بڑے کاموں کو انجام دینے کی طاقت اور قدرت موجود ہے۔

⑦ اپنے بیٹے کی تعریف کریں:

جب بھی آپ کا بیٹا کسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے، تو آپ اس کی تعریف کریں، اس سے اسے اچھے رویہ پر ثابت قدم رہنے میں مدد ملے گی اور اسے اپنی اہمیت کا بھی احساس ہوگا۔

⑧ لوگوں کے سامنے اپنے بیٹے پر فخر کریں:

لوگوں کے سامنے آپ جس قدر اپنے بیٹے کا اچھے لفظوں میں تذکرہ کریں گے اور خوبصورت انداز میں اس کا تعارف کریں گے، آپ کا بیٹا اتنا ہی زیادہ اپنی ذمے داریوں کو پورا کرنے میں حرص رکھے گا اور اسے اپنی حیثیت و اہمیت کا قوی ترین شعور بھی نصیب ہوگا۔

محبت کی ضرورت

اہم ترین سوالات:

1. آپ اپنے بیٹے سے اپنی محبت کا اظہار کس موقع پر کرتے ہیں؟
2. اپنے بیٹے سے اپنی محبت کا اظہار کس طرح سے کرتے ہیں؟
3. کیا آپ کے بیٹے کو بھی معلوم ہے کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟

بیٹے کے دل میں محبت کا پیغام دینے کے لیے چار اقدام:

۱. اپنی محبت کا بیٹے کے سامنے اظہار کریں۔
۲. اپنے بیٹے کی گفتگو کو بڑے انہماک اور توجہ سے سنیں۔
۳. اپنے بیٹے کو تحفے تحائف سے زیادہ محبت کا عطیہ دیا کریں۔
۴. محبت کے اظہار کے لیے آپ اپنے بیٹے پر اعتماد اور بھروسا کریں۔

آپ کی محبت کی دس علامتیں:

محبت کا شعور بچے کی بنیادی ضرورت ہے۔ یہ ہر انسان کی ذاتی ضرورت شمار ہوتی ہے، جو بچے کو امن، سکون اور اطمینان عطا کرتی ہے اور اس کی قدرتی و فطرتی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے اندر رکھ دی ہیں۔

بچے کو جو محبت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اس کے کھانے پینے کی ضرورت سے کسی بھی لحاظ سے کم تر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ انسان چاہے وہ عمر کے جس بھی مرحلے میں ہوتا ہے، انسانی تعلقات کی تعمیر کے لیے

نت نئے امکان اور ذرائع تلاش کرتا رہتا ہے، جو اس کی اس ضرورت کو بھر پور انداز سے پورا کریں، اس طرح اسے اپنے محبوب اور پسندیدہ ہونے کا احساس ہمیشہ تر و تازہ رکھے۔

بچے کو اپنے خاندان کے ساتھ تعلق اور نسبت کا شعور جو اسے سمجھ بوجھ حاصل ہوتے ہی آ جاتا ہے اور یہ انسانیت کا اولین جذبہ ہے جو اس کے لیے نسبت کے حق کو ثابت کرتا ہے، اس کی تکمیل اس کے ساتھ محبت کے اظہار اور فیملی کے اندر اس کے لیے امن و سکون کی فضا مہیا کرنے کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

کیا ہمیں اپنی اولاد کے ساتھ محبت ہے؟

یہ ایک اہم سوال ہے، دنیا کے تمام والدین کی خدمت میں اس سوال کو رکھا جائے تو سب کا قدرتی وفطرتی جواب یہی ہوتا ہے:

''جی، ہمیں اپنی اولاد کے ساتھ محبت ہے''

لیکن اہم ترین سوالات تو یہ ہیں:

① آپ اپنے بیٹے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں؟

② اپنے بیٹے سے اپنی محبت کا اظہار کس طرح سے کرتے ہیں؟

③ کیا آپ کے بیٹے کو بھی معلوم ہے کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟

یہی وہ اہم سوالات ہیں، جن پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔

اپنے بیٹے کو اپنی محبت کے ذریعے سے محبت کی تعلیم دیں:

بچہ ہمیشہ اپنے خاندان کی گرم جوشی اور شفقت و پیار کے ذریعے ہی سے محبت کا جوہر حاصل کرتا ہے۔ بچے کے ساتھ محبت ہی اسے محبت کرنے کے انداز سکھاتی اور اس کے مہر و محبت کے جذبہ کو بیدار کرتی ہے اور بچے کے اندر

ربط و تعلق کو محفوظ طریقے سے پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

بچے کو اگر صغر سنی ہی سے محبت اور پیار سے محروم کر دیا جائے، تو اس کی شخصیت پر خطرناک قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جن کی ابتدا سرکشی، گوشہ نشینی اور اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر رہ جانے کے رجحانات سے ہوتی ہے، بعض اوقات تو بچے کا یہ مزاج موت تک برقرار رہتا ہے، جیسا کہ علم و تحقیق سے یہ حقیقت ثابت شدہ ہے۔

ماں باپ کو اپنے بچے کو قدرتی دودھ پلانے کی حرص صرف اس لیے ہی ہوتی ہے کہ ماں کا دودھ اپنے اندر بے شمار خصوصیات اور فوائد رکھتا ہے، جس کا کوئی نعم البدل یا متبادل نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ ماں دودھ پلانے کے عمل کے دوران میں اپنی محبت و پیار کے قوی ترین جذبات کو بھی اپنے بچے تک منتقل کرتی ہے، وہ جب اسے اپنے سینے کے ساتھ لگاتی، اسے گود میں لٹاتی، یا اس کے جسم کو چھوتی اور لمس کرتی ہے، تو گویا وہ اپنی محبت کا اظہار کر رہی ہوتی ہے۔

بچہ جس قدر بھی اپنے خاندان سے اور اپنے گرد و پیش سے محبت کو سیکھتا ہے، اتنا ہی زیادہ اسے محبت کرنے کا ڈھنگ آتا ہے اور پھر محبت کا یہ میلان اس کی نشو و نما کے ساتھ مزید بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

یقین جانیں کہ شفقت اور پیار کی قوت سے باپ طاقتور ہوتا ہے، سختی اور کرختگی کے ساتھ تو بالکل ہی نہیں۔

اپنے بیٹے کے دل میں محبت کی تعمیر کے لیے چار (4) اقدامات

① اپنے بیٹے کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کریں:

محبت احساس اور شعور کا نام ہے اور اس احساس کا حقیقی سر چشمہ، محبوب کی طرف محبت کو منتقل کر دینے والی طاقت ہی ہوا کرتی ہے، لہٰذا ماں باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ محبت کرنا ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ ان کے سامنے اس محبت کا اظہار بھی لازم ہے، وہ اس طرح کہ اولاد کی طرف اپنی محبت کو الفاظ و عبارات کے ذریعے سے عملی طور پر منتقل کیا جائے، مثلاً کہا جائے: ''بیٹا جی! مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے'' یا الفاظ و عبارات کا سہارا لیے بغیر گلے لگانے، ہاتھوں کو تھام لینے، تھپکی دے کر سلانے، شفقت بھرے لمس، خوشی بھری مسکراہٹ اور نظر بھر کر دیکھنے سے بھی اپنی محبت کو اولاد تک منتقل کیا جا سکتا ہے۔

یہ انتہائی ضروری ہے کہ بچے کو آپ کی محبت کے پیغامات آپ کے الفاظ اور عملی اقدامات کے دونوں چینلوں سے ملتے رہیں، آپ اپنی گھر کی پختہ عادات جیسے صبح و شام کے وقت، اسکول سے واپسی کے وقت ان کو بوسہ دینے، ان کے لیے توفیق کی دعائیں کرنے کے ذریعے سے بھی اس محبت کو مضبوط و مستحکم کر سکتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر ایسے طریقے جن کو آپ اپنے گھر میں روزانہ اختیار کر سکتے ہیں۔

جو شخص اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا، اس کا محبت کا دعوی باطل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے لوگوں کے مابین تعلقات کو پائیدار بنانے کے لیے اس امر پر خاص توجہ دی ہے کہ ہر مسلمان بھائی اپنے بھائی کو بتائے کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے محبت رکھتا ہے۔

② اپنے بیٹے کی گفتگو کو بڑے انہماک اور توجہ سے سنیں:

بچے سے اپنی محبت کے اظہار کے لیے دیگر ذرائع کی طرح یہ بھی اہم ترین ذریعہ ہے کہ آپ اسے اور اس کی گفتگو کو خصوصی توجہ دیں، اسے کلام کرنے کے مواقع دیں اور پھر پورے دھیان کے ساتھ اس کی باتوں کو سنیں۔

توجہ کے ساتھ بات کو سننا ہی وہ اہم ترین ذریعہ ہے، جو محبت کے رشتے کو ماں باپ اور اولاد کے درمیان تر و تازہ رکھتا ہے اور ماں باپ کے ہاں بچے کی اہمیت اور اس کے لیے ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بچے کی گفتگو پر حد درجہ انہماک سے خود والدین کو اپنی اولاد کے نشو و نما کے مختلف مراحل کو سمجھنے کی مدد ملتی ہے، خاص طور پر جب بچے بلوغت کی حدود تک پہنچنے لگتے ہیں۔

ماں باپ جب اپنے کم سن بچوں کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں تو یہی بچے بڑھاپے کے وقت ان کی باتوں پر خوب دھیان دیتے ہیں۔

③ اپنے بیٹے کو تحفے تحائف سے بھی زیادہ محبت کا عطیہ دیا کریں:

بچے کو اپنے والدین کی طرف سے ہدیے، تحائف اور شاپنگ سے کہیں زیادہ ان کی شفقت اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ محبت سے جہاں سکون اور اطمینان کی فصل اگتی ہے اور اس سے رشتوں میں استحکام پیدا ہوتا ہے، وہاں اس کے ذریعے سے بچے کے اپنے متعلق ناپسندیدہ ہونے کے خیالات اور اندیشوں

کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔

جو محبت تحفوں اور ہدیوں کا نعم البدل ہوتی اور بچے کو اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، وہ یہی ہے کہ اس کے لیے کچھ نہ کچھ وقت مختص کیا جائے، اس سے باتیں کی جائیں اور اسے گھر سے باہر بھی ساتھ لے جایا جائے۔ کبھی کبھار اس کے ساتھ کھیلنے کا وقت بھی نکالا جائے اور اس کے ساتھ کنبے کے بعض مسائل میں مشاورت لے لی جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ ہمیں کل سیر کے لیے کہاں جانا چاہیے؟ انھی طریقوں سے کنبے کے درمیان رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ بچے کو محبت کا شعور ملتا ہے اور خاندان کے ساتھ نسبت اور تعلق کا احساس نصیب ہوتا ہے۔

بچے کو محبت کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بدلے میں آپ کسی بھی دوسرے ہدیے کو نعم البدل قرار نہیں دے سکتے۔

④ محبت کے اظہار کے لیے آپ اپنے بیٹے پر اعتماد اور بھروسا کریں:

آپ کو اپنے بچے کی صلاحیتوں اور اس کے اخلاق و کردار پر جس قدر زیادہ اعتماد، یقین اور بھروسا ہوگا، وہ اسی قدر آپ کی حقیقی محبت کا شعور حاصل کرے گا اور اسے جس قدر آپ کا اعتماد حاصل ہو گا، وہ اسی قدر اس اعتماد کا احترام کرے گا اور اپنے آپ کو اس اعتماد و یقین کے ساتھ پیش کرے گا، اس کے علاوہ اسے ذمے داری کا اور اپنے آپ کو محتاط رکھنے کا سلیقہ حاصل ہو گا، اس کے برعکس، جب بچے کو اپنے ماں باپ کی طرف سے اعتماد نصیب نہ ہوگا، تو وہ دھوکا دہی اور دو رخی رویہ اختیار کرنے کی طرف مائل ہوگا اور بہ ظاہر تو وہ اپنے ماں باپ کو راضی رکھنے کا کام کرے گا، مگر اس میں وہ دل کے اخلاص سے محروم رہے گا۔

محبت اعتماد اور یقین کا نام ہے

امام احمد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے معاویہ بن قرہ سے ان کے باپ کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے:

«إِنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَ مَعَهُ ابْنٌ لَّهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَتُحِبُّهُ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَحَبَّكَ اللّٰهُ وَاللّٰهِ كَمَا أُحِبُّهُ، فَفَقَدَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: مَا فَعَلَ ابْنُ فُلَانٍ؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَاتَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِيهِ: أَمَا تُحِبُّ أَنْ تَأْتِيَ بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ إِلَّا وَجَدْتَهُ يَنْتَظِرُكَ عَلَيْهِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَ لَهُ خَاصَّةً يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَوْ لِكُلِّنَا؟ قَالَ: بَلْ لِكُلِّكُمْ»

''ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تجھے تیرا بیٹا پیارا لگتا ہے؟ اس شخص نے عرض کی: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ سے ایسی ہی محبت فرمائے، جیسی مجھے اس اپنے بیٹے کے ساتھ ہے۔ بعد میں نبی اکرم ﷺ کو وہ بچہ نظر نہ آیا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھ لیا کہ فلاں کے بیٹے کو کیا ہوا ہے؟ (کہ وہ نظر نہیں آیا) صحابہ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! وہ بچہ تو فوت ہو گیا ہے، تب نبی اکرم ﷺ نے اس کے باپ سے فرمایا: کیا تیرے لیے یہ خوشی کافی نہیں ہے کہ تو جنت کے دروازے پر پہنچے گا، تیرا بیٹا وہیں

تیرا انتظار کر رہا ہو گا؟ ایک شخص نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ اعزاز صرف اسی کے لیے خاص ہے یا کہ ہم سب کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اعزاز صرف اس کے لیے ہی نہیں بلکہ تم سب کے لیے ہے۔''

اب آپ کا بیٹا آپ سے محبت کرتا ہے

آپ کے بیٹے کی آپ کے ساتھ محبت کی دس علامات:

1. آپ اس کے لیے اعلیٰ ترین نمونہ ہوں۔
2. آپ اس کے مخلص ترین دوست ہوں۔
3. وہ اپنے تمام معاملات میں آپ کی رائے کو اولیت اور اہمیت دیتا ہو۔
4. آپ کے کہیں سے آنے سے وہ خوش اور آپ کے چلے جانے پر اداس ہو جاتا ہو۔
5. آپ کا دکھ درد اسے بے چین کر دیتا ہو۔
6. وہ ہمیشہ آپ کے پہلو میں رہنے کو ترجیح دیتا ہو۔
7. اسے یہ شعور حاصل ہو کہ آپ سب سے بڑھ کر اس سے پیار کرتے ہیں۔
8. وہ آپ کے ساتھ تفریح، مشغلہ اور خوش طبعی کر کے خوشی محسوس کرتا ہو۔
9. اسے آپ سے بات کرنے یا اپنی رائے دینے کی حد درجہ چاہت لاحق رہتی ہو۔
10. آپ سے گلے مل کر وہ بہت زیادہ خوش ہوتا ہو۔

آپ کے بیٹے کے اندر یہ علامات موجود ہیں تو آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ آپ کا بیٹا واقعی آپ سے محبت کرتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو اس سے محبت ہے۔

سکون کی ضرورت

بچے کی زندگی میں سکون و اطمینان کے چھے (6) دشمن:

① ماں باپ کے مابین اختلافات اور لڑائی جھگڑے۔

② قواعد وضوابط اور مناسب سزا وغیرہ کا فقدان۔

③ والدین کا غائب رہنا یا ان میں سے ہر ایک کا اپنی ذمے داریوں سے سبک دوش ہو جانا۔

④ انسانی جذبات و احساسات کا مفقود ہو جانا۔

⑤ والدین کا بے چین اور بے قرار رہنا۔

⑥ پدری و مادری طریقوں کا بدل جانا۔

اطمینان و آسودگی مہیا کرنے کے لیے چھے (6) تربیتی ذرائع:

① نرمی، بردباری اور ملائمت پر مبنی روش۔

② سختی، کرختگی، بے رحمی اور حد سے زیادہ محاسبے سے اجتناب۔

③ بچے کو مسرت و شادمانی مہیا کرنے کے لیے مطلوبہ وسائل کی مسلسل جستجو۔

④ بچے کے ساتھ متواتر دلچسپی اور اس کے حالات کا متواتر جائزہ۔

⑤ والدین کے متعلق بچے کے اندیشوں کا ازالہ۔

⑥ ضرورت مند بچوں کے ساتھ خصوصی توجہ۔

بچے کی زندگی میں اطمینان کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے 7 اقدامات:

① ماں باپ کے مابین دائمی سکون و اطمینان۔

② بچے کے ساتھ ماں باپ کی یکساں محبت۔

③ خاندان کے ساتھ ملاقاتیں اور ربط و تعلق۔

④ قواعد وضوابط کا مناسب اہتمام۔

⑤ تربیت کے دائمی اور واضح ترین مقاصد۔

⑥ بچے کو پیار سے چھونا اور اسے گلے سے لگانا۔

⑦ خاندانی نسبت کو فروغ دینا۔

اطمینان اور سکون ہر انسان کی ذاتی ضرورت ہے، اس کے بغیر نہ تو انسانی زندگی مکمل ہوسکتی ہے اور نہ اس کی شخصیت کو پائیداری نصیب ہوسکتی ہے۔ یہ انسانی ضرورت اس قدر لازم ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے محروم ہو جائے تو وہ چوری، خوف، ماں باپ میں سے کسی ایک کی طرف جھکاؤ اور من مرضی جیسی علامات کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ منفی اثرات اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں، جب وہ اپنی زندگی کو آسودہ نہ دیکھے، تب وہ غیر مستحکم ہو جاتا ہے اور اپنی ذات کے خول میں بند ہو جانے اور حقائقِ زندگی کا سامنا کرنے سے فرار کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

بچے کی زندگی میں سکون و اطمینان کے چھے (6) دشمن

بچے کی زندگی سے اطمینان اور سکون کے روٹھ جانے میں ذیل کے اسباب میں سے کسی ایک کا تعلق ہو سکتا ہے:

① ماں باپ کے مابین اختلافات اور لڑائی جھگڑے:

لڑائی جھگڑے، اختلافات اور مسلسل کشمکش اور تناؤ سے بھرا ماحول بچے کو اس کی زندگی میں سکون و اطمینان مہیا کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اگر یہ کہا جائے تو قطعاً حیرت نہ ہوگی کہ بڑی عمر کے لوگوں میں پائی جانے والی مخالفت اور سرکشی کا اہم ترین سبب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے والدین کے درمیان دائمی جھگڑوں کی بدولت اطمینان و سکون نصیب نہ ہو سکا۔

بچہ بنیادی طور پر سکون سے مالا مال ہونے کے لیے اپنے ماں باپ کا سہارا لیتا ہے، لیکن جب وہ خود انھیں غیر آسودہ دیکھتا ہے، تو وہ ذاتی اعتماد سے محروم ہو کر اپنے لیے اطمینان و سکون کی نئی راہیں تلاش کرنے لگتا ہے اور اس طرح وہ اپنے ماں باپ سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔

ازدواجی جھگڑوں کا انسانی مزاج کے ساتھ تعلق ہے اور یہ کوئی قابلِ ملامت شَے ہی نہیں ہے۔ ہاں! یہ عادت اس وقت خطا اور جرم بن جاتی ہے، جب خاوند اور بیوی میں سے کسی کو بھی اختلاف کا طریقہ تک معلوم نہ ہو، اس سے ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ لڑائی جھگڑے کے ماحول سے اولاد کو دور رکھا جائے، بلکہ

مطلوب یہ ہے کہ خاوند اور بیوی کو اختلاف کا طریقہ کار معلوم ہونا چاہیے، تا کہ وہ اپنے اس اختلاف کے ذریعے سے بھی اپنی اولاد کو معاملات کو حل کرنے اور لڑائی جھگڑوں کا سامنا کرنے کا ڈھنگ سکھائیں۔

② قواعد وضوابط اور مناسب سزا وغیرہ کا فقدان:

ماں باپ کا اپنی اولاد کے متعلق غفلت برتنے اور حق و باطل کے درمیان ضروری تفریق و نشاندہی سے بھی بے پروائی اختیار کرنے، اخلاق و کردار میں مناسب اور نامناسب کی تشریح سے بھی چشم پوشی کرنے اور آزادی کی حدود کو بھی واضح نہ کرنے سے بچہ ضائع ہو جاتا ہے اور وہ ایسی دنیا کا باسی بن جاتا ہے، جو نہ حدود کو جانتی ہے اور نہ اسے کسی اعلیٰ ترین معیار اور شاندار درجے کی تلاش کی فکر لاحق ہوتی ہے اور پھر یہی رائیگانی و برباری اس کے امن اور اطمینان کو سلب کر لیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دینی، معاشرتی اور خاندانی قوانین وضوابط کی پاسداری ہی انسان کو بالعموم اور بچے کو خاص طور پر اطمینان کی دولت سے مالا مال کرتی ہے، یہ جو اکثر نوجوان پریشانیوں اور نہ ختم ہونے والی اداسیوں کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں، دیکھا جائے تو یہ وہی افراد ہیں، جنھیں ایسے ماحول میں نشو و نما نصیب ہوئی ہے، جو قوانین وضوابط اور آداب و اخلاق کی تعلیم سے ناآشنا تھا۔

قانون اور ضابطوں کا وجود بذات خود اطمینان کا ضامن ہوتا ہے اور باپ کی اپنی اولاد کے ساتھ توجہ کا اصل پیغام بھی یہی ہے۔

③ والدین کا غائب رہنا یا ان میں سے ہر ایک کا اپنی ذمے داریوں سے سبک دوش ہو جانا:

ماں باپ جب اپنے تربیتی کردار سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں اور

دنیوی معاملات میں مصروف ہو کر اپنی اولاد سے بے پروا ہو جاتے ہیں، تو اولاد کو مستقل طور پر بدامنی اور بے سکونی کا روگ لاحق ہو جاتا ہے۔ ایک کنبے اور فیملی کی زندگی میں کنارہ کشی اور اپنی ذمے داریوں سے دست برداری کا یہ عمل اپنی ذمے داریوں کو دوسروں کے سپرد کر دینے کی پالیسی ہی سے پورا ہو جاتا ہے، جسے بدقسمتی سے اس دور میں اپنی اولاد کی تربیت کے لیے عمومی طور پر اختیار کر لیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ بچوں کی نگہداشت کا معاملہ نوکرانی کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کی ذمے داری ٹیلی ویژن کے سپرد کر دی جاتی ہے۔

بچوں کی تھکان دور کرنے اور انھیں راحت پہنچانے کی ذمے داری الیکٹرونک کھیلوں کے سپرد کر دی جاتی ہے اور پھر کھانے پینے کی تیز رفتار تیاری کا نظام بھی اپنا کردار خوب نبھاتا ہے۔

ان حالات میں ماں باپ کی ذمے داری صرف اتنی رہ گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد پر صرف ہو جانے والے اخراجات کو ادا کریں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ ایک ایسی دنیا کا فرد بن کر پرورش کے مراحل طے کرتا ہے جو امن اور اطمینان کے ماحول سے لاشعور ہوتی ہے۔

④ انسانی جذبات و احساسات کا مفقود ہو جانا:

بچے کو مادی تحائف سے زیادہ اطمینان اور آسودگی کی ضرورت ہوتی ہے اور ماں باپ کے شفقت سے لبریز جذبات میں رچی بسی خاندانی گرم جوشی کی۔ وہ چاہتا ہے کہ محبت ملے، اسے شفقت اور توجہ میسر ہو، جذبات و احساسات کا دو طرفہ تبادلہ ہو اور محسوس کی جانے والی مشارکت ہو کہ آپ اس کی خوشی سے اور وہ آپ کی خوشی سے فرحت محسوس کرے۔

⑤ ماں باپ کا بے چین اور بے قرار رہنا:

بچے کے ہاں شعور و ادراک کا سب سے بڑا اور پہلا چارٹ اس کے والدین کی طرف سے تشکیل پاتا ہے، چونکہ اولاد روزانہ ماں باپ کے ساتھ ہوتی ہے، لہٰذا ماں باپ کا داخلی شعور اولاد کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

اسی بنا پر بچے پر خوف اور اضطراب کا احساس اسی طرح سوار ہوتا ہے، جیسا کہ اس نے اپنے ماں باپ سے سنا یا ان کی زندگی میں محسوس کیا ہوتا ہے، جیسا کہ مستقبل کی پریشانی و مایوسی، زندگی کے ختم ہو جانے کا خوف، مہنگائی کے بڑھ جانے یا زلزلوں اور سیلابات کی شکل میں آنے والی مصیبتوں کے خوف وغیرہ۔

⑥ پدری اور مادری طریقوں کا بدل جانا:

تربیت کے حوالے سے عام طور پر ایک غلطی معاشرے میں کثرت سے موجود ہے، وہ یہ کہ ماں باپ اپنی اولاد کی اصلاح کے لیے مختلف طریقوں کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اس خیال سے کہ شاید اولاد کا رویہ اس نئے طریقے سے درست ہو جائے اور ان کی اٹھان مضبوط ہو جائے۔ اس طرح وہ لاشعوری طور پر اپنے بچے کو تجربات کے لیے استعمال کیا جانے والا چوہا بنا ڈالتے ہیں۔ انھیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ تربیت کا طریقہ اور اسلوب کوئی بھی ہو، وہ ایک وقت کا تو ضرور محتاج ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ وقت بہت معمولی توجہ نہیں چاہتا، اس کے بعد ہی کہیں جا کر اس تربیت کے ثمرات اور نتائج مل سکتے ہیں، روز روز کی تبدیلیوں سے تربیت تو بالکل نہیں، البتہ بچے کی زندگی سے خوشی اور آسودگی کو بے رحمی سے کھرچ ضرور دیا جاتا ہے۔

اطمینان و آسودگی مہیا کرنے کے لیے چھے (6) تربیتی ذرائع

① نرمی اور ملائمت کا انداز:

بچوں کے ساتھ نرمی و ملائمت کے عمدہ برتاؤ سے دوطرفہ اعتماد، نفسیاتی اطمینان اور مشترکہ تعلق و رابطے کی نعمت میسر آتی ہے اور یہی چیز اولاد کے ساتھ ماں باپ کی محبت کی ایک حقیقی اور مثالی تعبیر ہے اور یہی وہ پیغام ہے جس کے ذریعے سے بچہ اپنے ساتھ محبت کرنے والے دیگر لوگوں کی محبت و الفت کا ہمہ جہتی جائزہ لیتا ہے۔

② سختی، بے رحمی اور حد سے زیادہ محاسبے سے اجتناب:

ذہنی اور نفسیاتی طور پر نامکمل بچوں کے ساتھ سختی اور کرختگی کا سلوک انھیں بے قرار ردعمل کا شکار بنا سکتا ہے، جس کے نتیجے میں انھیں خوف، شرمندگی، خود اعتمادی سے محرومی اور بلا ارادہ پیشاب خطا ہو جانے کے عوارض لاحق ہو سکتے ہیں، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اولاد کے ساتھ سخت رویہ ہمیشہ وہی انسان اختیار کرتا ہے، جو ناکام ہوتا ہے اور اسے اپنی اولاد کے ساتھ اچھی گفتگو کا اور عمدہ مکالمے کا سلیقہ ہی حاصل نہیں ہوتا۔

③ بچے کو مسرت و شادمانی مہیا کرنے کی خاطر مطلوبہ وسائل کی مسلسل جستجو:

یہ وسائل معنوی اور روحانی ہو سکتے ہیں، جیسے بچے کو بوسہ دینا، خوش طبعی

کرنا، گلے لگانا، اسے سلام کرنا اور اس کے ساتھ مسکرانا وغیرہ، اس کے علاوہ مادی وسائل بھی ہو سکتے ہیں، جیسے بچے کو تحفے تحائف اور کھلونے وغیرہ خرید کر دینا، اس کے ساتھ کھیلنا اور ایسی چیزیں مہیا کرتے رہنا، جو بالعموم بچوں کو خوش کر دیتی ہیں، بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ ہو۔

④ بچے کے ساتھ مسلسل دلچسپی اور اس کے حالات کا متواتر جائزہ:

بچے کے متعلق پوچھتے رہنے، اس کے حالات و معاملات میں دلچسپی لینے، اس کے طور طریقوں کا مسلسل جائزہ لینے اور اس کے دکھ سکھ میں شریک رہنے سے بچے کو ایک مضبوط و مستحکم اساس نصیب ہوتی ہے، جس پر وہ زندگی کے مصائب و آلام کا سامنا کرنے کے لیے اعتماد کر سکتا ہے۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعے سے دلوں کو ایک دوسرے سے ربط اور قرب نصیب ہوتا ہے اور بچے کے اور اس کے والدین کے درمیان اعتماد اور بھروسے کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔

⑤ والدین کے متعلق بچے کے اندیشوں کا ازالہ:

بچے ہمارے فکر و تخیل سے بھی کہیں زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہ ہر شے کا بڑی توجہ سے جائزہ لیتے اور اس سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ بسااوقات ان کے ذہنوں میں ایسے خدشات اور اندیشے ابھرتے ہیں، جو ان کے دلی اطمینان کو بے قرار ہی نہیں بلکہ جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں، ان اندیشوں کا سب سے بڑا محرک اور سبب بچے کے ذہن میں پیدا ہونے والا یہ احساس ہوتا ہے کہ والدین اپنی اولاد کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ کرتے وقت عدل اور انصاف نہیں کرتے۔ واضح رہے کہ اس عدل و انصاف کا تعلق صرف مادی وسائل اور اشیا کی تقسیم کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس کے دائرے میں روز مرہ کا سلوک، برتاؤ اور محبت و شفقت کا یکساں رویہ بھی آ جاتا ہے۔

⑥ ضرورت مند بچوں کے ساتھ خصوصی توجہ:

ایک عورت سے پوچھا گیا کہ تیری اولاد میں سے کون سا بچہ تجھے سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے؟ اس نے کہا:

''ان میں سے سب سے چھوٹا بچہ، بڑا ہونے تک، ان میں سے بیمار بچہ، صحت مند ہونے تک اور ان میں سے باہر گیا ہوا بچہ، واپس آ جانے تک۔''

اس خصوصی توجہ کے دائرے میں یتیم بچے بھی آ جاتے ہیں، جو یتیمی کے دکھ سہہ رہے ہوں اور وہ بچے بھی جو دائمی معذوریوں یا اس طرح کی دیگر مشکلات کا شکار ہوں۔

بچے کے اطمینان کو مضبوط کرنے کے لیے سات (7) اقدامات

ہم گزشتہ اوراق میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان تربیتی طریقوں کے ذریعے سے ہم بچوں کو اطمینان کیسے مہیا کر سکتے ہیں، جن پر اپنے تمام تر رویوں میں والدین کو انحصار کرنا چاہیے؟

رہی اس حاصل شدہ اطمینان کی مضبوطی و استحکام کی بات تو اس کا دارومدار سات قسم کے مثبت اقدامات پر ہے، جو بچے کے دل میں اطمینان کے شعور کو پختہ کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔

① ماں باپ کی اطمینان سے بھرپور زندگی:

نفسیاتی تربیت کے مطالعے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ بچے کے پاس موجود جذبات و احساسات کا سب سے بڑا سرچشمہ وہ ماحول ہوتا ہے، جو اس کے والدین کے باہمی تعلقات میں نمایاں اور غالب رہتا ہے، یہی جذبات و احساسات ماں باپ کی طرف سے بچے کے اندر خود منتقل ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ کے درمیان اگر اطمینان و سکون غالب قوت کی حیثیت سے مضبوط ہے، تو اولاد کے اندر بھی یہ اطمینان پختہ اور مضبوط رہے گا۔

اگر آپ نے ایک دوسرے کو اپنی مسکراہٹوں سے محروم نہیں کیا ہو گا تو

آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بچہ بھی سب سے پہلے آپ کے ساتھ مسکرائے گا، اس کے بعد وہ باقی دنیا سے اپنی مسکراہٹ کا اظہار کرے گا۔

② والدین کی اپنے بیٹے سے محبت:

بچے کو جتنا زیادہ اپنے ساتھ اپنے والدین کی محبت کا شعور حاصل ہوگا، اتنا ہی زیادہ اس کا اطمینان بڑھے گا اور یہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ہمیں اپنی اولاد سے محبت کس طریقے سے کرنی چاہیے۔ تاہم اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ آپ اپنی اولاد سے واقعی محبت کرتے ہیں، بلکہ صرف اس چیز کی ہے کہ آپ ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار بھی کرتے ہیں اور ان کے دلوں کو اپنی محبت کے احساس سے بھر دیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنے بچے کو اٹھاتے، اپنے سینے سے لگاتے اور اسے کہتے ہیں کہ تو ہمارے نزدیک حد سے زیادہ محبوب ہے، تو اسے اس طرح کے سلوک سے اپنے پسندیدہ ہونے کا شعور ملتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے اطمینان بھی نصیب ہو جاتا ہے۔

ہسپتال سے ایک معصوم بچے کو بیماری سے شفایاب ہونے کے بعد گھر جانے کی اجازت ملی، تو لوگوں نے اسے ہمت اور بہادری سے بیماری کی سخت تکلیفوں کو برداشت کرنے پر شاباش دی، تو اس نے کہا: جب آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ گھر کے تمام افراد آپ سے محبت کرتے ہیں، تو پھر آپ کے لیے بڑی سے بڑی تکلیف کو اور سنگین سے سنگین تر مصیبت کو جھیل جانا آسان ہو جاتا ہے۔

③ خاندانی ملاقاتیں:

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے موجودہ دور میں خاندانی ملاقاتوں،

عائلی محفلوں اور فیملی تقریبات کا سلسلہ نہایت ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے، اب تو کھانے پینے کے دستر خوانوں کے سوا اس طرح کی تقریبات کا اہتمام شاذ و نادر شے بن گیا ہے۔ صورتِ حال اس طرح کی بن کر رہ گئی ہے کہ باپ گھر سے باہر اپنی کاروباری مصروفیتوں میں مشغول رہتے ہیں اور مائیں ٹی وی، اخبارات، رسائل و جرائد میں متوجہ رہتی ہیں، یا پھر فون پر باتیں کرتے ہوئے وقت گزار دیتی ہیں، رہی اولاد تو ان پر سے توجہ ختم کر دی گئی ہے، انھیں یا تو خادماؤں کے سپرد کر دیا جاتا ہے یا الیکٹرونک کھلونوں اور کھیلوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

خاندانی تقریبات بچے کو مسلسل یہ شعور دیتی رہتی ہیں کہ وہ اطمینان اور محبت سے مالا مال متحد اور مربوط ماحول میں زندگی گزار رہا ہے۔ ماں کے حوالے سے ایک خصوصی لیکچر کی موزونیت سے متعلق نرسری کے بچوں سے ایک سوال پوچھا گیا:

''کس وجہ سے آپ اپنی ماں کو دنیا کی عظیم ترین ماں سمجھتے ہیں؟''

تو بچوں کے جوابات کچھ اس طرح تھے:

1. میری ماں میرے ساتھ بہت زیادہ کھیلتی ہے۔
2. میری ماں میرے کپڑے دھوتی اور مجھے سکول روانہ کرتے وقت بوسہ دیتی ہے۔
3. میری ماں عظیم ترین ماں ہے کہ وہ مجھے اپنی دونوں بانہوں میں سمیٹ لیتی اور مجھے اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لیتی ہے۔
4. وہ مجھے بوسہ دیتی، گلے لگاتی اور میرا حد سے زیادہ خیال رکھتی ہے۔
5. وہ بڑی مہارت کے ساتھ کھانا تیار کرتی ہے اور خاص طور پر ہمیں شوربہ تیار کر کے دیتی ہے۔
6. میری ماں دنیا کی عظیم ترین ماں ہے، جو ضرورت کے مطابق مجھے دوا کھلاتی

ہے اور مجھے بڑی اہمیت دیتی ہے۔

7 مجھے اپنی ماں سے بڑی محبت ہے اور میرا باپ بھی اس کے ساتھ شدید محبت رکھتا ہے۔

8 میری ماں ہمیشہ گھر کو صاف رکھتی، سامان کو ترتیب دیتی اور برتنوں کو دھو کر رکھتی ہے، تاکہ ہم ان میں کھانا کھایا کریں۔

④ قواعد وضوابط:

خاندان کے اندر سبھی افراد کو قواعد وضوابط ہی ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور منظّم رکھتے ہیں اور انھیں کردار وعمل کے حوالے سے اعلیٰ ترین نمونے اور واضح ترین پالیسیاں عطا کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے اور حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

خاندان کے اندر نظم وضبط کو جس قدر بالادستی حاصل ہوگی اور اس کے قوانین جس قدر واضح ہوں گے، اتنا ہی زیادہ بچے کو اطمینان اور آسودگی حاصل رہے گی۔

خاندان کے نظام کی ابتدا مفید اور مثبت تربیت کے مخصوص و متعین قواعد وضوابط سے ہوتی ہے اور طبیعت اور مزاج کا حصہ بن جانے والی عادات پر جا کر اس کی انتہا ہو جاتی ہے، جن کے اندر کھانے پینے، نیند کرنے، خاندانی نشست، مطالعہ کرنے اور فالتو لمحات کے متعین اوقات ہوتے ہیں۔ ایسا ہی نظم ونسق خاندانی نظام کو مضبوطی سے ہمکنار کرتا ہے اور سبھی افراد کے دلوں میں اطمینان کے بیج بوتا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم روز مرہ کے ان اوقات پر حرف بہ حرف پکے ہو جائیں، بلکہ لچک دار طرزِ زندگی اختیار کرنا ہر حالت میں مطلوب ہے۔

تجربہ و تحقیق کی دعوت:

آپ ایک مچھلی کو مٹی اور ریت کے نہیں بلکہ شیشے کے تالاب میں صرف پانی اور آکسیجن پر چھوڑ دیں اور پھر مچھلی کی حرکات کا جائزہ لیں، اس کے بعد کچھ مٹی اور کنکریاں بھی اس تالاب کے اندر ڈالدیں اور اس کے بعد مچھلی کی رفتار اور حرکت کا نظارہ کریں اور بتائیں کہ مچھلی کو کس پانی کے اندر زیادہ آزادی اور آمد و رفت کی سہولت محسوس ہوتی ہے؟

⑤ تربیت کے دائمی اور واضح ترین مقاصد:

بچہ تربیت و راہنمائی کے واضح اسلوب اور دائمی نمونوں سے مطمئن رہتا ہے۔ آسان لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اگر ماں باپ میں سے ہر ایک کی تربیت و راہنمائی کے مقاصد میں اگر تردد یا ناموافقت کے نقائص پائے جاتے ہوں، تو زیرِ تعلیم بچہ اطمینان سے محروم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا بنیادی مقاصد پر ثابت قدمی اختیار کی جائے اور والدین کے کردار و عمل میں خاص طور پر ان رویوں کی خوب حفاظت کی جائے جو بچوں کو پیروی کی طرف راغب کرتے ہوں۔ والد اور والدہ کے مابین عمومی اتفاق اور یکجہتی ہونی چاہیے اور اوامر و نواہی میں ان صورتوں سے بچا جائے، جن کی نہ توجیہ کی جا سکتی ہو اور نہ ان سے بچے کو مطمئن کیا جا سکتا ہو۔

ہمارے احکامات میں توجیہ اور تسلی کا انداز بچے کے اطمینان کو بڑھاتا ہے، اس طرح سے ہمارے تربیتی پیغامات واضح طور پر بچے تک پہنچ سکتے ہیں اور وہ بلا ضرورت وسوسوں سے بھی محفوظ رہ سکتا ہے، جیسے اس کے دل میں یہ خیال آ جائے کہ میرے والد کو مجھ سے محبت نہیں ہے یا وہ مجھ سے زیادہ میرے

چھوٹے بھائی سے محبت کرتے ہیں وغیرہ۔

تربیت کا معیاری اور تسلی بخش اسلوب ہی بچے کو اطمینان دلاتا ہے، اس کے لیے روشن نمونوں کو مضبوط اور مستحکم کرتا ہے اور اس کی عقلی صلاحیتوں کو ترقی دیتا ہے اور اسے انسانی سوچ کے مطابق معاملات پر غور کرنے، نتیجہ اخذ کرنے اور وجوہات تلاش کرنے کے طریقوں کو واضح کرتا ہے۔ یہی وہ مہارتیں ہیں جن پر بچپن کے دور ہی سے بچے کو نشوونما ملنی چاہیے، جیسے کہ بچے کو کہا جائے:

''سیب کھایا کرو، کیونکہ اس میں وٹامن ڈی پایا جاتا ہے، اس وٹامن سے تیری ہڈیاں مضبوط ہوں گی۔ ماچس کی تیلی سے نہ کھیلا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھے آگ لگ جائے۔''

٦ بچے کو پیار سے چھونا اور اسے گلے لگانا:

بچے کے جسم پر ہاتھ پھیرنے، اسے کسی بھی طرح سے چھونے، اس سے خوش طبعی کرنے اور اسے اپنی بغل میں لینے سے بچے کو بھرپور آسودگی حاصل ہوتی ہے اور ان حرکات کے اندر ہی سے اسے والدین کے ساتھ جوڑنے والی شفقت اور محبت کی گرم جوشی ملتی ہے، جو اسے والدین کے ہاں محبوب اور پسندیدہ ہونے کا شعور دیتی ہے۔ بچے کو ایامِ طفولیت میں کھیل کود، خوش طبعی، ہاتھوں کے لمس اور تھپکی دے کر سلانے کی حد درجہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہ حد درجہ فائدہ مند ذرائع ہیں، جو بچے کے دل میں امن اور اطمینان پیدا کرتے ہیں اور بچے کے اور اس کے والدین کے درمیان تعلق کو تقویت فراہم کرتے ہیں، جو بچے کی مستقبل کی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کرتے اور اس کی نوپذیر شخصیت کے مثبت پہلوؤں کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بچے کو قدرتی طریقے سے دودھ پلانے کی خوبی صرف اس وجہ ہی سے نہیں ہے کہ ماں کے دودھ کے خاص امتیازات ہوتے ہیں، بلکہ اس کی اپنی ایک علاحدہ اور خصوصی اہمیت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ دودھ پلانے کے دوران میں ماں اپنے جسم کو بچے کے ساتھ لگاتی اور اسے اپنے ساتھ چمٹا لیتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ بات کرتے کرتے جب بچے کو ہاتھوں کے ساتھ لمس کیا جاتا ہے تو وہ خود کو گفتگو کے سیکھنے، ہدایات کو قبول کرنے اور نئے نئے کلمات کو ادا کرنے کا طریقہ سیکھنے کے لیے تیار کرنے لگتا ہے۔

اس کے علاوہ بچے کو چھونے کا یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی اجتماعی و معاشرتی خصوصیات کو تقویت فراہم ہوتی ہے، جو اسے مستقبل میں لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت زیادہ سے زیادہ یکسانی اور ہم آہنگی کی قدرتوں اور صلاحیتوں کا مالک بنا دیتی ہے۔ عین انھیں ایام میں آ کر کسی بچے کو اس کی بچپن ہی میں شفقت بھرے لمس سے محروم کر دیا جائے، تو یہ اسے مستقبل میں گوشہ نشینی، معاشرتی زندگی سے بیزاری اور عزلت پسندی اور صرف اپنی ذات تک محدود رہ جانے اور لوگوں سے معاملات کرنے میں حد درجہ کمزوری جیسے نقائص کا شکار بنا دیتی ہے۔

بچے کو اپنے جسم سے لگانے کی مفید ترین شکلیں جن کو مسلسل اختیار کرنے کی ضرورت ہے:

① بچے کو کندھے پر اٹھایا جائے۔

② بچے کے کندھوں پر پیار سے ہاتھ رکھا جائے۔

③ بچے کو بوسہ دیا جائے۔

④ بچے کو اپنے دائیں پہلو کے ساتھ چمٹا لیا جائے۔

⑤ چلتے چلتے بچے کے ہاتھ کو تھام لیا جائے اور اسی دوران میں اس کے

کندھوں پر بھی ہاتھ رکھا جائے۔

6. بچے کو اٹھا کر آہستگی کے ساتھ چلا جائے۔

7. بچے کو اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا جائے۔

8. باپ اپنے سینے کی کبھی دائیں تو کبھی بائیں سمت پر اپنے بچے کو سلا دیا کرے۔

یہ سب طریقے ایسے ہیں، جو بچے کو مطمئن رکھتے اور اس کے ساتھ پدری و مادری روابط کو مضبوط کرنے میں حد درجہ مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

⑦ خاندانی نسبت کو فروغ دینا:

خاندان کی طرف نسبت اور لگاؤ کی ضرورت ایک انسانی ضرورت ہے، جو بچپن کے شروع سالوں سے اسے لاحق ہوتی ہے، اس اعتبار سے انسان اپنے خاندان کا ایک ممبر تسلیم کیے جانے کا ضرورت مند ہوتا ہے۔

انسان کو جس قدر اپنی خاندانی نسبت کا شعور حاصل ہوتا ہے، وہ اسی قدر زیادہ مطمئن رہتا ہے اور اس کے محبت کے رشتے وجود میں آ جاتے ہیں۔ یہ دین کے، وطن کے اور ان اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کے رشتے ہوتے ہیں، جنھیں وہ اپنے خاندان کے ذریعے ہی سے حاصل کرتا ہے۔

انسان کو اپنے اردگرد کی اشیا کے ساتھ نسبت کا شعور اس کی پیدایش کے لمحے ہی سے ہو جاتا ہے اور یہ احساسات انسان کے علم و فہم کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ مضبوط، وسیع اور ترقی یافتہ ہوتے چلے جاتے ہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ خاندان کے ساتھ نسبت کا شعور انسانی تخلیق کے اندر پیوستہ ہے۔

خاندان کے ساتھ نسبت کی ضرورت اس شکم سیری کا بہت بڑا نتیجہ ہوتا ہے، جو بچے کو اپنے ماں باپ سے نصیب ہوتی ہے، پھر انسان اس نسبت کو پھیلا دیتا ہے،

دوستوں اور ہم نشینوں کو اپنے ساتھ شامل کرتا ہے اور زیادہ پھیلاتا ہے تو معاشرے کو اور پوری انسانیت کو اپنے ساتھ جوڑ لیتا ہے، اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کے احساسات اسے بچپن کے آغاز ہی سے مل چکے ہوتے ہیں۔

اس کے مد مقابل وہ بچے جنھیں اپنے خاندان کی طرف سے باکفایت توجہ اور خاندان کے ساتھ ربط و تعلق کا شعور نہ مل سکا ہو، ان کے معاشرتی تعلقات بے جان اور کمزور رہ جاتے ہیں، اس کے ساتھ وہ تعلقات بھی جو وہ مستقبل میں دوسروں کے ساتھ قائم کرتے ہیں، شکوک وشبہات، بے اعتمادی اور ایک دوسرے سے حد درجہ ڈرنے اور محتاط رہنے کے خول میں بند رہتے ہیں، لہٰذا بچے کی اس ضرورت کو بھر پور انداز سے پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بچے کے اندر اس کے مستقبل کے پائیدار تعلقات کے بیج شروع ہی سے بو دیے جائیں۔

مستقل موجودگی بھی بچوں کی زندگی میں اطمینان کو واضح کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ مقصد خاندان کے تمام افراد کے درمیان مسلسل جاری رہنے والی محبت بھری گفتگو اور روز مرہ کے واقعات پر روزانہ کی مجالس کے ذریعے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

کنبے اور فیملی کا کردار صرف اس حد تک محدود نہیں ہے کہ وہ بچے کو صاف ستھری رہایش، اجلی پوشاک اور اس کی دیگر ضروریات فراہم کر دے، بلکہ بچے کی نشو ونما کے مرحلوں میں اسے زندگی کے لیے مطلوب مناسب اور عمدہ سامان کی فراہمی سے زیادہ محبت کی اور خاندان کے ساتھ نسبت اور ربط کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، پھر بچے کو اپنی قدر و قیمت کا شعور بھی بڑی حد تک اس کے خاندان کے ساتھ رشتے اور تعلق کی ضرورت کی تکمیل پر موقوف ہوتا ہے۔

خاندان کے ساتھ نسبت اور تعلق کو مضبوط کرنے کے ذرائع:

یہ ایسے ذرائع اور اسباب ہیں، جو بیک وقت بچے کو مطمئن رکھتے ہیں اور اس کے دل میں پدری و مادری ربط کو مستحکم کرنے کا بھی ذریعہ بنتے ہیں:

① بچے کے ساتھ مسلسل گفتگو اور مکالمہ۔

② اس کے ساتھ فیملی کے بعض معاملات میں مشاورت۔

③ اسے زیادہ سے زیادہ پسند اور اختیار کے مواقع کی فراہمی۔

④ اس کی صلاحیتوں کے مطابق کچھ ذمے داریوں کی سپردگی۔

⑤ خاندان میں اجتماعی کھیلوں کا انعقاد، جس میں خاندان کے سبھی افراد اپنے اپنے طور پر شریک ہوں۔

⑥ بچوں کے ساتھ اکٹھے کھیلنے کودنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی۔

بچہ اگر ذاتی استحکام اور اطمینان سے محروم رہ جائے تو وہ قوتِ فیصلہ سے اور پختہ عزم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اکثر اوقات مشوروں کا محتاج رہتا ہے، چاہے اس کے پاس مادی وسائل کی سہولت ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا ذاتی استحکام اور اطمینان بچے کی مفید اور بامقصد شخصیت کی تعمیر کے لیے حد درجہ اہم شئے ہے، اسی کے ساتھ وہ مستقبل کی تمام اعلیٰ ترین اور خوب ترین صفات کو اور امتیازی شان کو حاصل کر سکتا ہے۔

تعریف وستایش کی ضرورت

مثبت تعریف کے لیے معیاری چھے عملی اقدامات:

1. شخصیت کے بجائے کامیابیوں پر زیادہ توجہ مرکوز رکھیں۔
2. کوشش اور محنت کی بھی تعریف کریں، چاہے یہ کامیابی سے ہمکنار نہ بھی ہوئی ہو۔
3. اپنے بیٹے کی تعریف کرنے سے آپ اس سے اپنی محبت کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔
4. تعریف خوش دلی سے کریں، محض اظہارِ تعلق کے لیے نہیں۔
5. حوصلہ افزائی کے مواقع پر خوب حوصلہ افزائی کریں۔
6. بوقت ضرورت تعریف کے لیے مستعد رہیں اور اس امر میں تاخیر نہ کیا کریں۔

مدح وستایش سے حوصلے بڑھتے ہیں، مثبت کردار مضبوط ہوتے ہیں اور پسندیدہ اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو استحکام نصیب ہوتا ہے، اسی بنا پر بچے کی تعریف بھی ایک تربیتی ذریعہ ہے، جو عمومی طور پر ہر انسان اور خاص طور پر بچوں کے اندر پوشیدہ طلب کو پورا کرنے کا باعث بنتا ہے۔

یہ ایک نبوی طریقہ ہے، جسے آپ ﷺ نے اپنے چھوٹے، بڑے تمام صحابہ کرام کے ساتھ اختیار فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے سیف اللہ، اسد اللہ، الفاروق، الصدیق، اکثر الحیا (امت کا سب سے بڑا حیادار) اور طیار جیسے القاب واعزازات کا استعمال رسول اکرم ﷺ کا طرف سے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی

کمال درجے کی ستائش ہے۔

مدح وتعریف بچوں کے صرف ان اخلاق، عادات اور اوصاف ہی کی نہ کی جائے، جو ہماری سمجھ کے مطابق واقعی ایسی صفات ہیں، جن کے ساتھ بچوں کو متصف ہونا چاہیے، بلکہ ان اوصاف کی بھی مدح کرنی چاہیے، جن کو یہ بچے مستقبل میں اختیار کر سکتے ہیں، اس طرح کی مدح وتوصیف بچوں کے لیے اعلیٰ اور عمدہ صفات کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے ہمت افزائی کا موجب بن سکتی ہے۔

بچے تعریف کے مشتاق ہوتے ہیں، ان کو عزت افزائی اور تحسین کی سخت ضرورت لاحق ہوتی ہے اور وہ اپنی اس ضرورت کی تکمیل بھی چاہتے ہیں۔ یہ طلب صرف بچوں تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ اس کا تعلق اس بنیادی اور گہری ضرورت کے ساتھ ہے، جو ہر انسان کے ساتھ پیوستہ ہے۔

اگر آپ اپنے بچے سے صرف اتنا ہی کہہ دیں ''تو نے اچھا کیا ہے'' تو آپ دیکھیں گے کہ وہی بچہ ''بہت ہی زیادہ اچھے'' کی تلاش اور جستجو میں مصروف ہو جائے گا۔

یہ بات یقیناً قابل افسوس ہے کہ اکثر ماں باپ اپنے بچوں کی جائز تعریف کرنے میں تو بخل سے کام لیتے ہیں، مگر ان کے کسی فعل پر ناراضی کے وقت وہ فوراً ملامت کرنے اور جھگڑنے لگ جاتے ہیں، اس طرح ان کی تمام تر توجہ بچوں کی غلطیوں پر اور ان کے ناروا اقدامات ہی پر مرکوز رہتی ہے، جب کہ ان سے صادر ہونے والے اچھے اور تعمیری کام ان کی توجہ سے محروم رہتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر بچوں پر تنقید تو بلا دریغ کی جاتی ہے، مگر ان کی حوصلہ افزائی بالکل نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ماں باپ کی لغت میں ہمت افزائی کے کلمات ہی ناپید ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ اور یقین ہر قسم کی مبالغہ آرائی سے پاک ہے:

''تعریف وستائش کا صرف ایک ہی درہم، تذلیل وتحقیر کے بہت

بڑے خزانے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔''

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی اور معصوم سی بچی روزانہ میلے کچیلے اور گندے ہاتھوں کے ساتھ سکول جایا کرتی تھی، اس کی ٹیچر نے محسوس کیا کہ میل کچیل کی یہ صورت روزانہ ایک جیسی ہے اور اس میں تبدیلی کے بہ ظاہر کوئی آثار بھی نظر نہیں آتے۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود نرم خو اور مہربان ٹیچر یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ بچی کو سرزنش کرے، تاکہ اس کے جذبات مجروح نہ ہو جائیں، کیونکہ ٹیچر جانتی تھی کہ اس بچی کو نہ تو اپنے گھر میں خاطر خواہ توجہ حاصل ہے اور نہ اس کے ماں باپ کو اس کے ساتھ کوئی دلچسپی ہے۔

''اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹیچر نے اصلاح و تلافی کے لیے اپنا قدم بڑھایا، چنانچہ ایک دن اس نے بچی سے کہا:

''واہ! کتنے ہی خوبصورت ہیں، تیرے یہ ہاتھ، تو ذرا جا کر انھیں دھو کیوں نہیں آتی، تاکہ سب بچے تیرے ان خوبصورت ہاتھوں کو دیکھ لیں؟

بچی خوش ہو کر چل پڑتی ہے اور پھر خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ واپس آتی ہے اور بڑے ہی ناز کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو ٹیچر کے سامنے پھیلا دیتی ہے۔ ٹیچر اس کے بازو کو تھام کر کہتی ہے: ''بالکل ٹھیک ہے، دیکھ لیا ہے نا! کتنے ہی خوبصورت ہو گئے ہیں؟ تھوڑے سے پانی اور صابون کے ساتھ کتنا فرق پڑا ہے؟''

اس کے بعد یہ بچی ہر روز پہلے سے زیادہ صاف ستھری ہو کر آتی، یہاں تک کہ یہ پورے سکول کی لڑکیوں سے زیادہ سلیقہ مند ہو گئی۔

اندازہ کریں کہ تعریف کے ایک ہی لفظ سے بچی کے اندر کس قدر مثبت تبدیلی پیدا ہو گئی اور اس کی حالت کس طرح سدھر گئی۔

بچہ جس وقت اپنے متعلق تعریفی و توصیفی کلمات سنتا ہے، تو وہ فوراً اس قابلِ تعریف کام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور وہ پورے فخر، اعزاز اور جذبے کے ساتھ اس کام کو کرنے اور پھر اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کر لیتا ہے اور آیندہ بھی ایسے ہی کاموں کو سرانجام دینے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہے، جو دوسروں کے ہاں اسے مدح وتعریف کے قابل بنا دیں۔

تعریف کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یہ اشارہ وکنایہ میں بھی ہوتی ہے اور مکمل صراحت کے ساتھ بھی، براہ راست بھی ہوتی ہے اور بالواسطہ بھی، یہ اس طرح کہ آپ اپنے بچے کی براہ راست مکمل وضاحت کے ساتھ تعریف کر دیں، یا کسی دوست کے ساتھ فون پر یا بالمشافہہ گفتگو کرتے وقت اس کی تعریف کر دیں۔ بچے کے مثبت طرزعمل کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے یہ سب طریقے اپنی اپنی جگہ پر کامیاب ہیں۔

مثبت تعریف کے معیاری اقدامات:

بچہ کبھی تو اپنی شخصیت اور اپنے بیٹے ہونے کی وجہ سے تعریف کا مستحق ہوتا ہے اور کبھی اپنے شاندار اور بہترین کاموں کی وجہ سے، وجہ کوئی بھی ہو، وہ اس کے ذریعے سے اپنی ایک نفسیاتی ضرورت کو پورا کرنے کا متمنی ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایک انسانی فطرت ہے اور بشری ضرورت، جو ہر انسان کو اس کے بچپن کے آغاز سے لاحق ہوتی اور گہوارے تک اس کے ہم قدم رہتی ہے۔

بچہ اکثر اوقات اپنے ماں باپ کو خوش کرنے کے جذبے کے تحت برتری ومہارت، کامیابیوں اور اطاعت کے لیے سرگرم رہتا ہے، تو وہ اس اعتبار سے ماں باپ کی طرف سے تعریف اور ستایش کا محتاج ہوتا ہے، تاکہ اس کے مثبت انداز کے طور و اطوار مستحکم ہو جائیں اور اسے اپنے رویوں میں اور اپنی مہارتوں

میں خود اعتمادی کو ٹھوس بنیاد فراہم کی جا سکے۔

یہی وہ طریقہ ہے جو بچے کے اندر سخاوت، بہادری، اعمال صالحہ کی محبت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے بعد والدین کی فرماں برداری کی تعمیری صفات کو تقویت فراہم کرتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بچے کی بلند ہمتی، ہمت و دلیری، جان نثاری اور کامیابی کے جذبہ وشوق جیسی حقیقی و ذاتی صفات کو عمومی طور پر مضبوط کرنے کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔

چھے (6) عملی اِقدام

① شخصیت کے بجائے کامیابیوں پر زیادہ توجہ مرکوز رکھیں:

مدح اور تعریف میں سب سے زیادہ اولیت بچے سے صادر ہونے والی کامیابیوں کو دی جانی چاہیے، خواہ یہ کامیابی ہماری نظر میں کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ یہ کامیابی بچے کی ذاتی قدرتوں کے اعتبار سے بہت بڑی ہے، کامیابی کے دائرے میں بچے کا ہر وہ سلوک طرزِ عمل اور اچھا خلق آ جاتا ہے جس کے ساتھ وہ متصف ہوتا ہے۔

درج ذیل مثالیں قابل غور ہیں:

''تو اپنی سنجیدگی اور متانت کی وجہ سے کتنا شاندار اور سمجھ دار لگتا ہے۔''

''اپنی سنجیدہ گفتگو کی وجہ سے تو مجھے کتنا پیارا لگتا ہے۔''

''واقعی تو اپنی محنت کی بنا پر اول پوزیشن کا حق دار ہے۔''

''میرا بیٹا تو بڑی شان والا ہے، اس لیے کہ یہ وقت کے مطابق نماز پنج گانہ کا اہتمام کرتا ہے۔''

تعریف و توصیف کرتے وقت حتی الامکان عمومی انداز سے پرہیز کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس طرح کے اسلوب سے بچہ کامیابی کی طرف اپنے قدم نہیں بڑھا سکے گا۔

② کوشش اور محنت کی بھی تعریف کریں، چاہے یہ کامیابی سے ہمکنار نہ بھی ہوئی ہو:

بچہ اپنی پرورش کی ابتدا ہی کسی نہ کسی کام کو سرانجام دینے کی کوشش سے

کرتا ہے، کبھی تو وہ اس میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے اور کبھی ناکام رہتا ہے کہ پوری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے، لہٰذا ہمیں ہر ایسی کوشش کی ہمت افزائی کرنی چاہیے اور ہر ناکامی کو بھی کامیابی اور تکمیل کی طرف بڑھنے والا قدم سمجھنا چاہیے۔ بچہ جب کسی کام کے لیے کوشش کر رہا ہو تو اس دوران میں اس کی کوشش کو بے کار اور رائیگاں بھی نہیں قرار دینا چاہیے، تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں میں بے اعتمادی اور اپنی امیدوں میں ناکامی و نامرادی کے احساس میں مبتلا نہ ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو دیکھیئے کہ آپ ﷺ نے مشکل ترین حالات اور مخالف قبائل کے شدید ترین محاصرے کے دوران میں بھی اپنے اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فتح اور نصرت کی بشارت سے مطمئن فرمایا اور ان کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا اور ان کی ذاتی ثابت قدمی، صبر و حوصلہ اور کامیاب جد و جہد کا خوبصورت صلاحیتوں کی بدولت فتح اور کامرانی کا یقین پیوست فرمایا۔

ناکامی درحقیقت کامیابی کی طرف بڑھتا ہوا قدم ہوتا ہے اور ناکامی ہی سے کسی انسان کو کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

③ اپنے بیٹے کی تعریف کرنے سے آپ اس سے اپنی محبت کا ثبوت مہیا کرتے ہیں:

آپ کی تعریف سے بچے کو اپنے پسندیدہ اور محبوب ہونے کا احساس نصیب ہوتا ہے، بچے کے دل میں اطمینان اور آسودگی کو پیدا کرنے کے لیے ماں باپ کی تعریف کو اعلیٰ ترین اکسیر کی حیثیت حاصل ہے، جب کہ ماں باپ کی طرف سے تعریف و تحسین نہ ہونے کی وجہ سے بچے کو یہ خیال لاحق ہوتا ہے کہ آپ اس سے محبت نہیں رکھتے، آپ کو اس کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آپ نہ تو اس کی صلاحیتوں کے معترف ہیں اور نہ اس کی خود مختاری کو

تسلیم کرتے ہیں، اسی بنا پر اس کی ذات میں محدود اور کمزور شخصیت وجود میں آجاتی ہیں، جو نہ تو کامیابی کو حاصل کر سکتی ہے اور نہ ان کو کوئی امتیازی شان اور برتری مل سکتی ہے، ایسے ہی بچے ذاتی و معاشرتی معاملات کا سامنا کرنے سے بے بس اور عاجز رہ جاتے ہیں۔

④ تعریف خوش دلی سے کریں، محض اظہارِ تعلق کے لیے نہیں:

بچے بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں، انھیں پتا چل جاتا ہے کہ کب آپ نے ان کی صحیح معنوں میں تعریف کی ہے اور کب آپ نے دکھلاوے اور مبالغہ آمیزی کی کوشش کی ہے، لہٰذا آپ جب بھی ان کے اندر کوئی اچھی بات دیکھیں، چاہے وہ معمولی ہی ہو یا ان کی کسی اچھی کوشش کو دیکھیں، خواہ وہ مکمل نہ بھی ہوسکی ہو، تب بھی آپ ان کی تعریف کر دیا کریں اور ایسی تعریف سے بھی احتراز کریں، جس میں مجرد تعریف ہو اور فخر جتانے یا مبالغہ آرائی کا عنصر پایا جاتا ہو، کیوں کہ اس سے فائدے کے بجائے نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے۔

⑤ حوصلہ افزائی کے مواقع پر خوب حوصلہ افزائی کریں:

جو بچہ کوشش کرتا ہے، مگر کامیاب نہیں ہوسکتا، اسے کامیابی کے حصول کے لیے حوصلہ افزائی اور بلند ہمتی کے مضبوط سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دراصل ناکامی کا مرحلہ بچے کو یہ سیکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے کہ گر جانا جد و جہد کی انتہا نہیں ہوا کرتا، اس لیے کہ گر پڑنے والے شخص کے پاس دو امکانات موجود ہوتے ہیں، یا تو وہ اٹھ کھڑا ہو جائے اور اپنی کمزوری کی تلافی کرے، یا پھر وہ پیروں تلے روندے جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ مشکل حالات قدرتی ہوتے ہیں، جو تقاضا کرتے ہیں کہ ان کا مکمل عزم اور حوصلے کے ساتھ سامنا کیا جائے۔

⑥ بہ وقت ضرورت تعریف کے لیے مستعد رہیں اور اس امر میں تاخیر نہ کیا کریں:

کامیابی مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے۔ اگر آپ اس کے ظہور پذیر ہوتے ہی فوراً تعریف کر دیا کریں تو موقع کی مناسبت سے کی گئی یہ تعریف حد درجہ بہتر اور نفع بخش ہوتی ہے، اس لیے کہ کسی بھی کام کی تکمیل کا ملاحظہ عام طور پر اپنے ساتھ خوش نصیبی اور مسرت کے احساسات کو بیدار کر دیتا ہے، اس اعتبار سے بچے کو مفید اور با مقصد کلمات کے ساتھ منسلک کرنے کے لیے ان خصوصی لحات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، تاکہ حوصلہ افزائی کے ان کلمات کے ذریعے سے وہ اپنی پوری زندگی میں ایک نئے ولولے اور جذبے کو اپنا ہم سفر بنا سکے۔

اگر بچہ اپنی کسی بھی کوشش میں کامیابی حاصل کرنے کے فوراً بعد آپ کے منہ سے "ما شاء اللہ"، "کتنا شاندار ہے" کے کلمات سن لیتا ہے، تو یہ کلمات اس کے ذہن میں راسخ ہو جاتے ہیں اور اس کے تمام مثبت جذبات اور احساسات کو ترک کر دیتے اور اسے مزید محنت اور کامیابیوں کی طرف ابھارنے کا ذریعہ بنتے ہیں، اس طرح کے کلمات کو آپ اس کی تعلیم و تربیت کے مواقع پر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے سکون و اطمینان اور ان کی قوت و ہیبت کا سرچشمہ اللہ اکبر کا کلمہ ہے، اسے وہ اپنی نمازوں میں مسلسل دہراتے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ کلمہ ان کے حوصلوں کو بلند کرنے اور ان کے اندر ہمت و جرأت اور بہادری کے اوصاف کو راسخ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، اسی کے ذریعے سے وہ ہر قسم کے خوف کو مغلوب کرتے ہیں، انھیں جہاد کا مرحلہ درپیش ہو یا سخت ترین مشکلات اور مصائب کا سامنا، وہ اس کلمے کو دہرانے کے ذریعے ہی سے خوف کے احساسات کو شکست سے دوچار کرتے ہیں۔

دوسروں کی طرف سے اسے قبول کرنے کی ضرورت

چار (4) نامناسب اور غلط تربیتی طریقے، جو بچے کو قبولیت اور پسندیدگی سے محروم کر دیتے ہیں:

١ ہر وقت بچے پر تنقید۔

٢ بچے پر اس کی ذہنی و جسمانی وسعت سے زیادہ ذمے داری۔

٣ بچے کا کسی دوسرے بچے کے ساتھ تقابل۔

٤ بچے کی بے جا حفاظت اور نگرانی اور اس کی حد سے زیادہ ناز برداری۔

آپ اپنے بچے کی اس ضرورت کو کیسے پورا کر سکتے ہیں کہ دوسرے لوگ اسے قبولیت اور پسندیدگی کے ساتھ دیکھیں اور برتاؤ کریں؟

بچے کی اپنے لیے دوسروں کے ہاں مقبولیت کی ضرورت کو مضبوط کرنے کے لیے دس (10) طریقے:

1. بچے کو خود مختاری دیں۔
2. بچے کے خود مختار فرد ہونے کی حیثیت کا اعتراف کریں۔
3. اس کی کامیابیوں کو تسلیم کریں۔
4. اس کے ساتھ اپنی محبت کا کھل کر اظہار کریں۔
5. بچے کی تربیت اور نشو و نما سے لطف اندوز ہوں۔
6. بچے کی آرا و تجاویز کو قبول کریں۔

7. بچے کی (جائز) دوستیوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں۔
8. اسے رائیگاں اور بے کار نہ قرار دیں، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کریں۔
9. بچے پر توجہ مبذول رکھنے کا طریقہ سیکھیں۔
10. اپنے بچے کے ساتھ وہی سلوک کریں، جس طرح کے سلوک کی آپ اپنے لیے توقع کرتے ہیں۔

بچہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے والدین کی نظروں میں پسندیدہ اور محبوب قرار پائے، یہ اس کی ذاتی ضرورت ہے، جو متوازن نشوونما اور نیک تربیت کے ذریعے سے اس کی خود اعتمادی کے جذبے کو فروغ دیتی، اسے اطمینان اور سکون سے بہرہ ور کرتی اور اسے آگے کی طرف پیش قدمی کا ولولہ دیتی ہے، تاکہ وہ اپنی شخصیت کے لیے جائز مرتبے و مقام کی تعمیر کر سکے اور اس کے ساتھ یہ ضرورت اسے ذاتی و عملی بے قراریوں کے مقابلے میں حفاظت بھی مہیا کرتی ہے، اس لیے ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے کہ بچے کے ساتھ چند مخصوص کامیابیوں کی وجہ سے تو پسندیدگی کا اظہار کیا جائے اور عین اس وقت اس کی کچھ غلطیوں اور ناکامیوں کی بنا پر اس سے لاتعلقی اور ناپسندیدگی کا طریقہ اختیار کر لیا جائے، بلکہ ہمیں اسے ہر حال میں قبول کرنا چاہیے کہ وہ ہمارا بیٹا ہے، معصوم بچہ ہے اور ایک انسان ہے، لہٰذا کامیابی یا ناکامی کے کسی بھی پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا احترام کیا جائے اور اس کی عزتِ نفس کا بھرپور تحفظ کیا جائے۔

اگر ہم اپنے بچے کو اس امر سے آگاہ کر دیتے ہیں کہ ہم اس سے اچھے رویے، بہتر طرزِ عمل اور کامیابیوں کی صورت میں تو محبت کریں گے، مگر ناکامی یا غلط رویے کی وجہ سے اس سے لاتعلقی اختیار کریں گے، تو اس طرح ہم اپنے بچے کو احترام اور حقارت، پسندیدگی اور نفرت کے درمیان حیرت اور تذبذب کے

راستے پر لگا دیں گے، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی شخصیت کی اٹھان میں کمزوری در آئے گی، وہ خارجی اسباب اور موثرات سے جلد متاثر ہونے لگے گا اور دوسروں کی لامحدود اور بے قید اطاعت کے لیے مائل ہو جائے گا، اس کے علاوہ اس کی محبت کی ضرورت سمیت دوسری تمام ضروریات کا بھی تقریباً خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے گی کہ کنارہ کشی کا مطلب صرف اس سے بغض اور نفرت ہی ہے، ظاہر ہے کہ اس کے بعد وہ رویے اور ذات کے درمیان امتیاز کو نہیں سمجھ پائے گا۔

اچھا برتاؤ اور نیک سلوک صرف وہی انسان کر سکتا ہے، جسے اپنی ذات کا احترام معلوم ہوتا ہے۔ جسے اپنی شخصیت اور ذات کے وقار کا علم نہیں ہوتا، وہ صرف اپنی ذاتی زندگی ہی میں بگاڑ نہیں پیدا کر لیتا، بلکہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی بے وقاری اور بدسلوکی اختیار کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے ظہور کے ابتدا ہی سے اپنے سامنے یہ عالی شان ہدف متعین کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے ذہنوں میں عزت و سربلندی اور شان و شوکت کے مطالب کو واضح کر دیا جائے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ ﴾ [آل عمران: 139]

''اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو، تم ہی غالب رہو گے۔''

بچے کو قبول کرنے اور پسند کر لینے کا مطلب یہی ہے کہ اسے انسانی و اجتماعی زندگی میں منہمک ہو جانے کے لیے تیار کیا جائے، تاکہ وہ صغر سنی ہی سے اس امر کی تعلیم حاصل کرے کہ دوسروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے۔ گھر ایک حقیقی آئینہ ہوتا ہے، جو بچے پر اپنے رویے، احساس اور فکر و سوچ کا عکس ڈالتا ہے، جس کی بنیاد پر بچہ اپنی شخصیت کے لیے نشانِ راہ متعین کرتا ہے، لہٰذا جب گھر

کے اندر اطمینان، آسودگی اور پسندیدگی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، تو اس کے نتیجے میں اس کے اپنے ماحول میں اور رویوں میں بھی احترام، تکریم، سکون، پیار، الفت اور محبت کو رواج ملتا ہے اور جب ایک ہی گھر کے افراد کے درمیان نفرت اور ناپسندیدگی پیدا ہو جائے، تو اس کے نتیجے میں ایک دوسرے سے دوری، تناؤ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور تعاون واخوت کے بجائے خودغرضی اور خود پرستی کے برے رویے ظاہر ہونے لگتے ہیں، اس لیے والدین اور مربیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دو باتوں کو ملحوظِ خاطر رکھیں:

﴿۱﴾ ایسے پدری سلوک سے قطعاً اجتناب کیا جائے، جس کی وجہ سے بچے کو اپنے ماں باپ کے ہاں اپنے مقبول ہونے کی فکر اور ضرورت لاحق ہو جائے۔

﴿۲﴾ ماں باپ کی نظروں میں پسندیدہ اور مقبول ہونے کی جو ضرورت بچے کو فطرتاً لاحق ہوتی ہے، اس کی ہر اعتبار سے تکمیل کی جائے۔

ماں باپ کا سلوک اور بچے کی سوچ:

ماں باپ کا سلوک بچے کی اپنی ذات اور دوسروں کے ہاں اپنی حیثیت کے متعلق سوچ پر بہت بڑی حد تک اپنا عکس ڈالتا ہے، اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ ''میرا بیٹا مقبول اور پسندیدہ ہے'' بلکہ اس بات کی ہے کہ آپ کہیں کہ ''میرے بیٹے کو گھر کے اندر اپنے پسندیدہ اور محبوب ہونے کا پوری طرح احساس اور شعور حاصل ہے۔''

تربیت کے چار غلط طریقے جو بچے کو قبولیت اور پسندیدگی سے محروم کر دیتے ہیں

① **ہر وقت بچے پر تنقید:**

مسلسل اور ہر وقت بچے پر تنقید کرتے رہنے اور اس سے سرزد ہونے والی ہر حرکت اور اس کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کی تاک میں لگے رہنے کے رویے سے بچے کو اپنے متعلق ٹھکرا دیے جانے کا احساس لاحق ہو جاتا ہے، وہ اپنے متعلق رائیگانی اور مایوسی و ناکامی کے علاوہ اپنی استعداد اور قابلیت کے متعلق بھی بے یقینی کا شکار ہو جاتا ہے، اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی بھی کام کو سر انجام دیتے وقت دائمی خوف اور بے اعتمادی کا شکار رہنے لگتا ہے اور اس کے علاوہ اس کا مسابقت اور مقابلے کا خود کار جذبہ بھی اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

لہٰذا ہمیں اپنے بچوں کے ساتھ مثبت انداز کے ساتھ گفتگو کرنی چاہیے۔ تنقید بھی کی جائے تو اس انداز سے کہ وہ احسن طریقے سے راہنمائی کو قبول کرے اور یہ ضرورت کے مطابق ہونی چاہیے یا پھر اس وقت جب بچہ بار بار ایک غلط کام کرے۔

② **بچے پر اس کی ذہنی و جسمانی وسعت سے زیادہ ذمے داری:**

ماں باپ اگر بلند ہمت ہیں اور اپنی اولاد میں بھی وہ اسی بلند ہمتی کو فروغ

دینا چاہتے ہیں اور انھیں ایسے مقاصد کی تکمیل کے لیے قدم بڑھانے کی ترغیب دیتے ہیں، جن کی تکمیل سے وہ خود قاصر رہے تھے، تو یہ بہت ہی اچھی بات ہے، لیکن بلند ہمتی کا یہ زور اس انداز سے نہ ڈالا جائے کہ خود بچے کی اپنی شخصیت اور ذات ہی کالعدم ہو جائے، وہ اس طرح کہ بچے کو اس اعلیٰ ترین ہدف کی تکمیل کا پابند بنا دیا جائے۔

اکثر اوقات والدین اپنے بچے سے اس کی وسعت اور طاقت سے بھی زیادہ اونچی سرگرمیوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں اور اس کی عقلی وجسمانی نشوونما اور مہارتوں سے جوڑ نہ رکھنے والی طاقت کا تقاضا کرتے ہیں، اس صورت میں جب بچہ اپنی کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی بلند ترین سوچوں کو اور ان کی آرزوؤں کو تکمیل کا جامہ نہیں پہنا سکتا، تو اس کے دل میں ماں باپ کے ہاں اپنے ناپسندیدہ ہو جانے کا احساس شدت پکڑنے لگتا ہے۔

③ بچے کا کسی دوسرے بچے کے ساتھ تقابل:

علمی اور منطقی اعتبار سے دو شخصوں کے درمیان تقابل کا طریقہ غلط ہے، اس لیے کہ ان دونوں شخصوں کا طور وطریق بالکل مختلف ہوتا ہے۔ مقارنت اور تقابل کرنا اگر ضروری ہے تو وہ بھی سلوک اور رویوں کے مابین ہونا چاہیے نہ کہ شخصیات کے درمیان۔ دو بچوں کے درمیان تقابل سے تربیتی لحاظ سے فائدے کی نسبت نقصانات زیادہ ہوتے ہیں، اس طریقے سے بچے کو رائیگانی اور بے زوری کے احساس کے علاوہ یہ شعور بھی لاحق ہوتا ہے کہ وہ ایک ٹھکرایا ہوا فرد ہے۔

④ بچے کی بے جا حفاظت اور نگرانی اور اس کی حد سے زیادہ ناز برداری:

بچے کی اگر بے جا حفاظت اور نگرانی کی جائے گی تو اس سے اس کی ذاتی صلاحیتیں مفلوج ہو جائیں گی، نہ تو ان صلاحیتوں کو فروغ نصیب ہوگا اور نہ وہ بچہ

زندگی میں مطلوب نئی مہارتوں کو حاصل کر پائے گا، لہٰذا ہمیں حد سے زیادہ حفاظت ونگرانی اور ضرورت سے زیادہ ناز برداری کے دونوں پہلوؤں میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر بڑی واضح ہے کہ کم سے کم نگرانی وحفاظت کی نسبت زیادہ نگرانی وحفاظت میں خطرات زائد پائے جاتے ہیں۔

حد سے زیادہ نگرانی کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچے کے پاس جومہم جوئی اور مسابقت کا جذبہ اور ولولہ ہوتا ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے اور اسے ہمیشہ دوسروں کے سہارے زندگی گزارنے اور ان ہی پر اعتماد کرنے کا دائمی مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ ماں باپ کی طرف سے زیادہ حفاظت ونگہبانی سے بچہ ایک طرف تو یہ سمجھتا ہے کہ ماں باپ کو اس کی صلاحیت اور استعداد پر اعتماد نہیں ہے، دوسری طرف اس کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ وہ ایک ٹھکرایا ہوا فرد ہے، تبھی تو میرے والدین مجھے خودمختاری دینے اور میری ذات کو تسلیم کرنے سے اور مجھے تربیت ونشوونما کے مختلف مراحل کی کامیابیوں کو عملی شکل دینے سے منع کرتے ہیں۔

بچے کی قبولیت و پسندیدگی کی ضرورت کو کیسے فروغ دیا جائے؟

دوسروں کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہونے کی خواہش بچے کی ذاتی ضرورت ہے، اس ضرورت کو پورا کر دینے سے اس کی مثبت صفات کو فروغ ملتا ہے اور وہ بہت سارے ایسے منفی رویوں سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے، جو اسے اپنے آپ کو پسندیدہ اور محبوب بنانے کی طلب اور احساس کی وجہ سے لاحق ہوتے ہیں، ان منفی رویوں سے بچے کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ماں باپ اپنے آپ کو ان تمام قسم کے سلوک اور طرزِ عمل سے دور رکھیں، جن کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے۔ یاد رکھیے! بچے کی دوسروں کے ہاں قبولیت اور پسندیدگی کی ذاتی ضرورت کا استحکام مقصود ہو یا اس کی تکمیل، دونوں ہی ماں باپ سے چند متعین اور مخصوص تربیتی کرداروں کے متقاضی ہیں، ان میں سے چند ایک کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

بچے کی دوسروں کے ہاں اپنی مقبولیت ثابت کرنے کے دس (10) طریقے

① بچے کو خودمختاری دیں:

دو سال مکمل ہو جانے کے بعد بچہ ذاتی اعتماد اور خودمختاری کی طرف قدم بڑھانے لگتا ہے اور وہ اس کے حصول کے لیے ضد اور مخالفت کے طریقوں کو اختیار کرنے لگتا ہے۔ بچے کو اپنی آزادی وخودمختاری کا اور اس سلسلے میں ماحول کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی کا جس قدر زیادہ شعور حاصل ہوتا ہے، اسے اسی قدر اپنے پسندیدہ ہونے کا شعور نصیب ہوتا ہے۔

② بچے کے خودمختار فرد ہونے کی حیثیت کا اعتراف کریں:

جس وقت ہم اپنے بچے کے لیے نام کا انتخاب کرتے ہیں، اسی وقت ہم صرف اس کی گھر کے اندر شناخت یا نمبر کے طور پر نہیں، بلکہ ایک مستقل اور نمایاں حیثیت کا اعتراف کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے جب بچوں کے درمیان میں سے جس کسی کو بھی مخاطب کیا جائے، اسے علاحدہ شناخت دی جائے اور ان میں سے ہر ایک کی مستقل اور انفرادی حیثیت کا لحاظ کیا جائے، اس لیے کہ دو بچے کبھی اپنی شخصیت اور وجود کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہو سکتے، لہٰذا تمام

بچوں کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت ایک ہی طرح کے اسلوب، ایک ہی طریقے کی گفتگو اور ایک ہی طرز کی تربیت کے ذریعے سے سب کو مطیع کرنے کا رویہ یکسر غلط ہے، اس لیے کہ ہر ایک کی قدرت، شعور اور مقام دوسرے سے نمایاں اور مختلف ہوتا ہے، لہٰذا بچوں کو ان کے خاص شعور اور ان کی جداگانہ طرزِ تربیت کے مطابق ہی نشوونما ملنی چاہیے کہ ہر ایک کی حیثیت مستقل ہے اور ہر ایک کے حالات اور خصوصیات بھی دوسروں سے جدا ہوتے ہیں، مثلاً ایک بچہ کسی میدان میں زبردست کامیابی حاصل کرتا ہے، تو وہ ہماری طرف سے قدر افزائی کا، خوشی بھری تقریب کا اور خصوصی انعام اور تحفے کا حق دار ٹھہرتا ہے، تو کیا ایسے موقع پر سب بچوں کو ایک جیسی حیثیت دے کر عزت افزائی کے اور تحفے تحائف کا مستحق قرار دیا جائے گا؟

③ اس کی کامیابیوں کو تسلیم کریں:

بچے کی استعداد چاہے کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، وہ اس کے ذریعے سے اپنی ذاتی حیثیت اور نشوونما کے مراحل کے مطابق کامیابیاں حاصل کرتا ہے، بڑے افراد کی نظر میں جو چیز بہت معمولی ہوتی ہے، وہ بچوں کی سمجھ کے مطابق کامیابی کہلاتی ہے، لہٰذا جب ہم بچے کی کامیابیوں کو تسلیم کریں گے تو اسے اتنا ہی زیادہ اپنے متعلق خوشی کا شعور نصیب ہوگا اور اسے اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں میں اعتماد کی قوت کے ساتھ یہ شعور بھی نصیب ہوگا کہ وہ اپنے گھر میں مقبول اور پسندیدہ ہے، لہٰذا بچوں کو کامیابی کے مواقع اور لمحات مہیا کرنے چاہییں اور انھیں بہت زیادہ نگرانی اور بہت زیادہ ناز برداری کے دائروں میں بند نہیں کرنا چاہیے۔ کامیابی بچے کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے ساتھ زندگی کی مشکلات اور مستقبل کے چیلنجوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔

④ اس کے ساتھ اپنی محبت کا کھل کر اظہار کریں:

بڑی بات یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں، بلکہ یہ ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل اور اپنی گفتگو کے ذریعے سے ان کے سامنے اپنی اس محبت کا اظہار بھی کریں۔ بچے کا اپنے پسندیدہ اور محبوب ہونے کا احساس ہی اس کی قبولیت و پسندیدگی کی طلب اور ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔

⑤ بچے کی تربیت اور نشوونما سے لطف اندوز ہوں:

تربیت بھی ایک تفریح اور دلچسپی کی شئے ہے، جس سے دنیوی زندگی کی دوسری زینتوں اور مشاغل کے ساتھ ساتھ خوب مستفید ہونا چاہیے، اسے آپ ایک تفریح کا ذریعہ سمجھیں اور اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ کرنے کے لیے اس تفریح کو اپنی ذاتی پالیسی بنالیں۔ آپ جس قدر زیادہ اس شعور کو اوجھل کریں گے، اتنا ہی آپ کو اس سے ناگواری کا احساس ہوگا اور آپ جس قدر تربیت کے بوجھ کو ظاہر کریں گے، اتنا ہی زیادہ بچے کو اپنی ناپسندیدگی کا احساس طاری ہوگا۔

⑥ بچے کی آرا وتجاویز کو قبول کریں:

بچہ اگر اپنی صلاحیت کو آزمانے اور اپنی مستقل حیثیت کے تحفظ کی خاطر، حجت اور دلیل کے طور پر کوئی رائے پیش کرنے کی کوشش کرے، تو آپ اس کی رائے کو سنیں اور اس کی پیش کردہ تجاویز کو توجہ دیں، چاہے یہ آپ کی نظر میں گھٹیا اور حقیر ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے کہ آپ جب توجہ اور خاموشی سے اس کی بات کو سنیں گے، تو اسے آپ کی طرف سے پسندیدگی اور مقبولیت کا پیغام پہنچے گا، اس کی بہت ساری مہارتوں کو فروغ ملے گا اور اس کے ساتھ ہی اسے اپنی ذاتی عزت واحترام کا قوی ترین شعور ملے گا۔

⑦ بچے کی جائز دوستیوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں:

بچہ اپنے ہمسروں کے ساتھ نسبت اور تعلق کی فطرتی ضرورت کے اعتبار سے تعلقات استوار کرتا ہے، یہ اس کی ایک اجتماعی ضرورت ہے، جس سے وہ بے نیاز نہیں رہ سکتا، لہٰذا آپ اس کے لیے اچھی صحبت کی جستجو رکھیں اور اس کے دوستوں کے سامنے اپنی خوشی اور محبت کا بھی اظہار کریں اور اپنے گھر کو ان کی میل ملاقات کے لیے کھلا رکھیں، اس کے پدری سلوک میں جہاں بچے کے لیے اپنے خاندان کی مرضی کے مطابق درست تعلقات قائم کرنے کے لیے حوصلہ افزا اشارہ موجود ہوتا ہے، وہاں یہ رویہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مضبوط اور مستحکم تعلقات استوار کرنے کے لیے بچے کی مہارت اور استعداد میں اضافے کا بھی ذریعہ ہے۔

ماں باپ کی طرف سے اپنے بچے کے دوستوں پر مسلسل اور بلا جواز تنقید کی وجہ سے بچہ ذہنی اذیت کے ساتھ اپنی بے وقاری اور بے وقعتی کے احساس میں مبتلا ہوسکتا ہے، جب کہ اس کے دوستوں کی تکریم و احترام کرنے سے بچے کو اپنے گھر میں پسندیدہ اور محبوب ہونے کا پیغام ملتا ہے۔

⑧ اسے رائیگاں اور بے کار نہ قرار دیں، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کریں:

بچہ کبھی ٹھوکر کھا کر گر سکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں دستور ہے۔ بچہ جب گرتا ہے تو اسے اس وقت کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے، جو اسے اٹھنے میں مدد فراہم کرے، نہ کہ اس شخص کی جو اس کو سرزنش کرے یا بے عزتی اور بدگوئی کے ذریعے سے اسے دکھی کرے۔

آپ اپنے آپ کو بچے کے سامنے ہر اعتبار سے کامل حیثیت سے پیش نہ کیا کریں۔ اگر بچے کو کسی سبق میں دشواری ہو رہی ہے تو آپ ایسے موقع پر یہ

کہہ کر اسے بے قرار نہ کریں کہ ''جب میں تیری عمر کا تھا تو بڑا ہی ماہر اور ممتاز تھا'' بلکہ یوں کہیں کہ ''مجھے بھی اس عمر میں دقت اور مشکل پیش آتی تھی، لیکن میں حد درجہ محنت اور مکمل جد و جہد کے ذریعے سے کامیابی حاصل کر لیا کرتا تھا۔''

اسی طرح اگر بچہ کسی حیوان یا اندھیرے سے خوفزدہ ہوتا ہے تو اسے توہین آمیز الفاظ کے ساتھ مجروح کرنے کے بجائے اس کے خوف کو یہ کہہ کر دور کر دیا کریں کہ ''اس عمر میں مجھے بھی خوف آتا تھا، لیکن میں نے اپنے خوف کو جھٹک دیا، اس طرح مجھے ہر خوفناک شَے پر غلبہ حاصل ہو گیا۔'' ایسے حالات میں آپ اپنے بچے کو ایک قدم بھی کسی آگے چلنے والے گائیڈ کے سپرد نہ کریں۔

⑨ بچے پر توجہ مبذول رکھنے کا طریقہ سیکھیں:

بچے کی بات کو توجہ اور خاموشی کے ساتھ سننے سے آپ کی طرف سے اس کے لیے دلچسپی اور پسندیدگی کا پیغام ملے گا۔ گفتگو کے دوران میں مسلسل تعلق، لگاؤ اور خاموشی سے بچے کو یہ شعور بھی حاصل ہوگا کہ اسے آپ کو متوجہ کرنے کا سلیقہ آتا ہے اور یہ بھی کہ وہ آپ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے، اس لیے آپ اپنے بچے کے لیے چاہے چند منٹوں کے لیے ہی سہی روزانہ بھرپور توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس کی گفتگو کو سننے کے لیے کچھ وقت ضرور مختص کریں، اس طرح آپ کا بچہ بہت ساری مہارتوں کو سیکھ لے گا اور اس کے ساتھ وہ اپنی بے شمار مہارتوں کو ظاہر کرنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہو جائے گا، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ماں باپ کو اپنے بیٹے کو بہت زیادہ سمجھنے کا موقع ملے گا اور وہ اپنے بچے کی راہنمائی اور اس کے غیر درست رویوں کی اصلاح کے لیے بہتر انداز سے اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

⑩ اپنے بچے کے ساتھ وہی سلوک کریں، جس طرح کے سلوک کی آپ اپنے لیے توقع کرتے ہیں:

بڑوں کو ''شکریہ'' معاف کیجیے گا''، ''ازراہِ شفقت'' اور ''ازراہِ مہربانی'' جیسے شکر گزاری اور معذرت خواہی کے الفاظ اور گفتگو کے عمدہ اور خوبصورت انداز کو سن کر کتنی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ کتنا ہی اچھا ہو اگر ماں باپ بھی اپنی اولاد کے ساتھ اسی طرح کی محبت بھری اور خوبصورت بات چیت کا طریقہ اختیار کر لیں، اس طرح وہ اپنی اولاد کے لیے حقیقی طور پر خیر خواہ والدین بن جائیں گے اور ان کی اولاد بھی اسی قدر زیادہ فرماں بردار اور اطاعت شعار بن جائے گی۔

بڑوں کی نسبت بچوں کو زیادہ، محبت سے لبریز برتاؤ اور عمدہ مکالمے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں کے ساتھ اپنی محبت کے اظہار کے لیے باقی طریقوں کی نسبت یہ طریقہ زیادہ موثر اور موزون ہے اور اس کے علاوہ انھیں اس طریقے سے دوسروں کے احترام کا درس بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

بچے کا اپنے باپ کے نام مکتوب

ابا جان! مجھے آپ پر جو رنجش ہے، وہ صرف اس بات پر ہے کہ آپ مجھے اپنی بے پناہ مصروفیتوں اور حد سے زیادہ مشاغل کی وجہ سے کچھ بھول سے گئے ہیں اور آپ نے اپنی یاد داشت کے رجسٹر میں سے میرے نام کو لپیٹ کر ایک بے پروائی سی اختیار کرلی ہے۔

مجھے یاد نہیں رہا، کتنی بار میں نے امی جان کو دیکھا، اس وقت رات کی سیاہی شدید ہو چکی ہوتی، ستارے غائب ہو چکے ہوتے اور لوگوں کی چہل پہل بھی ختم ہو چکی ہوتی۔

ابا جان! میں نے انھیں آپ کی غیر موجودگی کے تیر لگنے کے بعد اور آپ کی اُنس بھری ملاقات سے محرومی محسوس کرنے کے بعد دیکھا ہے کہ وہ صبر کرنا چاہتی ہیں، مگر انھیں صبر آتا ہی نہیں، وہ اطمینان اور سکون کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہیں، مگر یہ انھیں کہیں سے میسر نہیں ہوسکتا، وہ آہوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہیں، مگر یہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی اور وہ بار بار گرم آنسوؤں کو پونچھتی ہیں، مگر یہ خشک ہی نہیں ہوتے۔ میرے پردیس میں گئے ہوئے ابا جان! میں آپ کے لیے حد درجہ بے تاب ہوں۔

آپ کو میرے اس مکتوب سے حیرت لاحق ہوئی ہوگی، آپ تو میرے والد ہیں اور ہر وقت آپ میرے پاس ہی ہیں، تو پھر یہ خط کتابت کیسی؟ نہ تو آپ دیارِ غریب میں جا کر آباد ہو جانے والد ہیں جو آنکھوں سے، اہل وعیال

سے، قرابت داروں سے اور اپنے دوستوں سے اوجھل ہو کر رہتے ہوں اور نہ آپ وہ باپ ہیں، جو اپنے کنبے میں اور اپنی اولاد کے درمیان موجود اور مقیم ہو اور وہ اس کی صحبت و ہم نشینی سے شاداں و فرحاں ہوں اور اس کے وجود سے خوشی اور سعادت حاصل کرتے ہوں۔ ہم تو ہر ابھرتی صبح اور ہر ڈھلتی شام کو آپ کو اپنے درمیان محسوس کرتے ہیں۔ آپ کا نقش و خیال ہر وقت ہمارے سامنے ہوتا ہے، لیکن ابا جان! آپ کی مصروفتیں بڑھ گئی ہیں اور آپ کی غیر موجودگی کا عرصہ بہت ہی زیادہ طویل ہو گیا ہے۔ لگتا ہے کہ اس طرح تو ہم آپ کی یادگاروں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

میں نے بہت ہی لمبا انتظار کیا کہ آپ واپس آ جائیں گے اور آپ کی ذات کے ساتھ وابستہ میری یادوں کو تازہ کر دیں گے۔ میرا انتظار طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ میں آپ کی واپسی کی امید سے مایوس ہو گیا۔ میں جن دنوں چھوٹا سا اور معصوم سا بچہ تھا، مجھ پر آپ کی شفقت، ہمدردی اور توجہ پوری طرح سایہ فگن رہی۔ جوں جوں میری عمر بڑھنے لگی آپ کے مکتوب کا حجم اور آپ کی غیر موجودگی کا دورانیہ بھی اسی انداز سے بڑھنے لگ گیا، جیسے جیسے مجھے توانائی ملنے لگی اور مجھے آپ کی ضرورت کا احساس ہونے لگا، اسی سرعت کے ساتھ آپ کی مصروفیتیں بھی کٹھن ہونے لگ گئیں اور آپ کی سرگرمیوں نے آپ کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔

جب مجھے آپ کی غیر موجودگی کا سبب معلوم ہوا، تو مجھے آپ کی رفاقت اور مصاحبت سے محروم ہو جانے کا حد درجہ دکھ لاحق ہوا۔ میرا شوقِ زیارت بھی اس وقت زیادہ شدید ہوا جب آپ کی دوری اور جدائی کا سلسلہ طویل ہو گیا۔

ابا جان! مجھے آپ کی صحبت و ہم نشینی کا اتنا وافر حصہ تو ملا ہی نہیں تھا، جو

مجھے ساری زندگی کے لیے آپ سے مستغنی کر دیتا اور جو قلیل ترین صحبت و رفاقت نصیب ہوئی ہے، وہ بھلا مجھے کفایت کر سکتی ہے؟

میری بے تابی میرے صبر پر غالب آ چکی ہے۔ آپ کے ساتھ میری محبت نے میرے سینے کو ڈھانپ دیا ہے۔ آپ کی محبت و چاہت میرے دل پر مسلط ہے اور آپ کے ساتھ انس و تعلق میری بچپنی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو! میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار و سکون آپ کی ذات سے پیوستہ ہے۔ آپ ہی میرے لیے آئیڈیل اور نمونہ ہیں، آپ ہی میرے پہلو میں پوشیدہ دل ہیں، آپ ہی میرا تحفظ کرنے والے ہاتھ ہیں اور آپ ہی میری قوت اور طاقت ہیں، جس کے بل بوتے پر میرا عزم قوی ہوتا ہے۔

ابا جان! آپ کو ہرگز حیرت نہیں ہونی چاہیے، اگر میری آپ کے لیے بے تابی میری وسعت سے زیادہ ہو چکی ہے۔ آپ کی غیر موجودگی پر میرا صبر بھی میری مدد کرنے سے قاصر ہے اور آپ کے ساتھ میری بے پناہ محبت خود میری روح پر غالب آ چکی ہے۔

ابا جان! کیا آپ ہی نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ اللہ کے نبی نوح علیہ السلام نے اپنے اس بیٹے کے ساتھ اپنے تعلق کو جوڑے رکھا، جس نے ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہونے لگا، تو اس موقع پر نوح علیہ السلام اپنے رب کے حضور دعا گو ہو گئے: ''میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل سے تعلق رکھتا ہے'' کس قدر تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ نوح علیہ السلام کی پدری شفقت کو جوش آ گیا، شاید کہ یہ دعا ان کے بیٹے کو غضبِ الٰہی سے بچانے کے لیے شفاعت اور نجات کا ذریعہ بن جائے۔ دیکھیے! تو باپ نے اپنے بیٹے کو عقیدے میں اختلاف و تضاد کے باوجود بھی خوفناک ترین لمحات میں نہ

بھلایا اور اس سے لاتعلق نہ ہوئے، حالانکہ اس نے معصیت کے راستے کو اختیار کرلیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی کے سپرد کر دیا تھا۔

اسی طرح ابا جی! آپ ہی نے مجھے بتایا تھا کہ اللہ کے نبی یعقوب اپنے بیٹے اور اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام کی گمشدگی سے کتنے زیادہ متاثر ہوئے تھے اور انھیں کتنا دکھ ہوا تھا۔ خود قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴾ [یوسف: 84]

''اور غم سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے۔''

آپ بہت سارے دوسرے بیٹوں کے باوجود بھی اپنے بیٹے سے بے نیاز نہ رہ سکے، یہاں تک کہ آپ نے ان سب سے منہ پھیر کر اپنے دکھ درد کا اظہار اپنے خالق و مالک کے سامنے کیا کہ اللہ جل شانہ ہی ان کے اس کرب کو جاننے والا تھا، جس نے ان کی آنکھوں اور روشنی کو سلب کر لیا تھا۔

یہ تو حال اور تعلق تھا گذشتہ ادوار کے باپوں کا اپنے بیٹوں کے ساتھ، جب کہ ہمارے اس دور میں بیٹوں کو اپنے باپوں کے لیے جس دکھ درد کا سامنا ہے، اس پر مہینوں، راتوں اور دنوں کے لمحات پوری طرح شہادت دے رہے ہیں۔

ابا جان! میں نے صبر کے دامن کو پوری قوت کے ساتھ تھامنے کی جدوجہد کر دیکھی ہے، مگر صبر ہوتا ہی نہیں، میں نے اس کے اندر پناہ ڈھونڈنے کی بھی بڑی کوشش کر دیکھی ہے، مگر بے سود۔ اس کے باوجود بھی ہم آپ کے لیے اپنے سینوں میں والہانہ محبت، وفاداری کا پختہ عزم اور پوشیدہ محبت کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ کیا آپ کو بھی ہمارے احساسات کا ادراک ہے اور آپ کے متعلق ہمارے جو جذبات ہیں، آپ کو بھی ان کا علم ہے؟

پردیس میں رہنے والے میرے ابا جان!
میں آپ سے اظہار ناگواری کرتا ہوں۔

آپ ایک مرتبہ پھر حیران ہوں گے اور پوچھیں گے کہ کیا کوئی بیٹا بھی اپنے باپ سے اپنی ناگواری کا اظہار کرسکتا ہے؟ میرا جواب آپ سے یہی ہوگا کہ ''جی ہاں'' جب باپ وہ باپ نہ ہو اور بیٹا بھی وہ بیٹا نہ ہو۔ بھلا ایک بیٹا اپنے اس باپ کو ملامت کیوں نہیں کرسکتا، جو اپنے سامنے خون، قرابت، خرچ و اخراجات اور اجتماعی ظروف کی صورت میں تشکیل پانے والے باہمی تعلقات کو مدنظر نہیں رکھتا، بلکہ اس کی نظر ان تعلقات پر مرکوز رہتی ہو، جو ان سے بہت بڑی حد تک مختلف ہوتے ہیں، حالانکہ وہ دونوں آپس میں مخلص دوست اور خیر خواہی اور محبت کرنے والے بھائی ہوتے ہیں اور وہ دونوں آپس کی اس محبت کی بنیاد پر باپ اور بیٹے کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے باہمی تعلق کی نوعیت کا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو علم ہے اور اس کے بعد ان لوگوں کو ہے جو باپ اور بیٹے کے تعلقات کو مکمل گہرائی کے ساتھ جانتے ہیں۔

ابا جان! میں آپ سے اپنی ناراضی کا اظہار اس لیے کرتا ہوں کہ آپ ایک منفرد اور نرالے باپ ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اکثر اوقات آپ کا میری نظروں سے دور رہنے کا معاملہ آپ کی مرضی و ارادہ سے بالاتر ہوتا ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اپنے گھر سے باہر جو رہتے ہیں، یہ کسی نیکی کی خاطر ہوتا ہے، جس کا شریعت نے آپ کو مکلّف کیا ہوتا ہے، ایسی صورت میں تو آپ کا مرتبہ اور وقار میری نظروں میں بالکل کم نہیں ہوتا، بلکہ یہ حد سے زیادہ اونچا، شاندار، باوقار اور بلندتر ہو جاتا ہے اور میں اسے بطور مثال ایسے باپوں کے سامنے پیش کرسکتا ہوں، جو حیرانی، بے بسی اور گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں اور سستی کاہلی اور

نیند کے ساتھ زمین کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں اور پروردگارِ عالم کے احکامات میں کوتاہی کے مرتکب بنے رہتے ہیں۔

ابا جان! اس کے باوجود میں جس بات پر آپ سے ناراض ہوتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ اپنی حد سے زیادہ مصروفیتوں اور لامحدود مشاغل کی وجہ سے مجھے کچھ بھول سے گئے ہیں اور آپ نے اپنی یادداشت کے رجسٹر میں میرے نام کو لپیٹ کر بے پروائی کو اختیار کر لیا ہے۔

اگر مجھے آپ کے ساتھ حسنِ ظن نہ ہوتا، میرے دل میں آپ کی ظاہری و پوشیدہ خوبصورت یادیں نہ ہوتیں اور آپ کے ساتھ میری بھرپور امیدیں وابستہ نہ ہوتیں، تو میں ہر قسم کی مشکلات کو سہہ جاتا، مگر آپ کی خاطر ان مصیبتوں کو نہ جھیلتا اور نہ آپ ہی کی وجہ سے صبر کی مشکلات کو برداشت کرتا۔ مجھے آپ نے اپنی شفقت و مہربانی سے محروم کر دیا ہے، اپنی پدری محبت سے عاق کر دیا ہے اور مجھ سے حسنِ سلوک کرنے اور وقت دینے میں آپ نے بخل برتا ہے۔

ابا جان! کتنی ہی راتوں میں نے آپ کے بستر پر آپ کا انتظار کیا، تاکہ میں آپ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوسکوں، لیکن آپ کے دیر سے آنے کی عادت نے مجھے آپ سے معانقہ کرنے اور آپ کو سلام کرنے سے محروم کر دیا، جب مجھے خوفناک خواب سے ایک مرتبہ ہوش آیا، تو مجھے آپ کے بیڈ روم میں روشنی جلتی نظر آئی، تو میں فرطِ جذبات میں، آپ سے ملاقات کی خوشی میں اور آپ کو بوسہ دینے کی چاہت سے اچھلنے لگا، لیکن میری نظر مایوسی سے دوچار ہوئی، اس لیے کہ جو کچھ مجھے نظر آیا تھا، وہ میرا وہم اور خیال ہی ثابت ہوا، اس لیے کہ اس وقت آپ کے کمرے میں

میری پیاری امی جان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، جو میرے چھوٹے بھائی کو تھپکیاں دے کر سلا رہی ہوتی تھیں۔ امی جان کو میرے چلنے کی آہٹ محسوس ہوئی تو انھوں نے سر اٹھا کر اس نظر سے دیکھا کہ مجھے اس کے اندر سے معلوم ہو گیا کہ وہ بھی میری طرح کے دکھوں کو جھیل رہی ہیں، اسے بھی انھی مصیبتوں کا سامنا ہے جن کا مجھے اور وہ بھی میری طرح ہی ان مشقتوں سے مقابلہ کر رہی ہیں۔

میری مسکین و لاچار ماں، اگر چہ اپنی زبان سے تو شکایت نہ کر سکتی تھیں، مگر میں نے ان کی اداس آنکھوں میں اور ان کے چہرے کی جھریوں میں پوشیدہ دکھ کو پڑھ لیا۔

ابا جان! لگتا ہے کہ میری امی جان کے پاس آپ کی غیر موجودگی کو ختم کرنے کے لیے کوئی موثر حیلہ ہے، اس کی مدد کرنے والا کوئی مضبوط ہاتھ ہے اور نہ اس کے پاس اس دکھ سے بچنے کے لیے کوئی زور دار طاقت۔

مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے کتنی بار امی جان کو دیکھا، اس وقت رات کی سیاہی شدید ہو چکی ہوتی، ستارے غائب ہو چکے ہوتے اور لوگوں کی آمد و رفت بھی تھم چکی ہوتی۔ ابا جان! میں نے انھیں آپ کی غیر موجودگی کا تیر لگنے کے بعد اور آپ کے اُنس بھرے ربط و تعلق سے محرومی کا محسوس کرنے کے بعد دیکھا ہے کہ وہ صبر کرنا چاہتی ہیں، مگر انھیں صبر آتا ہی نہیں ہے، وہ اطمینان اور سکون کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہیں، مگر یہ انھیں کہیں سے میسر نہیں ہوتا، وہ آہوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہیں، مگر یہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی اور وہ بار بار گرم آنسوؤں کو پونچھتی ہیں، مگر یہ رکتے ہی نہیں ہیں۔

اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ وہ آپ کے متعلق شکایت خود آپ سے کرے یا آپ کو اپنے رویوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کی درخواست

کرے، لیکن اسے کون یہ ضمانت دے سکتا ہے کہ آپ کی طرف سے اس کی شکایت کا ازالہ ہو جائے گا یا آپ اپنے فیصلے میں اس پر زیادتی نہیں کریں گے؟

میرے پیارے ابا جان! ہمیں آپ کا انتظار ہے۔

اگر آپ کو پچھلے دو مواقع پر مجھ پر حیرت ہوئی تھی، تو اب آپ پر اور آپ جیسے باپوں کے بہت سارے طرزِ اعمال اور رویوں پر حیران ہونے کی میری باری ہے!

مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ آپ لوگ اس امر پر کیوں نہیں غور کرتے کہ جس کام کے لیے آپ لوگ متحرک نظر آتے ہو اور اس کی وجہ سے اپنے اہل وعیال سے اور اپنے خاندان سے لاتعلق ہو گئے ہو، یہ قطعاً اس ذمے داری سے افضل نہیں ہے، جسے آپ نے اپنے گھروں میں نبھانا ہوتا ہے۔

ابا جان! مجھے تو آپ کے حال پر تعجب لاحق ہوتا ہے، ایک وقت تھا کہ آپ پروردگار عالم سے لمبی لمبی اور الحاح وزاری سے بھری دعائیں کیا کرتے تھے کہ وہ تمھیں آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی بیویاں اور اولاد عطا فرما دے، جو تمھارے دلوں کو مسرور کر دیں اور تمھارے سینوں کو خوشیوں سے بھر دیں، جب تمھاری دعاؤں کو قبول کر لیا جاتا ہے تو پھر آپ ان کو کچھ مدت گزر جانے کے بعد اپنے گھروں میں بند کر دیتے ہو اور اپنے دل کی روحوں کو زمانے کے مصائب و آلام کے سپرد کر دیتے ہو کہ وہ ان کو روند کر ریزہ ریزہ کر دیں۔ ذرائعِ ابلاغ کے حوالے کر دیتے ہو کہ وہ انھیں اخلاقی گراوٹ کا شکار بنا دیں، گلی کوچوں اور سڑکوں، چوراہوں کے گندے اخلاق و آداب کے سپرد کر دیتے ہو کہ وہ انھیں خوب ویران کر دیں اور انھیں جنوں، انسانوں اور نفسوں کے برے خیالات کی تحویل میں دے دیتے ہو کہ وہ ان کے ساتھ خوب

مکاری اور فریب کاری کرتے رہیں۔

حتی کہ جب سالہا سال گزر جاتے ہیں اور زمانے کی گردش تمھیں مصائب کے حوالے کر دیتی ہے تو پھر آپ اپنی غفلت اور غیر موجودگی کی تھوہر اور حنظل جیسی کڑوی فصل کاٹتے ہو، افسوس و ندامت کے ساتھ اپنی انگلیوں کو چباتے ہو اور پھر تمنا کرتے ہو کہ کاش بعد میں سمجھ آ جانے والی حقیقت کو پہلے ہی اختیار کر لیا ہوتا، تو اپنے رب کریم کی عطا فرمودہ نعمتوں کی شکر گزاری کے ساتھ ان کی کماحقہ حفاظت بھی کر لیتے، لیکن یہ ناممکن ہے اور بالکل ہی ناممکن۔

کیا کبھی صرف افسوس اور ندامت سے وہ شے واپس لوٹ سکتی ہے جسے وقت اور زمانے نے نیست و نابود کر دیا ہو یا جو آفتوں اور مصیبتوں کے لیے لقمہ تر بن گئی ہو؟

ابا جان! اب یقیناً وہ لمحہ آن پہنچا ہے کہ میں آپ کے سامنے کھل کر اور پوری صراحت کے ساتھ حقیقتِ حال بیان کر دوں۔ مجھے کل کے بجائے آج ہی آپ کی ضرورت ہے۔ مجھے وقت نکل جانے سے پہلے آپ کی ضرورت ہے، میں آپ کی شفقت کا اور آپ کے حسن سلوک کا محتاج ہوں۔ آپ کی پدری رحمدلی کا طلب گار ہوں۔ آپ کے تعاون اور مشورے کا ضرورت مند ہوں۔ آپ کی نصیحتوں کا اور آپ کی آرا کا محتاج ہوں۔ آپ کی دل فریب تبسم اور خوبصورت مسکراہٹ کا مشتاق ہوں۔ آپ کی خوش طبعی اور سنجیدگی کا متلاشی ہوں۔ آپ کے ہاتھ سے ایک لقمے کی آرزو رکھتا ہوں، آپ کے بستر پر آپ کے ساتھ ہی لیٹ جانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ آپ کے ساتھ کھیلنے کودنے کا طلب گار ہوں۔ آپ سے قصے اور کہانیاں سننے کی آرزو رکھتا ہوں۔ آپ کی طرف سے اطمینان اور حفاظت کی چاہت رکھتا ہوں۔ آپ کو اپنا آئیڈیل، نمونہ اور مثال بنانا چاہتا ہوں۔ آپ کے دکھ اور سکھ میں برابر شریک رہنا چاہتا ہوں۔ آپ کے تصور اور

خیال کو اپنے دل میں بسانا چاہتا ہوں، اور ، اور، جب تک آپ باپ ہیں اور میں بیٹا ہوں، مجھے یہ سب ضرورتیں آپ کے ساتھ لاحق رہیں گی۔

ابا جان! آپ مجھے اپنا کچھ ٹائم کیوں نہیں دیتے؟

ابا جان! آپ مجھے تھوڑی سی توجہ کیوں نہیں مرحمت فرماتے؟

ابا جان! آپ مجھے ذرا سی شفقت کیوں نہیں عطا کرتے؟

ابا جان! آپ مجھے اپنی اولین ترجیح کیوں نہیں بناتے؟

ابا جان! مجھے اپنے احساسات کا حصہ کیوں نہیں بناتے؟

ابا جی! آپ کے لیے میرے جو معصوم جذبات و احساسات ہیں، آپ ان کا ادراک کیوں نہیں کرتے؟

ابا جی! آپ کیوں نہیں سوچتے کہ آپ کا ایک کنبہ بھی ہے، جو آپ سے محبت کرتا ہے؟

ابا جان! کیا آپ کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے سفر اور غیر موجودگی کے دورانیے کو مختصر کردیں؟

ابان جی! کیا جلدی نہیں آ سکتے، تاکہ میری آنکھوں کو آپ کی زیارت نصیب ہو جائے؟

میرے پیارے ابا جان! ہم سخت بے تاب ہیں، سفر سے پہلے جس طرح آپ گھر میں موجود ہوتے تھے، آپ کو اسی طرح ہم دیکھنے کی آرزو رکھتے ہیں، ہمارے گم ہو جانے سے پہلے ہی آ جائیے۔ ہم سب منتظر ہیں، ابا جان! ہمارے پاس لوٹ آیئے!!!

اصلاح اور تنبیہ کی ضرورت

تنبیہ اور اصلاح میں بچے کی خوش نصیبی پوشیدہ ہے۔
دوسروں کے تجربات سے استفادہ کیا جائے۔
ادب آموزی احترام کے منافی نہیں ہے۔
تہذیب اور فہمایش تو جائز ہے، مگر سنگ دلی اور بے رحمی قطعاً نہیں۔
ادب ضرور سکھائیں، مگر گھات لگانے کی پالیسی سے احتراز کریں۔

تہذیب و اصلاح کی تین بنیادیں:

① نظم و ضبط۔
② فرماں برداری اور قابلِ اتباع نمونہ۔
③ واضح قواعد وضوابط اور ترغیب وتحریک۔

نماز مثبت طرزِ تربیت کا نمونہ:

محبت اور احساس کی تعمیر۔
زبان۔
تکرار۔
تجربہ اور اس کی تنفیذ وتطبیق۔

گذشتہ اوراق میں ہم بچے کی ذاتی ضروریات کے متعلق گفتگو کر چکے ہیں، بچے کی بھرپور نشوونما کے لیے ان سب ضروریات کو نہایت ہی اچھے طریقے

سے سمجھنے اور ان کو عملی طور پر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری گفتگو کا تعلق صرف محبت کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس لیے کہ محبت تو بچے کی بنیادی حاجت شمار ہوتی ہے، تاہم اس میں یہ نکتہ موجود ہے کہ اولاد کی تربیت کے لیے ہمارے پاس صرف ایک ہی موثر راستہ ہے، وہ ہے ان کے ساتھ اپنی محبت کے اظہار کا، لیکن اس کے ساتھ ہی ان دیگر ضروریات کا اہتمام بھی مطلوب ہے، جو بچے کے ساتھ باوقار اور نرم برتاؤ کے حوالے سے اپنا اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

بچہ تادیب و اصلاح کا محتاج ہوتا ہے:

بچے کو جس قدر محبت، شخصیت کے اعتراف، مدح و توصیف اور قبولیت و اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے، اس قدر اسے اپنی زندگی میں نشو و نما کے تمام مراحل میں تنبیہ و فہمایش کی اور قواعد و ضوابط کی بھی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

یقیناً یہ نقطہ نظر غلطی پر مبنی ہے کہ بچوں کی عمدہ تربیت اور بہترین نشو و نما کے لیے صرف محبت اور پیار ہی کافی ہے، اس لیے کہ ''بچے کو چھوڑ دو، وہ جو کرنا چاہتا ہے کرنے دو'' اور ''بچے کو ناں کا لفظ کبھی بھی نہ کہو'' کے طریقے کار سے اکثر طور پر بچوں کو ایسی تربیت ملتی ہے کہ وہ کسی قاعدہ قانون کی پابندی کرتے ہیں نہ کسی کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں اور نہ وہ کسی دینی حکم، معاشرتی روایات اور قانون کا لحاظ رکھتے ہیں۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس بچے کو قواعد و ضوابط کا اور والد سے راہنمائی حاصل کرنے کا پابند نہ بنایا جائے، وہ اس پختہ یقین کے ساتھ پروان چڑھتا ہے کہ وہ اپنے خاندان میں ایک ناپسندیدہ اور غیر مقبول فرد ہے۔

یاد رکھیے! وہ انسان آزادی سے صحیح معنوں میں مستفید نہیں ہو سکتا،

جسے اپنی آزادی کی حدود اور دائرہ کار کا پتا نہ ہو، جیسا کہ ایک ماہرِ تربیت ڈاکٹر بینز گروفورڈ نے کہا ہے:

''نشو پذیر بچوں کی نفسیاتی مشکلات کا تعلق قطعاً اس تشدد اور سختی کے ساتھ نہیں ہوتا، جو اسے ادب سکھانے کے لیے اختیار کیا گیا ہے، بلکہ جائز سختیوں کا فقدان ہی ان کی ذاتی ونفسیاتی مشکلات کا سبب ہوتا ہے۔''

ہارون الرشید نے اپنے بیٹے امین کے اتالیق سے کہا تھا:

''اس سے حد سے زیادہ عفو و درگزر نہ کیا کریں، وگرنہ یہ آوارہ باشی کا خوگر ہو جائے گا۔ آپ اسے محبت اور نرمی کے ذریعے سے سدھاریں، اگر یہ دونوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوسکیں تو پھر سختی اور بے رحمی سے کام لیا کریں۔''

تنبیہ اور اصلاح میں بچے کی خوش نصیبی پوشیدہ ہے:

آپ کا بچہ ایک انسان ہے اور آپ اس کی سعادت اور خوش نصیبی کے طلب گار ہیں۔ یہ سعادت نہ تو ایک لازمی اور خاص طریقے کے ذریعے سے مہیا ہوسکتی ہے، جسے آپ نے اس کے لیے لازم کر لیا ہو اور نہ یہ خوش بختی اسے بالکل بے لگام چھوڑ دینے سے حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے۔

یقیناً آپ کا باطنی شعور بھی آپ کو اس حقیقت سے ضرور آگاہ کرتا ہے کہ آپ کو بھی اپنے بچے کی توجہ مطلوب ہے، جس طرح کہ بچے کو آپ کی توجہ اور حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ اپنے بچے کو اس وقت لازمی طور پر سزا دیتے ہیں۔ جب وہ حد سے گزر جاتا ہے اور اس وقت آپ اپنے آپ کو بچے کے ساتھ زیادتی کے احساس سے نہ تو گناہ گار سمجھتے ہیں اور نہ اپنے آپ کو کوئی سزا دیتے ہیں۔

دوسروں کے تجربات سے استفادہ کیا جائے:

آپ اپنے علاوہ دوسرے باپوں سے ملیں، تو ان کے تجربات سے بھرپور استفادہ کریں، جب آپ کو کسی ایسے باپ سے ملنے کا موقع ملے، جو معمولی سے غلط رویے پر بھی اپنے بچے کے سامنے چیختا چلاتا ہے، تو آپ اس کا یہ نتیجہ دیکھیں گے کہ یہ بچہ سو مرتبہ کے بعد بھی اس مطلوبہ طرزِ عمل کی مخالفت کرے گا یا اپنے معمول کے غلط رویے کو دہرائے گا۔

آپ یقیناً یہ جاننا چاہیں گے کہ آخر یہ بچہ اپنے باپ کے حکم کی پیروی کیوں نہیں کرتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حد سے زیادہ ڈانٹ ڈپٹ اور تذلیل و تحقیر سے اور اس کے سامنے ہر وقت چیختے چلاتے رہنے سے بچہ اپنی ذات سے بدظن ہو جاتا ہے اور اسے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہیں رہتا، جس کی بنا پر وہ بار بار غلطیوں کا ارتکاب کرنے لگتا ہے۔

آپ ایک اور شخص سے اس کے گھر میں ملاقات کرتے ہیں، یہ شخص اپنے بچے کو سی ڈی پلیئر میں غلط طریقے سے کیسٹ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھتا ہے، تو وہ آہستہ سے اٹھتا ہے اور اپنے بیٹے سے کہتا ہے: ''بیٹے! تم اس کیسٹ کو دیکھنا چاہتے ہو، مگر تم جلدی کرنے کی وجہ سے اسے درست طریقے سے پلیئر کے اندر فٹ نہیں کر سکے ہو، لاؤ، مجھے دکھاؤ، میں اسے پلیئر میں سیٹ کر کے دکھاتا ہوں، تم مجھے دیکھتے رہو، میں اس کیسٹ کو فٹ کرنے کے بعد نکال دوں گا، اس کے بعد تم خود اسے سیٹ کر لو۔''

اس وقت بچہ اپنے باپ کو صحیح طریقے سے پلیئر میں کیسٹ لگاتے دیکھتا ہے، اس کے بعد وہ اپنے باپ کی درست ہر حرکت کی پیروی کرتا ہے اور پھر وہ اپنے باپ کی طرف سے شاباش وصول کرتا ہے۔ اندازہ کریں کہ یہ باپ کتنے

ہی اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی مہارت کو اپنے بچے کی طرف منتقل کرتا ہے اور پھر بچہ بھی اپنے باپ کی نگرانی میں پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ اس مہارت کو عملی طور پر دہراتا ہے اور اپنے باپ کی طرف سے مدح وتوصیف اور حوصلہ افزائی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

ایک تیسرے باپ کی طرف متوجہ ہوں، اس کے پاس اس کا بچہ آتا ہے اور پوچھتا ہے:

''ابا جان! اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے کیسے پیدا فرمایا ہے؟''

اس وقت باپ ایک سلسلہ وار ٹی وی پروگرام کو دیکھنے میں مصروف ہوتا ہے، ایسے ماحول میں باپ اپنے بیٹے سے سخت ناگواری اور غصے سے یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ''تیرے سوال کا جواب دینے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے'' یا وہ اس کے علاوہ بھی کوئی طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن نہیں، یہ باپ اسی وقت ٹیلی ویژن کے سامنے سے اٹھتا ہے اور جا کر ایک مفصل اور مبسوط انسائیکلوپیڈیا کھولتا ہے اور پوری سمجھداری کے ساتھ اپنے بیٹے کو کائنات کی تخلیق کے متعلق سائنسی معلومات اور قرآن کریم کی آیات مبارکہ کی روشنی میں جواب دینے لگتا ہے۔

ادب آموزی احترام کے منافی نہیں ہے:

والدین کی طرف سے اپنی اولاد کا احترام اور ان کی عزتِ نفس کا تحفظ اہم ترین اور بنیادی شَے ہے اور یہی وہ آخری اور حتمی حقیقت ہے، جسے ہم نے ان تمام قواعد ونظریات سے حاصل کیا ہے، جو بیسویں صدی کے نصف اخیر میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔

لیکن یہ احترام کسی بھی صورت میں اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے ایک پردے کی شکل نہ اختیار کرے، جس کی آڑ میں رہتے ہوئے ہم اولاد کے حوالے سے اپنی ذمے داریوں سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہوں، لہٰذا ہمارے لیے یہ امر بالکل ناجائز ہے کہ ہم اپنے جائز غصے کو بھی اس خوف اور اندیشے سے دبالیں کہ اس سے ہماری اولاد مشتعل ہو جائے گی۔

اس طرح تو ہم غصے اور تناؤ کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے اور اس کے ساتھ ہماری اولاد بھی بے باکی، قانون شکنی اور آوارگی کی طرف مائل ہو جائے گی۔

تہذیب اور فہمائش تو جائز ہے مگر سنگ دلی اور بے رحمی قطعاً نہیں:

اسی طرح ہمارے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ ہم اپنے غصے کو حد درجہ بے رحمی اور سختی میں بدل ڈالیں، جس سے اولاد کی انسانیت ہی اپنی حرمت اور توقیر کھو بیٹھے، اس طرح کی بے حرمتی سے تو اولاد اپنی پوری زندگی کو مسلسل دہشت اور خوف کے سائے تلے گزار دینے پر مجبور ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں ان کے دلوں میں اپنی نحوست کا احساس پیوستہ ہو گا اور پھر یہی احساس انھیں اپنی بے قیمتی اور بے وقعتی کے مصیبت دہ خیالات کی گندی جھولی میں ڈال دے گا۔

مجھے اس نوجوان کا چہرہ بالکل نہیں بھول سکتا، جسے اس کا باپ انتہائی برے انداز سے مارتا پیٹتا تھا۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ اپنے تعلیمی سال میں ناکامی سے دوچار ہوتا، مارنے پیٹنے کا یہ طریقہ بھی کسی پرانے دور سے درآمد شدہ معلوم ہوتا تھا، وہ اس طرح کہ بیٹا اپنی پیٹھ کے بل لیٹا ہوتا اور باپ اس کی پنڈلیوں کو اپنی رانوں کے ذریعے سے مضبوطی سے جکڑ لیتا اور پھر نہایت ہی بے دردی سے اس کے تلوؤں کو ڈنڈوں سے پیٹتا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ لڑکا اپنے تعلیمی سال کی تمام کتابوں کو حفظ کر

چکا ہوتا تھا، لیکن جونہی وہ کمرہ امتحان میں داخل ہوتا اور اسے جوابی کاپی تھما دی جاتی تھی، عین اسی ٹائم اسے سب کچھ بھول جاتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ باپ اپنے اس بیٹے کو معاشرتی زندگی کے ایک خصوصی ماہر کے پاس لایا، تو اس موقع پر خصوصی ماہر نے اس باپ سے دریافت کیا:

''آپ کو معلوم نہیں ہے کہ دینِ اسلام نے آپ پر لازم کیا ہے کہ آپ اپنے بچے کے ساتھ سات سال کھیلتے رہیں، سات سال اسے آداب و اخلاق کی تعلیم دیتے رہیں، سات سال اسے اپنی صحبت میں رکھیں، پھر اس کے بعد مناسب راہنمائی اور ہدایات کے ساتھ اسے مکمل اختیارات حوالے کر دیں؟''

چنانچہ اس کے بعد باپ نے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ مکمل پیار اور محبت کے ساتھ رکھنے کی جد وجہد شروع کر دی اور اسے اپنی کتابوں کو زبانی حفظ کرنے کی پابندی سے بھی نجات دے دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بیٹا اپنے تمام امتحانات میں کامیابی سے ہمکنار ہوا، بلکہ فراغت کے بعد ایک کامیاب مدرس کے طور پر مصروفِ عمل رہا۔ بچوں پر حد سے زیادہ سختی کے نتائج مختلف ہوتے ہیں، ایسے بچے تعلیمی ناکامیوں سے دو چار رہ سکتے ہیں، اس کے علاوہ وہ کھیل کے دوران میں اپنے دوستوں اور بھائیوں کو اپنے ظلم وتشدد کا شکار بنا سکتے ہیں۔

ادب ضرور سکھائیں، مگر گھات لگانے کی پالیسی سے احتراز کریں:

باپ کے بے رحم سلوک کی ایک دوسری قسم یہ بھی پائی جاتی ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی زندگی کے تمام معاملات میں تاک لگائے رکھتا ہے اور اس کوشش میں مصروف رہتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی زندگی کے تمام لمحات کو اپنے کنٹرول میں کر لے، جس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ باپ اپنی روح کو اپنے بیٹے کے

بدن سے ملبوس کر دینا چاہتا ہے۔

اس طرح کے رویے سے بیٹے کی اپنی شخصیت کالعدم ہو جاتی ہے اور وہ معاشرے میں اپنے آپ کو نمایاں اور منفرد فرد کے طور پر ظاہر کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

کنٹرول اچھی چیز ہے، اس میں کسی بحث کی گنجایش نہیں ہے، لیکن یہ اس شرط کے تحت ہونا چاہیے کہ بچے کو اس کی ذاتی شخصیت کے نمو و اظہار کے بہتر مواقع مہیا کیے جائیں، تاکہ وہ بڑا ہو کر کسی بھی طرح کے جبر و تسلط کے تحت زندگی گزارنے کے قبیح ترین عیب سے محفوظ رہ سکے۔

مشکل حالات میں اولاد کی تربیت

والدین کے کنٹرول اور تسلط کا دائرہ حد درجہ مخصوص اور متعین ہونا چاہیے، تاکہ اولاد کے لیے اپنی خصوصی شخصیت، اعلیٰ ترین لیاقت اور اپنی امتیازی جدت و انفرادیت کی تشکیل کے مواقع میسر آ سکیں۔

تربیتِ نبوی، مسلم تربیتی علما اور معاشرتی حقائق و واقعات میں ماہرانہ نظر رکھنے والے ڈاکٹر سبوک وڈ اور ڈاکٹر برنو پٹلی ہائم وغیرہ کی جدید تحقیقات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اولاد کے ساتھ نہایت ہی واضح، گہری اور دور اندیشی پر مبنی پالیسی کو اختیار کیا جائے، اس کے نتیجے میں اولاد کو متوازن، ہموار اور یکساں سعادت سے بھر پور زندگی نصیب ہوگی اور اس کے ساتھ خاندان کو بھی آسودگی اور سلامتی کا ماحول میسر ہوگا۔ بلا مبالغہ، وہ باپ جو محبت، دور اندیشی، روا داری اور فیصلہ کن قوت کے اوصاف سے مالا مال ہوتا ہے، وہی اس حقیقت سے شناسا ہوسکتا ہے کہ اس کا اپنا ذاتی شعور اور جذبہ ہی اس کے بیٹے کی صلاحیت و قابلیت اور اس کی سوچ کو پختگی فراہم کر سکتا ہے اور یہ سب کچھ بھی اثر پذیری کے ذریعے سے نہ کہ زور و زبردستی سے، باہمی مفاہمت کے ذریعے سے نہ کہ جبر و غلبے سے، شفقت اور پیار سے نہ کہ لاتعلقی اور بے پروائی سے۔

بچے کو متادب بنانے کا موضوع انتہائی گہرا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ اپنے اندر مختلف پہلو رکھتا ہے، لہٰذا اس کی خصوصیات کی شناخت رکھنا ضروری ہے، اس لیے

کہ بچے کی تعلیم وتربیت اور اس کی تہذیب و اصلاح کا عمل، علم اور مہارت کا محتاج ہوتا ہے اور جس شخص میں یہ نہ ہوں، وہ اصلاح کرتے کرتے بگاڑ پیدا کر لیتا ہے۔

وقفہ:

یہ خیال بالکل ہی غلط ہے کہ بچے کو ادب سکھانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسے سزا دی جائے، تا کہ بچے کا رویہ درست ہو جائے یا اسے کسی بھی مطلوبہ کام کا مکلّف کیا جائے، ایسا نہیں بلکہ ادب سکھانے کا موضوع اپنے اندر بہت زیادہ وسعت رکھتا ہے، اس میں بیک وقت تعلیم بھی ہے اور تہذیب بھی، یہ تربیت بھی ہے اور دلچسپی اور تحریک کا ذریعہ بھی، اس میں تنبیہ اور ڈراوا بھی ہے اور حوصلہ افزائی بھی، اس میں تشریح بھی ہے اور قبولیت بھی۔

سرسری انداز میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ادب کا مطلب یہ ہے کہ بچے کے اندر ایسے ذاتی اوصاف کو مضبوط اور پیوستہ کر دیا جائے، جن کے ذریعے سے اسے اچھے سلوک کی پہچان حاصل ہو جائے اور اس کا غلط رویہ درستی کی طرف مائل ہو جائے۔

رہا سزا کا معاملہ، تو اس کی حیثیت تربیتی عمل میں ایک ضمنی اور اضافی جزو کی ہے، جس کی والدین کو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے کبھی کبھار ضرورت لاحق ہوتی ہے اور اس ضرورت کو بھی بامرِ مجبوری اور ایک خاص عمر تک، شاذ و نادر استعمال کیا جاتا ہے۔

سزا اور فہمائش سے صرف دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں:

① تربیت ② اصلاح۔

اس اعتبار سے والدین کی سب سے بڑی ذمے داری یہ ہوتی ہے، کہ وہ اپنی اولاد کی علمی اصولوں کے مطابق تربیت کریں اور پھر اس تربیت کے

نتائج وثمرات کے حصول کے لیے مسلسل نگرانی کرتے رہیں اور ان کی اصلاح بھی کریں، یہ اس طرح کہ ان کے دلوں میں خیر کی جڑوں کو مستحکم کیا جائے اور خیر کو سلب کر لینے والی اشیا سے ان کو آگاہ کیا جائے، اس طرح کہ ان کو شر کے متعلق اور اس کے نتائج وعواقب کے بارے میں باخبر رکھا جائے، تاکہ وہ اس سے دور رہیں۔

سزا اور فہمایش کی ضرورت:

امام ماوردی رحمہ اللہ کی کتاب "أدب الدین والدنیا" میں بچوں کی اصلاح وتنبیہ اور سزا وغیرہ کے متعلق ایک حکیمانہ کلام مذکور ہے، جو ادب وفہمایش کے مفہوم و حقیقت کا احاطہ کیے ہوئے ہے، ہم ذیل میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں، تاکہ ہمارے لیے یہ سمجھنا آسان ہو جائے کہ تنبیہ اور سرزنش وغیرہ بچے کی ذاتی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ امام ماوردی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"واضح رہے کہ پیدایشی طور پر انسان کے مزاج میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ بے کار عادات اور بے لگام طور واطوار کو اختیار کر لیتا ہے، ان عادات میں سے جو عادتیں کم ضرر رساں ہوں، ان کے لیے بھی صحیح فہمایش کی ضرورت ہوتی ہے اور جو بالکل پسندیدہ ہوں تو ان میں بھی اصلاح کی حاجت ہوتی ہے، اس لیے کہ اچھی عادتوں کے بالمقابل بری عادات بھی پائی جاتی ہیں، جنھیں مقبولیت کی بنا پر یا پھر شہوانی غلبے کی وجہ سے کامیابی مل سکتی ہے۔

"اگر غفلت وکوتاہی سے ان کی اصلاح کے عمل کو عقل کے سپرد کر دیا جائے یا پھر اس بنیاد پر چھوڑ دیا جائے کہ انسانی طبیعت خود بخود اچھائی کو اختیار کر لے گی، تو عقل کی طرف سپرد گی اسے محنت کوشی کے درجے سے محروم کر دے گی اور توکل واعتماد کی صورت میں اسے

ناکامی اور نامرادی کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا، اس طرح وہ ادب سے فارغ ہو جائے گا اور جہالت کی صورتوں کو اختیار کرنے والا بن جائے گا۔

''ادب تجربے سے یا اچھی عادتوں سے حاصل ہوتا ہے اور اچھی عادات کا متفقہ ذخیرہ ہرقوم کے پاس موجود ہوتا ہے، لہٰذا ادب و فہمایش کو نہ تو عقل کی صواب دید پر چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ اسے طبعی میلانات کے سپرد کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ تجربہ و محنت اور تربیت و مہارت کے میدان میں ایک دوسرے سے استفادے کے ذریعے سے حاصل ہوسکتا ہے، اس کے بعد کہیں جا کر عقل کو قوت اور استحکام نصیب ہوتا ہے۔ اگر عقل کو ادب اور اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اس سے مستغنی ہوتے اور وہ صرف اپنی عقلوں پر ہی اکتفا کرتے۔''

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ»[1]

''مجھے اخلاقی بلندیوں کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''

سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا:

''آپ نے ادب کس سے حاصل کیا ہے؟ آپ علیہ السلام فرمایا: مجھے جاہل شخص کی حماقت اور بے وقوفی نظر آتی ہے تو میں اس سے اجتناب کر لیا کرتا ہوں۔''

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

---

[1] المستدرك للحاكم [670/2]

''اللہ تعالیٰ نے اپنے اور تمھارے درمیان بلند ترین اور خوبصورت اخلاق کو تعلق کا ذریعہ بنایا ہے، انسان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مالک و مولیٰ سے انھی اخلاق کے ساتھ تعلق قائم کیے رکھے۔''

اخلاقی تربیت دو طریقوں سے حتمی طور پر حاصل ہوتی ہے:

① والد کی طرف سے اپنے بچے کے لیے اس کی بچپن ہی سے کسی عادت کو لازم کر دینے سے۔

② ان عادات و خصائل کے ذریعے سے جن کا کوئی انسان اپنی نشو و نما کے دوران میں یا بڑی عمر میں اپنے آپ کو پابند بنا لیتا ہے۔

باپ کی طرف سے بچے کی لازمی اخلاقی تربیت کے لیے جو طریقہ کارگر ہے، وہ یہ ہے کہ وہ بنیادی آداب و اخلاق کے ذریعے سے اپنے بچے کو مانوس کرے اور انھی کے ذریعے سے اس کی تربیت کرتا رہے، تاکہ بڑا ہو جانے کے بعد آسانی محسوس ہو کہ وہ اپنی بچپن ہی میں ان سے مانوس ہو چکا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ چھوٹی عمر کی نشو و نما طبیعت کا ایک حصہ بن جایا کرتی ہے لیکن جس مومن شخص نے اپنی بچپن کی زندگی کو لاأبالی یا کوتاہی کی نذر کر دیا ہو گا، اس کی بڑی عمر کے اندر تربیت دشوار ہو جائے گی۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا نَحِلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ نَحْلَةً أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حُسْنٍ يُفِيْدُهُ إِيَّاهُ أَوْجَهْلٌ قَبِيْحٌ يَكُفُّهُ عَنْهُ وَيَمْنَعُهُ مِنْهُ»

''والد کی طرف سے اپنی اولاد کے لیے اچھی تربیت سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ قیمتی نہیں ہے، جو اسے زندگی میں فائدہ دیتا ہے، اسے حماقت اور جہالت کے کاموں سے باز رکھتا ہے اور اسے ایسے

کاموں سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔''

ایک دانا کا قول ہے:

''مشاغل کے انبار لگ جانے اور حالات کے منتشر ہو جانے سے پہلے ہی اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت اور اعلیٰ ترین آداب سے آراستہ کرلو۔''

ایک شاعر کہتا ہے:

إِنَّ الْغُصُوْنَ إِذَا قَوَّمْتَهَا اعْتَدَلَتْ
وَلَا يَلِيْنُ إِذَا قَوَّمْتَهُ الْخَشَبُ

''باریک ٹہنی کو جب آپ سیدھا کر دیں گے تو وہ برابر ہو جائے گی، لیکن جب وہ موٹی لکڑی بن جائے گی تو کوشش کے باوجود بھی سیدھی نہیں ہوگی۔''

قَدْ يَنْفَعُ الْأَدَبُ الْأَحْدَاثَ فِيْ صِغَرٍ
وَلَيْسَ يَنْفَعُ عِنْدَ الشَّيْبَةِ الْأَدَبُ

''یقیناً تربیت بھی چھوٹی عمر کے بچوں کے لیے مفید ہوتی ہے، بڑھاپے میں تو تربیت کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔''

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

يَنْشَؤُ الصَّغِيْرُ عَلٰى مَا كَانَ وَالِدُه
إِنَّ الْأَصُوْلَ عَلَيْهَا يَنْبُتُ الشَّجَرُ

''معصوم بچہ اپنے باپ کے آداب و اخلاق پر پرورش پاتا ہے، اس لیے کہ شاخیں ہمیشہ تنوں پر ہی نکلا کرتی ہیں۔''

وقفہ:

ان تمام باتوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اخلاقی تربیت

کے دائرے میں مہارت، ترغیب، حوصلہ افزائی، اصلاح و سدھار اور تعلیم و تربیت کے وہ سب اسلوب اور طریقے داخل ہو جاتے ہیں، جن سے تربیت کی ذمے داری نبھانے والے گروہ اور افراد مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

اخلاقی تربیت کے مقاصد و اہداف:

یہ ایک انتہائی اہم سوال ہے، جو بچوں کی تہذیب و تربیت کے حوالے سے ماں باپ کے ذہنوں میں موجود رہنا چاہیے۔ تربیت کی کٹھن ذمے داری کو نبھانے والے لوگ جب اعلیٰ ترین ہدف کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لیتے ہیں تو وہ اپنی تربیتی ذمے داریوں کو نبھاتے وقت ذاتی انتقام کے جذبات سے اپنی زندگی کی رنجشوں اور ملال کی بھڑاس نکالنے کے ارادوں سے بچپنے کے مظالم و مصائب کے تاثرات سے اور اپنے ماضی کے تلخ تجربات کی یادوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں، اس لیے کہ یہ سب منفی جذبات ہیں، جن سے بچوں کو سخت اذیت اور آزار کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ جدید علمی تحقیقات نے اور نقصان دہ اور غیر درست تربیتی اسلوب، ماں باپ کی سختی و بے رحمی اور اولاد پر ہونے والے ظلم و ستم کے بھرپور مطالعہ نے ہماری اس بات کی مکمل تصدیق کی ہے۔

تہذیب وتربیت کے بڑے طریقے

تہذیب و تربیت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اولاد ماں باپ کی ہدایات کی پیروی کرے، لہٰذا تربیت کرنے والوں کے سامنے یہی مقصد پوری قوت کے ساتھ اور ہر وقت واضح طور پر موجود رہنا چاہیے۔ آیندہ صفحات میں تربیتی ذمے داری نبھانے کے لیے ایسے بنیادی طریقے بیان کیے جاتے ہیں، جن کو ملحوظ رکھنے سے آپ کو آسانی کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیابی مل سکتی ہے۔

انفرادیت رکھنا تربیت کا لازمی حصہ ہے۔

11 تمام قسم کے اقدامات اور معاملات کے لیے آپ قوانین اور ضوابط متعین کر لیں اور ضروری ہے کہ آپ سب سے پہلے ان قوانین وضوابط کی پاسداری کریں۔

12 یاد رکھیں کہ آپ بچے کے اکثر پریشان کن رویوں اور مشتعل کر دینے والے طرز زندگی کا مقابلہ سزا، سختی و تشدد اور قطع تعلقی جیسے اقدامات کے ساتھ ہرگز نہ کریں، بلکہ اپنی پرسکون مداخلت، تعمیری اور نتیجہ خیز گفتگو اور نصیحت آموز اظہارِ خیال کے ذریعے سے درستی اور سدھار کے احکامات کو بروئے کار لانے کی سعی کریں۔

13 کھلے مجمع میں، خاص طور پر دوسروں کے سامنے اپنے بچے کو ملامت اور سرزنش نہ کریں، اصلاح کے لیے اس منفی طریقے کے استعمال کرنے سے بچے کے غلط رویے کی تصحیح نہیں ہوگی، بلکہ اس کی وجہ سے بچے کی شخصیت پر بہت ہی برے اثرات مرتب ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے نتیجے میں بچہ بدترین ردعمل کی طرف مائل ہو جائے۔

14 مثبت اور مفید کاموں کے لیے بھی بچے کو ذلیل کر کے ''ادب'' سکھانے کی کوشش نہ کریں، جیسا کہ آپ اپنے بچے کو قرآن کریم کی تلاوت کرنے یا احادیث مطہرہ کو حفظ کرنے کے لیے مجبور کریں اور اس کے لیے اس کی بے عزتی کریں، اس لیے کہ اس طریقے سے وہ محبوب ترین چیزوں کے ساتھ منفی تعلق اپنائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا ان اشیا کے متعلق اندازِ فکر ہی منفی بن جائے۔

وقفہ:

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ ایک امریکی ٹی وی سنٹر نے زندگی کے اکثر

موضوعات پر اور خاص طور پر خاندانی تعلقات اور والدین کے اسلوبِ تربیت کے متعلق بچوں کے خیالات اور تصورات کے حوالے سے ایک پروگرام نشر کیا تھا۔

یہ سنٹر ہر ہفتے میں ایسے بچوں کی میزبانی کیا کرتا، جو اپنے خیالات کو مکمل وضاحت اور جرأت کے ساتھ بیان کر سکیں، اس کے لیے ان کے سامنے چند سوالات رکھے جاتے تھے۔

اس پروگرام کی ایک مجلس میں بچوں کو ادب سکھانے کا موضوع زیر بحث تھا، اس دوران میں ایک ماں ٹی، وی کی سکرین پر اپنے بچے کو سن رہی تھی، جو بہت ہی برے انداز سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ اپنے بیٹے کی باتوں کو سن کر ماں بہت پریشان ہوئی، چنانچہ بیٹا جب گھر آیا تو ماں نے جلدی سے کہا:

کیا میں نے کسی بھی دن تیری روزانہ کی جیب خرچی کو سزا کے طور پر روک لیا تھا؟

بیٹا: نہیں، کبھی نہیں۔

کیا میں نے تجھے کبھی پورا دن کمرے میں بھی بند کر کے رکھا تھا؟

بیٹا: ہرگز نہیں۔

کیا میں نے تجھے کبھی کہا تھا کہ میں تجھے سینما سے روک دوں گی کہ تو شرارتیں کرتا ہے؟

بیٹا: نہیں، بالکل نہیں۔

تو پھر ٹیلی ویژن کی سکرین پر تو نے یہ کس بنیاد پر کہہ دیا ہے کہ میں نے تیرے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہے؟

بیٹے نے جواب دیا: مجھے یہ سب باتیں لازماً کرنی چاہیے تھیں، وگرنہ پھر مجھے یہ کہنا پڑتا کہ آپ میرے سامنے بہت زیادہ چیختی چلاتی ہیں۔

تہذیب وتربیت اور فہمایش کی تین بنیادیں

تہذیب و تربیت کو مفید اور کارآمد بنانے کے لیے تین بنیادوں کی ضرورت ہوتی ہے، جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

1. نظم وضبط۔
2. فرماں برداری اور قابلِ اتباع نمونہ۔
3. واضح قواعد وضوابط اور خفیہ ترغیب وتحریک۔

ہم ہر ایک بنیاد کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں، تاکہ ہمارے سامنے تہذیب وتربیت کا واضح تصور اور خاکہ نمایاں ہو سکے۔

① نظم وضبط:

بچوں کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ ان کے لیے ہر ایک شَے کی حدود و قیود متعین ہوں۔ اگر ان کی زندگی میں قواعد و ضوابط ناپید کر دیے جائیں، تو وہ خوف، شک اور تذبذب کے احساس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بچے کی زندگی میں خاص طور پر اس کے ابتدائی سالوں کے دوران میں نظم و ضبط کا ہونا انتہائی لازمی شَے ہے۔ نظم و ضبط کے لیے بنیادی قدم کے طور پر سب سے پہلے بچے کے سامنے عملی شکل میں نظم و ضبط کے مفہوم کو واضح کیا جائے اور ان کے لازمی تقاضوں کی بھی وضاحت کی جائے، جو بچے سے مطلوب ہوتے ہیں۔

بچہ ہمیشہ اپنے اس والد یا والدہ کا حد درجہ قدر دان ہوتا اور اس کا احترام بجا لاتا ہے، جو قوانین وضوابط کی نشاندہی کرے اور یہی احترام وتکریم ہی دوسری

بنیاد (قابل اتباع نمونہ اور فرمانبرداری) کی طرف راہنمائی کرتا ہے، اسی طرح بچہ اس شخص سے نفرت وکراہت اور کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اور اس کے احترام سے انکار کر دیتا ہے، جو اسے ہر قسم کے قاعدہ وقانون سے آزاد کر دیتا ہے۔

بچہ اپنے والدین کی طرف سے اس کے کسی غلط رویے کے متعلق کی جانے والی سرزنش و ملامت کو اور ان کی دخل اندازی یا ناراضی کو، ان کی جھڑکیوں، دھمکیوں اور چیخنے چلانے کی نسبت زیادہ احترام دیتا ہے، جب کہ اس کا وہ رویہ نظم وضوابط یا واضح معیارات کی بنیاد پر استوار نہ ہو۔

نظم وضبط سے آراستہ زندگی بچے کی ایک با اختیار قانونی اتھارٹی کی طلب کو پورا کرتی ہے، جو اس کے معاملات اور رویوں کو متوازن، مربوط اور معتدل بنائے۔ قوانین وضوابط کی اہمیت کو ایک بچے نے یوں اجاگر کیا ہے، وہ کہتا ہے:

"ایک دن ہمارے پاس ہماری کلاس روم میں ایک قائم مقام ٹیچر آئیں اور آتے ہی اس نے ہمیں جو مرضی آئے کرنے کی کھلی اجازت دے دی، مگر ہمیں اس کی یہ بات بالکل ہی اچھی نہ لگی۔"

بچے اس وقت غلطیوں اور پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، جب انھیں کسی ایسے کام کی اجازت دے دی جائے، جسے وہ خود غلط تصور کرتے ہوں۔

نظم وضبط کا مطلب یہ ہے کہ ان قوانین کو متعین اور واضح کر دیا جائے، جن کی پیروی اور پاسداری مطلوب ہوتی ہے۔ یہ عمل بھی موثر تربیتی ذرائع کو روبہ کار لانے کا مقتضی ہوتا ہے، جو کسی قسم کی سختی، تشدد یا ایذا دہی کے بغیر اور قطعی وحتمی اور احتیاط پر مبنی ہو۔

اہم ترین ملاحظہ:

بلاشبہہ نظم وضبط سے معمور زندگی بچے کی ذاتی اور تربیتی ضرورت ہے،

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ قوانین وضوابط اور حدود و قیود بچے کا گلا گھونٹنے کا سبب نہ بن جائیں، جو اس کی صلاحیتوں کو محدود کر دیں اور اسے قانونی دفعات کا اسیر بنا دیں، جو بالآخر اسے دوسروں کے بھروسے پر زندگی والی شخصیت بنا دیں۔

ہم تو ایسے قواعد وضوابط چاہتے ہیں، جو اس کی روانی اور حریت کے لیے معاون ثابت ہوں، اس کی ذہانت اور انفرادیت و جدت کو ترقی دینے اور اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو نمایاں کرنے اور ان کو فروغ دینے میں اپنا مثبت کردار ادا کریں۔

کیا وہ تدبر نہیں کرتے؟

ایک استاد نے مچھلیوں کی افزائش کے لیے ایک بہت بڑا مچھلی گھر خریدا اور اسے پانی کے ساتھ پورا بھر دیا۔ گھریلو مچھلیوں کے لیے مناسب درجہ حرارت قائم کرنے کے بعد اس نے اس کے اندر کچھ مچھلیوں کو چھوڑ دیا، پھر کیا دیکھتا ہے کہ یہ مچھلیاں اس مصنوعی تالاب کے اندر عجیب وغریب حرکات کرنے کے بعد صاف و شفاف حوض کے درمیان میں بالکل ساکت اور جامد ہو کر اکٹھی ہو جاتی ہیں اور کسی بھی قسم کی حرکت سے انکار کر دیتی ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد استاد نے حوض کی گہرائی میں رنگین پتھر ڈال دیے، پھر کیا تھا کہ وہ مچھلیاں پوری آزادی کے ساتھ متحرک ہو جاتی ہیں، یہ اس لیے ہوا کہ رنگین پتھروں نے پانی کی گہرائی کی نشاندہی کر دی تھی، جس کے ذریعے سے مچھلیوں کو پانی کی حدود کا ادراک ہوا اور وہ بڑے سکون کے ساتھ اس کے اندر حرکت کرنے لگیں۔

② فرماں برداری اور قابلِ اتباع نمونہ:

ہم نے پہلی بنیاد کے متعلق بیان کر دیا ہے اور وہ ہے ''نظم و ضبط'' جو

ایسے قواعد وضوابط کا نام ہے، جو بچے کے رویوں میں نکھار پیدا کرتے اور اس کے عمومی معاملات کے لیے دائرہ کار کو متعین کرتے ہیں، دوسری بنیاد، جس پر بچے کی اصلاح وتربیت کا مدار ہے، وہ ہے فرماں برداری اور قابلِ اتباع نمونہ۔

بچہ صرف اپنے آئیڈیل اور نمونے کی پیروی کرتا ہے:

پیروی اور نقالی بچے کی بنیادی اور فطرتی خاصیت ہے، اس اعتبار سے کہ بچہ اپنے اکثر رویے اعلیٰ اخلاقی اقدار اور بنیادی اصول وقواعد دوسروں کی پیروی کے ذریعے ہی سے اختیار کرتا ہے۔ اگر ہم یہ کہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ بچہ ایک اسفنج کے ٹکڑے کی طرح ہوتا ہے، جو اپنے اردگرد کے پانی کو چوس لیتا ہے کہ وہ اپنے گردو پیش سے متاثر ہو کر ان حرکات وسکنات کی متابعت کرتا ہے۔

بچہ جب اپنی عمر کے ساتویں سال میں قدم رکھتا ہے تو وہ اپنے رجحانات ومیلانات کو اور اپنے پروگراموں کو ستر (70) فیصد تک تشکیل دینے لگتا ہے، اسی وقت ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گرد وپیش سے کس حد تک متاثر ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ''حدیث الفطرہ'' میں اسی حقیقت پر طرف مطلع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

«أَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ» [1]

''اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

بچہ صرف اسی شخص کی پیروی کرتا ہے، جس سے وہ محبت کرتا ہے یا جو اسے پسند ہوتا ہے:

ماں باپ کو چاہیے کہ وہ بہتر سلوک اور اچھے طرزِ عمل کا اظہار کریں،

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1319] صحيح مسلم، رقم الحديث [2658]

عمارت کو ڈھا دیتا ہے۔ اس صورتِ حال کا زیادہ شکار وہ بچے ہوتے ہیں، جو مربیوں کے بے سوچے سمجھے غلط رویے کی وجہ سے ایک ہی کھٹلے میں اخلاقی زوال وانحطاط کے گرداب میں پھنسے نظر آتے ہیں۔

اتباع و پیروی بچے کی ذاتی ضرورت ہوتی ہے:

ہر بچہ اپنی نشو و نما اور تعلیم و تربیت کے لیے ایک پیشوا اور راہنما کا محتاج ہوتا ہے، اس کے لیے وہ اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو اپنا قائد بنا لیتا ہے۔ بچوں کی یہ ذاتی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب ترین شخصیات کی مشابہت اختیار کریں، ان کی تعظیم و توقیر بجا لائیں اور اپنی وضع و قطع اور رہن سہن میں ان کی مکمل نقالی کریں۔

بچوں کی اس ذاتی ضرورت کے پیش نظر ہمارے اوپر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنی اولاد کے سینوں میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو، آپ ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے حیا اور وقار کو اور دیگر انبیاے کرام علیہم السلام کی شخصیات کو، اس کے علاوہ اپنی اسلامی تاریخ کے کامیاب ترین نمونوں کو واضح کر دیں۔ اپنی اولاد کے سامنے کامیاب شخصیتوں کے کارنامے ضرور رکھنے چاہییں، تاکہ انھیں اپنی زندگی میں کامیابی کے طریقوں کے متعلق آگاہی حاصل ہو جائے۔

آپ اپنے بچے کے لیے بہترین نمونہ بن جائیں:

مسلم علماے تربیت نے اس امر پر بڑا زور دیا ہے کہ استاد اور مربی کو قابلِ اتباع نمونہ ہونا چاہیے، ایسا نیک نمونہ، جس کی اولاد اور شاگرد پیروی کریں، اس سلسلے میں امام اصمعی رحمہ اللہ نے امام ابو الاسود الدولی کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

يا أيها الرجل المعلم غيرهٗ
هلا لنفسك كان ذا التعليم؟

''دوسروں کو تعلیم دینے والے انسان! یہ تعلیم خود آپ کی ذات کے لیے ضروری کیوں نہیں ہے؟''

تصف الدواء لذي السقام و ذي
الضنا كيما يصح به و أنت سقيم

''آپ بیماری اور دائمی مریضوں کی صحت کے لیے تو دوا تجویز کرتے ہیں، مگر آپ تو خود ہی بیمار ہیں۔''

و نراك تصلح بالرشاد عقولنا
أبدا وأنت من الرشاد عديم

''ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہمیشہ سے ہی ہماری عقلوں کو ہدایت کے ذریعے سے درست کرنے میں لگے ہیں، مگر آپ خود اس ہدایت سے عاری ہیں۔''

ابدأ بنفسك فإنهها عن غيِّها
فإذا انتهت عنه فأنت حكيم

''سب سے پہلے تو آپ اپنے نفس کو گمراہی سے منع کریں، جب وہ باز آجائے تو پھر آپ یقیناً دانا ہوں گے۔''

③ واضح قواعد وضوابط اور خفیہ ترغیب وتحریک:

تہذیب و تربیت اور فہمائش کی تیسری بنیاد، واضح قواعد و ضوابط اور پوشیدہ ترغیب وتحریک کی شکل میں ہوتی ہے، جو نظم ونسق اور نمونہ و آئیڈیل کی تکمیل کرتی ہے۔

خفیہ ترغیب وتحریک سے مراد وہ رویے، طور طریقے اور نفسیاتی جذبات و احساسات

ہوتے ہیں، جو خاندان کی زندگی میں موجود ہوتے ہیں، جو براہِ راست بچے کی طرف سعادت اور خوش نصیبی کے مضبوط ترین بندھن کو منتقل کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسے نیک بختی کے جواہر کے ساتھ لبا لب بھر دیتے ہیں۔ کامیاب باپ وہ ہوتا ہے جو بڑی مہارت کے ساتھ ایسے مثبت اور بالواسطہ پیغامات مہیا کرتا رہے، جو بچے کی شخصیت کی تعمیر و اٹھان میں بنیاد کا کام دیں اور ظاہری تربیت کے ساتھ وہ خفیہ ترغیب وتحریک کا دائمی محرک بنے رہیں۔

پوشیدہ ترغیب وتحریک کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ بچے کے دل میں بلند ہمتی، کامیابی کی چاہت، فیصلہ ساز قوت، حدود و آداب کے تحت اختیارات کی آزادی، ذاتی دفاع اور اپنی ذاتی خوشیوں کی حفاظت کے جواہر کو پیوست کر دیا جائے۔

خفیہ ترغیب وتحریک کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بچے کو مطمئن اور آسودہ کر دیا جائے اور ذاتی ترغیب وتحریک کے عمل کے دوران میں اس کے اندر شاندار مقاصد اور مفید و مثبت صفات کو عام کر دیا جائے۔

خفیہ ترغیب وتحریک کی دس مثالیں

① تشریف لائیے! اے ذہین وفطین بچے!
② سمجھدار بچے! تم نے واقعی اچھا کیا ہے۔
③ ماشاء اللہ! آپ تو تخلیق کار ہیں!
④ تم کتنے سمجھدار اور حاضر دماغ ہو اور تمھاری سنجیدگی اور متانت کتنی شاندار ہے!
⑤ تم تو اپنی تعلیم میں سب سے نمایاں ہو۔
⑥ میرے بیٹے کی فہم وفراست تو بے مثال ہے۔
⑦ میرا بیٹا تو ہر وقت اپنے ماں باپ کی ہدایات پر توجہ مبذول رکھتا ہے۔
⑧ میرا بیٹا اپنے رب کا فرماں بردار اور نیک بچہ ہے۔
⑨ میرا بیٹا صاف ستھرا اور سلیقہ مند ہے۔
⑩ میرے بیٹے کا طرزِ عمل تو سمجھدار لوگوں جیسا ہے۔

اسی طرح خفیہ ترغیب کا یہ عمل ماں باپ کی جسم بولی سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔ مسلسل اور دائمی مسکراہٹ بھی بچے کو بھرپور اور مضبوط ترین سکون اور اطمینان کا پیغام مہیا کرتی ہے اور اسے دلی سکون اور اطمینان کی بیش بہا دولت سے آشنا کرتی ہے۔ اس کے برعکس منفی قسم کے اندازِ گفتگو یا منفی جسم بولی سے بچے کو غلط پیغام ملتا ہے۔ ''تو غبی ہے'' اور ''تو تو نرا باغی ہے'' جیسے منفی قسم کے اوصاف چسپاں کرنے سے بچہ عملی طور پر ایک غبی اور احمق انسان کی صورت اختیار کر لیتا ہے، کیونکہ بچے کی زندگی میں مسلسل اس طرح کے پیغامات سے اس کے پاس

مضبوط ترین اقرار وتسلیم کے علاوہ اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح بچے کے سامنے حد سے زیادہ چیخنے چلانے سے بچے کو بے قراری اور بے چینی کا پیغام ملتا ہے، جو اس کے دل کے سکون و اطمینان کو اور اس کے جسم کی آسودگی کو سلب کر لیتا ہے۔

واضح لائحہ عمل:

واضح لائحہ عمل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچے کے مستقبل کو آراستہ کیا جائے، ابتدائی پانچ سالوں کے دوران ہی میں بچے کے رویے ستر (70) فیصد کی حد تک درست ہو جاتے ہیں، لہٰذا بچے کی عمر کا ابتدائی بچپنی کا دور اہم ترین مرحلہ شمار ہوتا ہے، اس پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

واضح لائحہ عمل کی تکمیل درج ذیل اشیا سے ہوتی ہے:

① زبان:

روزمرہ کی استعمال ہونے والی زبان بچے کی شخصیتی اور اس کے ذاتی وعقلی لائحہ عمل کے لیے معاون کا رول ادا کرتی ہے، لہٰذا اس کے ساتھ ہمیشہ مثبت انداز سے گفتگو کی جانی چاہیے۔

② تکرار:

اپنے مقصد کو براہِ راست یا بالواسطہ کلام سے، عمدہ برتاؤ، اچھی تربیت اور حوصلہ افزائی کے ذریعے سے بچے کے ذہن میں پیوست کر سکتے ہیں اور یہ طریقہ اس کے لیے مضبوط لائحہ عمل کو اختیار کرنے کا باعث بنے گا۔

③ احساس اور جذبہ:

بچے کے گہرے جذبات اور احساسات بھی بڑی حد تک بچے کے لائحہ عمل

کی تشکیل وتعمیل میں مددگار ہو سکتے ہیں، وہ اس طرح کہ بچے کے اندر مفید اور مثبت اشیا کے ساتھ محبت اور دلچسپی پیدا کر دی جائے اور نقصان دہ اشیا کے متعلق اس کے اندر دلی نفرت وکراہت کو ابھارا جائے۔

بچے کی احساس کی صلاحیت کو مکمل کرنے کے لیے زبان، اصرار و تکرار کے ساتھ تمام ترحسی، سمعی اور بصری وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔

④ تجربہ اور تربیت:

بچے کو تربیت دینے اور اس کو اپنی بچپنی کی زندگی کو گزارنے کے لیے مناسب ماحول فراہم کرنے اور اس کے لیے سہولت کے مواقع دیتے رہنے سے خود بخود اسے بہت سارے اچھے رویوں کو سیکھنے اور پرکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

نماز مثبت لائحہ عمل کا نمونہ

بچے کے لائحہ عمل میں نماز کو داخل کرنے کے لیے مناسب طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کے سامنے نماز کی طرف رغبت دلانے اور اس کے شوق کو ابھارنے والی گفتگو کریں۔ نماز کے موضوع کو بار بار اپنی بات چیت اور مکالمے کا لازمی حصہ بنائیں، اس طرح سے بچے کے دل میں نماز کی محبت کو اجاگر کریں، اس کے لیے تربیت، ٹریننگ اور حوصلہ افزائی کے تمام وسائل کو استعمال کریں۔ یہ کام تین سے لے چار سال تک کی عمر میں جاری رکھا جائے، یہاں تک کہ اس کا لائحہ عمل مضبوط ہو جائے۔

یہ انداز ہمیں اس عظیم ترین ہستی سے ملا ہے، جسے دنیا سب سے بڑا معلم و مربی تسلیم کرتی اور جانتی ہے، یعنی نبی کریم ﷺ۔ آپ ﷺ نے ہمیں اپنے سات سال کے بچوں کو نماز کی تعلیم دینے کا حکم دیا ہے اور ایسے ہی بچوں کو آپ ﷺ نے بشارت عطا فرمائی ہے، تاکہ ان کے احساسات و جذبات کو مضبوط بنیاد مہیا ہو سکے۔

① محبت اور جذبے کی تعمیر:

رسول اکرم ﷺ نے ان بچوں کو خوشخبری دی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا مِنْ نَاشِئٍ يَنْشَأُ فِي الْعِبَادَةِ حَتَّى يُدْرِكَهُ الْمَوْتُ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ أَجْرَ تِسْعَةٍ وَ تِسْعِيْنَ صِدِّيْقاً»

”جو بچہ عبادت کے سائے میں پروان چڑھتا اور نشوونما حاصل کرتا ہے اور مرتے دم تک اسی حالت پر قائم رہتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ ننانوے (99) صدیقوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔“

اس روایت کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

② زبان:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«مُرُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعٍ، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرٍ»[1]

”اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور نماز کی وجہ سے دس سال کی عمر میں انھیں سزا دو۔“

زبان کے اندر نماز کی مخصوص دعائیں، اذان اور قرآن بھی شامل ہو جاتے ہیں، جن کی بچوں کو تعلیم اور تلقین کی جاتی ہے۔

③ تکرار:

تعلیم کی مضبوطی اور استحکام کے لیے مسلسل اصرار، پے در پے تکرار اور عادت بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جلیل القدر صحابی رسول، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«حَافِظُوْا عَلَى أَبْنَائِكُمْ فِي الصَّلَاةِ وَعَوِّدُوْهُمُ الْخَيْرَ فَإِنَّ الْخَيْرَ عَادَةٌ»

”نماز کے معاملے میں اپنے بچوں کی خوب نگرانی کرو اور انھیں خیر و بھلائی کا عادی بناؤ، اس لیے کہ بھلائی بھی از خود عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔“

---

① سنن الدار قطني [330/1]

④ تربیت اور تجربہ:

بچے کو اپنے ساتھ مسجد میں لے جانے، اسے نماز کی تربیت دینے اور اس پر اس کی مسلسل حوصلہ افزائی کرتے رہنے سے بچے کو اپنی زندگی کے لائحہ عمل میں نماز کو داخل کر دینے کی اچھی تربیت ملتی ہے۔

کسی بھی لائحہ عمل کی تشکیل کے لیے کتنی مدت درکار ہوتی ہے؟

بچے کے لیے مثبت اور مفید لائحہ عمل کی تیاری ایک وقت کی محتاج ہوتی ہے، جو تعلیم، تربیت حوصلہ افزائی اور نگرانی کے تین سالوں سے کم نہیں ہو سکتی۔ یہ بات اسکیم سازی کے علم و تجربے سے ثابت شدہ ہے اور اس سے بھی پہلے رسول اللہ ﷺ نے نماز کی حدیث میں اس کی توثیق فرما دی ہے۔

اس میں ماں باپ کے لیے انتہائی شاندار سبق موجود ہے، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تربیتی عمل ایک وقت کا اور سوچی سمجھی گہری نگرانی کا محتاج ہوتا ہے، اس کے بعد ہی ہم بچے کا محاسبہ کر سکتے ہیں۔

اچھی اور عمدہ تادیب کے عام اصول

1. تربیت کے لیے درمیانی راستہ اختیار کیا جائے۔
2. مشکلات کے حل کے لیے بچے کو شریک کیا جائے اور اس کی رائے لی جائے۔
3. تہذیب سے مقصود بچے کی معاملات میں اچھی تدبیر و انتظام کی تربیت ہونا چاہیے۔
4. باتوں پر تھوڑی اور کام پر زیادہ توجہ دی جائے۔
5. والدین کی تعظیم و تکریم کو فروغ دیا جائے۔
6. اولاد پر مثبت انداز سے نگرانی اور کنٹرول رکھا جائے۔
7. محبت اور نگرانی میں اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔
8. حد سے زیادہ مادیت پرستی سے اجتناب کیا جائے۔
9. ہدایات اور نصیحتوں کی حکمت وعلت بیان کی جائے۔
10. اعلیٰ اخلاقی اقدار اور شاندار معیار کی تعمیر کی جائے۔
11. پوشیدہ اور مہمل احکامات کے بجائے واضح ہدایات کو استعمال کیا جائے۔
12. عمومی احکامات کے بجائے متعین ہدایات دی جائیں۔
13. ہر موقع پر سزا کو نہ اختیار کیا جائے۔

① تربیت کے لیے درمیانی راستہ اختیار کیا جائے:

تعلیم و تربیت اور تادیب کے لیے بنیادی اصول یہ ہے کہ ماں باپ تربیت کے حوالے سے درمیانی راستہ اختیار کریں، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ والدین

جہاں ایک اعتبار سے سخت مزاجی، بے رحمی اور تحقیر و تذلیل سے احتراز کریں، وہاں وہ دوسرے اعتبار سے حد درجہ سہل انگاری اور چشم پوشی سے بھی اجتناب کریں۔

تربیت و اصلاح کے عمل میں سخت مزاجی کی وجہ سے بچوں کی نشو و نما اس انداز سے ہونے لگتی ہے کہ وہ اپنی ذات میں سمٹاؤ، شرمندگی اور معاشرتی خوف جیسی نفسیاتی مشکلات اور بے قراری پر مبنی رویوں سے دو چار ہو جاتے ہیں اور یہی بچے نفسیاتی تشخیص و علاج کے دوران میں اپنی ان تمام مشکلات کے پس منظر میں اپنے بچپنی کے مظالم کو اور دیگر ناکامیوں کو موجود پاتے ہیں۔

حد سے زیادہ نرمی کہ بچے کو چھوٹ دے دینا کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ ہر قسم کے قاعدے قانون، حدود و قیود اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے یکسر لاتعلق ہو جاتا ہے اور وہ خود بخود معاشرے کے ساتھ گھل مل جانے کی صلاحیتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔

② مشکلات کے حل کے لیے بچے کو شریک کیا جائے اور اس کی رائے لی جائے:

جن ذرائع اور اسباب کے استعمال سے بچے کے سلوک اور مثبت رویے کو تعمیر کیا جا سکتا ہے، وہ یہ ہیں کہ بچے کے ساتھ معاملات اور برتاؤ کی راہوں کو تلاش اور پھر انھیں استعمال کیا جائے، اس کے لیے مخصوص حدود کار کو متعین کر دیا جائے اور اپنے ہاں جو اس کی قدر و قیمت ہے، اس کا پیغام اس کے دل تک پہنچایا جائے۔

بچے کی تہذیب و تربیت کا اور اس کی قدر و قیمت کے پوشیدہ احساس کو نصب العین بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے جن مشکلات کا سامنا ہے، ان کا حل تلاش کرنے کے لیے اسے بھی شریک کیا جائے اور اس سے مکالمہ کیا جائے، اس لیے کہ اس کو اپنی قدر و قیمت کا اور اسے اپنی پیش کردہ رائے کے متعلق بڑوں کی طرف سے ملنے والے اعتماد کا جو شعور اور احساس ملے گا، یقیناً وہ

اس کی تہذیب و تربیت میں بہت ہی بہتر وسیلہ ثابت ہو گا۔

بچہ یہ سیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے کہ وہ اپنے والدین کی رضا، رائے اور ہدایات کی روشنی میں اپنی شخصی رائے کا کس طرح اظہار کرے، اپنی مشکلات کو کس طریقے سے حل کرے اور وہ اپنی خوشیوں اور غمیوں کا کس انداز سے سامنا کرے، بایں طور کہ وہ کلی طور پر بڑوں پر ہی بھروسا کرنے والا بھی نہ بنے۔

③ تہذیب سے مقصود بچے کی معاملات میں اچھے تدبیر و انتظام کی تربیت ہونا چاہیے:

تہذیب و تربیت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ بچے کو اچھے سلوک اور عمدہ رویے کی صلاحیت حاصل ہو جائے اور اسے اپنے آپ پر مکمل کنٹرول اور اپنی شخصیت کے منافی عادات و خصائل پر غلبہ نصیب ہو جائے، اس لیے کہ بچے کو اچھی عادات و خصائل کی تعلیم و تربیت دینے اور اس کے ساتھ وابستہ کر لی گئی اپنی امیدوں کی پختہ تیاری کے دوران میں اس کے سدھار ونکھار اور اصلاح کو ملحوظ رکھنا بہت ہی اچھا ذریعہ ہے اور اسی طریقے سے بچے کو مختلف انداز کی ہدایات کے ذریعے سے نامناسب رویوں سے بچنے کی تیاری کرائی جائے۔

پختہ تیاری کے ذریعے ہی سے آپ کو اپنے بچے کے ساتھ باہمی معاملات کی صلاحیت حاصل ہو سکتی ہے، اسی طرح پختہ تیاری اور چوکسی کا یہ بھی تقاضا ہے کہ آپ کے پاس ایسا مفید اور موثر منصوبہ اور صلاحیت بھی ہونی چاہیے، جو بچے کے غلط رویوں سے نمٹنے کے لیے کارآمد ثابت ہو سکے۔

④ باتوں پر تھوڑی اور کام پر زیادہ توجہ دی جائے:

مختلف موضوعات پر لمبی لمبی باتوں سے بچہ عدمِ توجہی کی طرف مائل ہوتا

ہے، اسے کلام سننے سے بیزاری اور والدین کے ساتھ گفتگو کے دوران میں دائمی اکتاہٹ کا احساس لاحق ہونے لگتا ہے، لہٰذا اکثر اوقات باتوں سے زیادہ عملی اقدامات پر توجہ دینی چاہیے۔

تصور کریں آپ اپنے بچے کو کھیلوں کے پارک میں لے جاتے ہیں، اس دوران میں آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کا بچہ کسی ناپسندیدہ کام پر اصرار کرتا ہے تو آپ اسے دو مرتبہ تنبیہ کریں۔ اگر وہ باز نہیں آتا، تو پھر آپ اپنی سیر کو ختم کر دیں اور پارک سے باہر نکل آئیں۔ جب بچہ اپنے سابقہ رویے پر نادم ہو جائے اور اپنے ناپسندیدہ رویے پر اپنی ندامت کے اظہار اور آیندہ کے لیے اچھے رویے کو اختیار کرنے پر مستعد نظر آئے، تو آپ اس کو اس کا موقع دیں اور اس سے وعدہ لیں۔ یہ ہے بچے کی اصلاح کا عملی طریقہ، نہ کہ چیخا چلایا جائے، یا کہ بے رحمی اور سختی اختیار کی جائے۔

⑤ والدین کی تعظیم و تکریم کو فروغ دیا جائے:

بچہ اپنے والدین کی طرف سے کی گئی اصلاح و فہمایش کو قبول کرتا، ان سے اچھا طرزِ عمل سیکھتا اور ان سے عمدہ اخلاق و آداب کو حاصل کرتا ہے، یہاں تک کہ بچے کے دل میں اپنے ماں باپ کا ادب و احترام بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔

کسی شخص کا احترام اور ادب ہی انسان کو اس سے محبت پر آمادہ کرتا ہے، پھر اس کی اقتدا اور اس کی طرف مائل کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ہر ماں باپ کی تمنا و آرزو بھی یہی شے ہوا کرتی ہے۔

ایک ماہر نفسیات ''ڈوبسون'' کہتا ہے:

''اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ سنِ بلوغت کے بعد آپ کے اقدار و اخلاق کا پیروکار بنے، تو پھر آپ پر لازم ہے کہ اسے اس کی

صغر سنی میں احترام و توقیر سے نوازیں۔"

ماں باپ اپنی اولاد کی طرف سے جتنا زیادہ بے احترامی کا شکار ہوں گے، اتنا ہی زیادہ اولاد کے متعلق ان کے اصول و افکار اور پند و نصائح بے قدر و قیمت ہوں گے۔

⑥ اولاد پر مثبت انداز سے نگرانی اور کنٹرول رکھا جائے:

بچوں کی صرف اتنی ہی چاہت نہیں ہوتی کہ ان کا باپ اپنی پدری شفقت کا اور ان کی ماں اپنی ممتا کی محبت کا اظہار صرف جذبات و احساسات، محبت اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کی حد تک کر دیں، بلکہ انھیں ان کی طرف سے انتہائی ضروری نگرانی کی بھی حاجت ہوتی ہے، جس کے تحت وہ زندگی کے سلیقے، پسندیدہ اور ناپسندیدہ، حق اور باطل اور صحیح و غلط کے معیارات کو سیکھتے ہیں، یہ نظم و ضبط اور قیادت و سیادت کی نگرانی ہے۔ حاوی ہو جانے، چھا جانے اور سختی کے ساتھ گرفت میں لے لینے والی نگرانی نہیں ہے۔ ایسی ہی مثبت نگرانی بچے کو توازن اور اطمینان کی دولت سے آشنا کرتی اور اسے مکمل اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کے لیے حدود و قیود اور آداب و اصول سے آگاہ کرتی ہے۔

غرض کہ ماں باپ کی نگرانی ضروری شَے ہے، مگر یہ سخت مزاجی، تشدد و زبردستی یا چیخنے چلانے کی شکل میں نہیں ہونی چاہیے۔

⑦ محبت اور نگرانی میں اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے:

بچے کی اصلاح کے لیے یہ اصول انتہائی بنیادی نوعیت کا ہے، یعنی ماں باپ کی نگرانی کا عمل مثبت انداز کا ہونا چاہیے، نہ کہ حد اعتدال کے منافی، اس لیے کہ انتہا پسندی کی طرف مائل نگرانی بچے کی ذلت و تحقیر کو مضبوط، اس کے

حوصلوں کو ناکام اور اس کی تمام صلاحیتوں کو دفن کر کے رکھ دیتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ دائمی خوف اور دہشت کا شکار ہو جاتا ہے، اس کا سبقت اور پہل کرنے کا جذبہ اپنی موت آپ مر جاتا ہے، وہ ہمیشہ ذلت و پستی اور ماتحتی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے، بالآخر وہ قیادت و راہنمائی کا منصب نہیں پا سکے گا اور طاقت اور تسلط کی زبان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیا کرے گا۔ اس طرح کا حد سے بڑھا ہوا اور ظالمانہ کنٹرول یقیناً بچوں کو ہر لحاظ سے بے زور کر دیتا ہے۔

جب کہ اس کے برعکس، حد سے زیادہ محبت اور انتہا درجے کہ بچے کو کسی بھی قسم کی نگرانی و نگہبانی سے آزاد کر دیا جائے، سے بھی بچے کا رویہ بگڑ جاتا ہے، اس کا توازن اوجھل ہو جاتا ہے اور اسے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے اصول و آداب سے محروم ہونا پڑ جاتا ہے۔

⑧ حد سے زیادہ مادیت پرستی سے اجتناب کیا جائے:

کچھ والدین کا یہ خیال ہے کہ بچوں کی اچھی تربیت اور ان کی عمدہ نشوونما کے لیے یہ طریقہ سب سے زیادہ موزون ہے کہ ان کو تحفے تحائف، کھلونوں اور دیگر سامانِ عیش کی شکل میں بھرپور مادی وسائل مہیا کر دیے جائیں۔ لیکن وہ یہ حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ مادی وسائل کی کثرت و بہتات سے بچے ان انسانی رشتوں کی حلاوت اور مٹھاس سے عاری ہو جاتے ہیں، جو ان کے اور ان کے والدین کے درمیان موجود ہوتے ہیں اور وہ عیش و عشرت اور خوشحال زندگی کے عادی بن جاتے ہیں، اس کے علاوہ وہ خود اعتمادی، نمایاں انفرادی شان اور درست فکر و سوچ کے مطالب و معانی سے بھی ناواقف ہو جاتے ہیں۔

غرض کہ مادی اشیا میں محویت کی وجہ سے بچے عملاً بہت ساری دوسری نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

⑨ ہدایات اور نصیحتوں کی حکمت وعلت بیان کی جائے:

بڑوں کو صرف اپنے حسنِ سلوک اور خوبصورت برتاؤ پر ہی اکتفا نہیں کر لینا چاہیے، بلکہ انھیں حقیقت کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ بچوں کو ''اچھے'' اور ''خوبصورت'' کے مطالب جاننے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ''حسن و جمال'' کی معرفت کے طلب گار ہوتے ہیں، نیز وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم ان سے جو کچھ بھی چاہتے ہیں، اس کے متعلق ان کو مکمل طور پر مطمئن بھی کریں۔

لہٰذا اچھی تہذیب و تربیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اچھی، بری، مفید اور نقصان دہ اشیا کے متعلق کی گئی اپنی نصیحتوں کی پوری طرح وضاحت کریں اور بہترین مکالمے کے ذریعے سے ان کو مفید اشیا کے حصول کے لیے اور نقصان دہ امور سے اجتناب کا ایک لائحہ عمل تیار کر کے دیں۔

بچوں کی طرف سے تعمیل اور اطاعت کا مرحلہ عام طور پر تعلیم و تربیت، مسلسل تشریح و وضاحت، خوبصورت اور عمدہ جمالیاتی ذوق، مفید اشیا و اعمال کے شعور و ادراک اور معیوب و مکروہ امور سے نفرت و کراہت کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، ان تمام مراحل کے بعد ہی ہم اپنے بچوں کے اندر عمدہ جمالیاتی حس کے علاوہ ایسی استعداد اور مہارت پیدا کر سکتے ہیں، جس کے ذریعے سے وہ حق اور باطل، خوبصورت اور بدصورت اور مفید اور مضر اشیا کے مابین فرق کرنے کی صلاحیت کو دیکھ سکتے ہیں۔

جمالیاتی تربیت بعینہٖ اسلامی تربیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت میں اس پر خاص توجہ دی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ»

''جس شخص کے بال ہوں، اسے چاہیے کہ وہ ان کی تکریم کرے، (یعنی ان کی خوب نگہداشت کرے)۔''

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں زینت اور خوبصورتی کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ [الأعراف: 32,31]

''اے اولادِ آدم! ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو، یقیناً وہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، آپ کہہ دیجیے کہ یہ اشیا ایمان داروں کے لیے دنیا کی زندگی میں ہیں، (اور) قیامت کے دن تو خالص (انھی کے لیے ہوں گی) ہم اسی طرح کھول کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

⑩ اعلیٰ اخلاقی اقدار اور شاندار معیار کی تعمیر کی جائے:

بعض اوقات بڑوں کے مقاصد و مطالب کو ان کی فوری ہدایات اور احکامات کے پیشِ نظر قبول تو کر لیتا ہے، مگر اس طرح کہ اس کو ان احکامات کی قدر و قیمت کا پتا چلتا ہے اور نہ اسے ان کے معیار کا علم حاصل ہوتا ہے، ماسوا اس امر کے کہ وہ چھوٹا ہے اور اطاعت و فرماں برداری اس کی ذمے داری ہے۔

جس بچے کی نشوونما اسی انداز پر ہوتی ہے، وہ بے راہروی کی طرف جلدی

مائل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ہم نشینوں کے اور اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے، چاہے وہ کتنی ہی اخلاقی گراوٹ کا شکار ہی کیوں نہ ہوں۔

اس کے متبادل مثبت تربیتی و اصلاحی طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ذاتی معیارات فراہم کریں، جو خود ان کے ذاتی اطمینان اور دل جمعی سے پھوٹتے ہوں اور جو ان کے قبول اور انکار کے دونوں رویوں کے ساتھ ہمیشہ موجود رہیں۔

ہمیشہ واضح اور مدلل ہدایات کے ذریعے ہی سے بچے کے ذہن میں ایسے معیارات ہوتے ہیں۔ جو اسے مستقبل کے رویوں کی مضبوطی اور استحکام کا باعث بنتے ہیں اور اس کے اندر اپنے گرد و پیش کی اشیا کے متعلق فیصلہ کرنے کی ذاتی و شخصی استعداد کو متحرک کرتے ہیں۔

معیار اور پرکھ ہی بچوں کو صحیح اور غلط کا اور خوبصورت اور بدصورت کا احساس سکھاتا ہے، اس کے علاوہ انھیں اس کے ذریعے سے دوسروں کو سمجھنے اور ان کے احساسات کا خیال رکھنے کا سلیقہ نصیب ہوتا ہے، اس طرح وہ لوگوں کے ساتھ معاملات کے ماہر اور احترام و تکریم کے تمام تر آداب سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔

⑪ پوشیدہ اور مبہم احکامات کے بجائے واضح ہدایات کو استعمال کیا جائے:

ہر انسان کے پاس ایک ذہنی نقشہ ہوتا ہے، جس کی روشنی میں وہ ہر بات کی تشریح کرتا ہے۔ بڑوں کی نسبت بات کو سمجھنے میں بچے کا انداز بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اکثر اوقات بچہ ضد کر جاتا ہے اور حکم ماننے سے انکار کر دیتا ہے، اس لیے کہ وہ مطلب نہیں سمجھ سکا یا وہ اپنی سمجھ کے مطابق اس کی تعمیل کرنے لگتا ہے کہ اس نے ہدایت دینے والے شخص کے مطلب و مفہوم کے بجائے اپنی ذاتی تشریح و توضیح کو اپنے سامنے رکھا ہوتا ہے۔

مثبت اصلاح و تربیت کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ بچے کے سامنے اپنے مقصد کو مکمل وضاحت اور پوری تشریح و تعریف کے ساتھ بجے تلے انداز سے بیان کیا جائے، مثال کے طور آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ اپنے کمرے کو سلیقے اور ترتیب کے ساتھ آراستہ کر دے، تو اس کے لیے آپ کے اپنے ذہن کے اندر ہر شئے کو رکھنے اور مرتب کرنے کا نقشہ ہوتا ہے اور آپ اسی نقشے کے مطابق اس کمرے کی ترتیب کے خواہش مند ہوتے ہیں، جب کہ بچہ آپ کی ہدایت سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ اپنے کھلونوں کو اور دیگر سامانِ ضرورت کو چارپائی کے نیچے یا الماری کے اندر رکھ دے۔

لہٰذا واضح اور متعین انداز کی ہدایات کے ذریعے سے بچے کے ساتھ ربط و تعلق قائم ہوسکتا ہے، اس لیے عمومی انداز کی اور ڈھیلی ڈھالی ہدایات کے بجائے ہمیں مکمل اور واضح ہدایات کو استعمال کرنا چاہیے۔ یعنی اپنے بچے کو ''اپنے کمرے کو ترتیب کے ساتھ سنوار دو'' کے بجائے یوں کہنا چاہیے کہ ''اپنے کھلونوں کو فلاں جگہ پر رکھ دو، اپنی قلم و پنسل وغیرہ کو میز پر رکھو اور اپنے کپڑوں کو الماری میں رکھ دو''۔

⑫ عمومی احکامات کے بجائے متعین ہدایات دی جائیں:

بسا اوقات ہم اپنے بچوں سے عمومی انداز سے بات کرتے ہیں، جس سے ہماری وہ بات نہیں ظاہر نہیں ہوتی جو ہمیں اپنے بچوں سے مطلوب ہوتی ہے۔ لوگوں سے ربط و تعلق میں مہارت اور کمال کی نشانی یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے اپنے مقصد کو متعین کریں اور ان سے اپنی طلب اور خواہش کو واضح طریقے سے بیان کریں، ایسا عمومی انداز جس کے سیاق وسباق میں آپ کے مقصد کا قرینہ تک نہ ہو، بذاتِ خود پیچیدگی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح بڑی اہمیت والے احکامات کو

مہمل انداز سے نہیں بیان کرنا چاہیے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ اس کی تعمیل کے لیے ایک قدم تک اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

پوشیدہ اور مہمل قسم کی ہدایات:

- پرسکون ہو جاؤ۔
- نکلنے کا وقت ہو گیا ہے۔
- محنت کرو۔
- نیک بچے بن جاؤ۔
- نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔
- عبداللہ، احمد اور فاطمہ! تو نے کیا کہا ہے؟

متعین اور واضح ہدایات:

- اپنی جگہ پر باوقار ہو کر بیٹھو۔
- جوتا پہنو، بالوں کو درست کرو اور گاڑی کی طرف چلو۔
- آج کے سبق کو دہراؤ۔
- وضو کرو اور نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔
- وضو کرو اور لباس پہنو۔
- میرے بیٹے یہاں آ جاؤ۔
- اس شور کو بند کر دو۔
- تیری ماں تجھے بُلا رہی ہے۔
- ضرور بات کیجیے۔

⑬ ہر موقع پر سزا کو نہ اختیار کیا جائے:

غلط اور منفی طریقہ تربیت سے بچوں کے ذہن میں یہ بات واضح ہو جاتی

ہے کہ ہر برے رویے کا نتیجہ بالآخر ماں باپ کی طرف سے سزا ہی ہوتا ہے۔
اس طرح کی غلط سوچ سے معاملات بنتے نہیں، بلکہ بگڑتے ہیں اور پھر ہم خود بھی یہ نہیں چاہتے کہ ان بچوں کی ذہنی سوچ یہی بن جائے، جنھیں ہم ایک اچھے اور مفید بچے دیکھنا چاہتے ہیں، مثلاً ایک بچہ جو ماچس کی تیلی کے ساتھ کھیل رہا ہے، اسے یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ ماں باپ کو پتا چل گیا تو وہ سزا دیں گے، بلکہ اسے یہ اندیشہ لاحق ہونا چاہیے کہ ماچس کی تیلی سے کھیلنے کی وجہ سے جسم جھلس سکتا ہے، جس کے نتیجے میں اسے بدصورتی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

جس بچے کی نشوونما اور تربیتی اٹھان ہی اس طرح سے ہوئی ہو کہ وہ جانتا ہو کہ ہر غلطی کا لازمی انجام سزا ہوا کرتا ہے تو وہ اپنے والد کی گاڑی کی تیز ترین ڈرائیونگ کرتے وقت بھی بے پروائی اور عجلت بازی کا شکار ہوسکتا ہے، اس لیے کہ اس کی پوری توجہ اس خیال و اندیشے پر مرکوز ہوگی کہ اس کا والد اس کی تیز رفتار ڈرائیونگ کو دیکھ رہا ہے۔

حالانکہ صحیح تعلیم اور عمدہ اصلاح کے ذریعے سے اس کے ذہن میں یہ بات واضح ہونی چاہیے تھی کہ بے خوف و خطر اور بے پروا ڈرائیونگ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسانی جانوں کو خطرات میں ڈال دیا جائے، دوسرے لفظوں میں اپنے آپ کو اور دوسرے لوگوں کی زندگیوں کو نقصان اور مضرت کے حوالے کر دیا جائے۔

مثبت اصلاح وتربیت کے تیرہ (13) مختصر اصول

١ تربیت کے لیے درمیانی راستہ اختیار کیا جائے۔
٢ مشکلات کے حل کے لیے بچے کو شریک کیا جائے اور اس کی رائے لی جائے۔
٣ تہذیب سے مقصود بچے کی معاملات میں اچھی تدبیر وانتظام کی تربیت ہونا چاہیے۔
٤ باتوں پر تھوڑی اور کام پر زیادہ توجہ دی جائے۔
٥ والدین کی تعظیم وتکریم کو فروغ دیا جائے۔
٦ اولاد پر مثبت انداز سے نگرانی اور کنٹرول رکھا جائے۔
٧ محبت اور نگرانی میں اعتدال کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔
٨ حد سے زیادہ مادیت پرستی سے اجتناب کیا جائے۔
٩ ہدایات اور نصیحتوں کی حکمت وعلت بیان کی جائے۔
١٠ اعلیٰ اخلاقی اقدار اور شاندار معیار کی تعمیر کی جائے۔
١١ پوشیدہ اور مبہم احکامات کے بجائے واضح ہدایات کو استعمال کیا جائے۔
١٢ عمومی احکامات کے بجائے متعین ہدایات دی جائیں۔
١٣ ہر موقع پر سزا کو نہ اختیار کیا جائے۔

اعتماد کے ذریعے سے مثبت اصلاح

بچے کے اعتماد کی چھے (6) خصوصیات:

1. بلند حوصلگی۔
2. خود اعتمادی۔
3. عزت وتوقیر۔
4. ذمے داری کا احساس۔
5. بے آمیز صدق بیانی۔
6. اچھی گفتگو اور ربط وتعلق کی مہارت۔

ہم بچے کے اعتماد کو کس طرح تعمیر کر سکتے ہیں؟

اہم ترین بنیادی عناصر (والدین سے ان پر غور کرنے کی درخواست کے ساتھ)

اولاد کے ساتھ سختی اور شدت کے چھے (6) انداز:

١. بچے کو چلنے پھرنے سے منع کرنا۔
٢. بچے کو ذلیل و رسوا کرنا۔
٣. بچے سے زور زبردستی کرنا۔
٤. اولاد کی رائے کو مسترد کر کے والدین کا اپنی رائے کو مسلط کر دینا۔
٥. بچوں کی فکر وسوچ کو اپنی تشریح کا لباس پہنا دینا۔
٦. دھمکیاں دینا۔ یہ سختی اور شدت کی بدترین صورت شمار ہوتی ہے۔

بچے کے اندر صاف، واضح اور بے آمیز صدق بیانی کے اعلیٰ ترین وصف کو پیدا کرنا، اصلاح و تربیت کے بنیادی عناصر میں سے سب سے زیادہ اہمیت والا عنصر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف ماں باپ اور دوسری طرف سے بچے کے درمیان تعلق کو مضبوط اور مستحکم کیا جائے، ایسا تعلق جو اعتماد اور یقین کی بنیاد پر استوار ہو۔

یہ تعلق صبح یا شام کے اندر وجود پذیر نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ باپ اور بیٹے کے باہمی ربط و تعلق سے آہستہ آہستہ نشو ونما پاتا ہے، جو باہمی تعلق سے آغاز پذیر ہوتا ہے، دونوں کے درمیان مکالمہ ہوتا ہے، باپ مسلسل اپنے بیٹے کے لیے اپنے اعتماد کا اظہار کرتا ہے، صرف اس وقت ہی نہیں جب بچے سے غلطی سرزد ہو جائے۔

بچے کے اعتماد کی چھے (6) خصوصیات

① بلند حوصلگی:

جس بچے کو اپنے متعلقین و لواحقین کے اعتماد و یقین کا شعور حاصل ہوتا ہے، اس کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنی دلیری اور بلند ہمتی کے ذریعے سے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا طریقہ سیکھ لیتا ہے۔

② خود اعتمادی:

اس کا شمار ان بنیادوں میں کیا جا سکتا ہے، جس سے بچے کی شخصیت کا ڈھانچہ کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ ذاتی اعتماد کا مطلب اس کی صلاحیتوں کا اعتراف اور یقین ہوتا ہے، اس کے اخلاق کا اعتماد اور اس کی اس اہمیت و حیثیت کا اعتبار ہوتا ہے، جو معاشرے کی نگرانی یا پہرہ داری کی وجہ سے نہیں، خود اس کی ذات سے ابھرنے والی ہو۔ یہ اسلامی تربیت کی اہم ترین بنیاد ہے، جس پر اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تعمیر قائم ہے اور سبھی انسان اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

③ عزت و احترام:

خود اعتمادی بچے کے اندر اپنی عزت و توقیر کا احساس، اپنی تربیت اور خاندانی اقدار و روایات پر فخر کے جذبات کو پیدا کرتی ہے۔ عزت کا شعور بچے کے اندر ایک پس منظر کھڑا کر دیتا ہے، جو بچے کو اصولوں پر قائم رہنے کی ترغیب دلانے کا باعث بنتا ہے، حتیٰ کہ وہ پوری عزت، فخر اور قوت کے ساتھ ان کا دفاع

کرنے والا بن جاتا ہے۔

یہ سب کچھ اسے اصولوں پر ثابت قدم رہنے اور فساد اور بے راہ روی کی تمام ترغیبات کے مقابلے میں اس کی مضبوط قوت بن جانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ یہی عزت و احترام بچے کو بے راہ روی کے افکار و نظریات کے سامنے حرفِ انکار کہنے کی جرأت سے ہمکنار کرتا ہے اور ان اصولوں کی خاطر قیادت اور قربانی کے جذبے سے بہرہ ور کرتا ہے، جن کو وہ اپنی عزت اور قوت کا سرچشمہ تصور کرتا ہے۔

④ ذمے داری کا احساس:

اعتماد و یقین بچے کو ایک مستقل ذمے داری کا احساس دلاتا ہے اور اس کی حفاظت کا عزم عطا کرتا ہے۔ اعتماد و یقین پر توجہ دینے کی وجہ سے وہ مسلسل گرد و پیش سے ملنے والی عزت و توقیر کے تحفظ کی ذمے داری کو اہمیت دینے لگتا ہے۔

سفر پر جانے سے پہلے بچے کے لیے باپ کی طرف سے بولے جانے والے صرف ایک ہی جملے ''مجھے تجھ پر کامل اعتماد ہے اور اس کے ساتھ ہی مجھے تیرے تمام معاملات پر مکمل بھروسا ہے'' سے آپ دیکھیں گے کہ یہ بچہ اس بچے سے بہت ہی زیادہ اچھا معاملہ کرے گا، جسے سیکڑوں خوف دلانے والی نصیحتوں اور دھمکیوں کا سامنا ہوتا ہے۔

⑤ بے آمیز صدق بیانی:

جو بچہ اپنے خاندان کے اعتماد سے مالا مال ہوتا ہے، وہ صدق گفتاری کو سیکھتا ہے اور وہ صاف اور واضح بات کو اپنی زندگی کے روز مرہ کا طرزِ عمل بنا لیتا ہے، اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ سچائی ہی اسے اس کے ساتھ محبت کرنے والوں کا قرب عطا کرے گی اور کسی بھی وقت وہ ان سے دور نہ ہونے دے گی، نیز اسے

یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ سچائی ہی والدین کے ہاں محبت اور پسندیدگی کا ذریعہ ہے، جب کہ اس کے مد مقابل ایسا بچہ جسے اپنے خاندان کا اعتماد حاصل نہیں ہوتا، وہ ہر وقت کذب بیانی کا سہارا لیتا اور معاملات کو چھپانے پر مجبور ہوتا ہے۔

⑥ خوبصورت گفتگو اور ربط و تعلق کی مہارت:

جو بچہ کسی خوف اور دہشت کے بغیر گفتگو کرتا ہے، صحیح معنوں میں اسے ہی اپنے ما فی الضمیر کے اظہار کی اور اپنے احساسات و جذبات اور افکار کے بیان کی قدرت حاصل ہوتی ہے، اس لیے کہ اسے اپنے گرد و پیش کے لوگوں کی توجہ اور ان کا اعتماد حاصل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ گفتگو کی اور میل جول کی بہترین مہارتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

بچے کے اعتماد کو کیسے مضبوط کیا جائے؟

اعتماد خود بخود والدین اور اولاد کے درمیان باپ کے روز مرہ کے سلوک کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے۔ وہ باپ جو وعدہ کرتا ہے اور اس کا ایفا نہیں کرتا اور وہ مختلف تہواروں اور مناسبات کے لحاظ سے وعدے ٹالتا رہتا ہے، سب سے پہلے تو وہ خود ذاتی اعتماد اور یقین سے محروم ہوتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں وہ اپنی اولاد کو بھی اعتماد مہیا کرنے سے بالکل عاجز ہو جاتا ہے۔

اسی طرح چند مخصوص قسم کے رویوں پر مسلسل باز پرس کرتے رہنے اور بچے کی لگاتار تذلیل و تحقیر کرتے رہنے سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچہ اعتماد و یقین کے میلانات سے محروم ہو جاتا ہے اور خوف اور دہشت کے اسباب و محرکات کو قبول کر لیتا ہے۔

ایسی حکایات اور کہانیاں جو ہمارے قدیم و جدید تاریخی ورثے میں موجود

ہیں، ان کو اس اعتماد و یقین کی مضبوطی و استحکام کے لیے فکری و اعتقادی بنیاد کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور ان کے لیے صدیق کے لقب کو مختص کر دینے کا واقعہ ہے اور اس بچے کا واقعہ جو چرواہوں کے ساتھ جھوٹ بولنے اور بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا کے ذریعے سے ان کو اپنی مدد کے لیے شور مچاتا اور چیختا چلاتا تھا اور جب حقیقتاً بھیڑیا اس پر مسلط ہو گیا تو وہ چیختا چلاتا رہ گیا اور کوئی بھی اس کی مدد کے لیے باہر نہ نکلا۔

اسی طرح بچے کے متعلق، دوسرے لوگوں کے سامنے مسلسل فخر اور اعزاز کے اظہار سے بھی بچے کا یہ اعتماد مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے اور یہ اس کے لیے معاشرے کے ساتھ گھل مل جانے کے لیے ایک مثبت ذریعہ بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو بچہ اپنے خاندان کے اعتماد و یقین سے بہرہ ور ہوتا ہے، وہی اپنے اچھے رویے اور اپنے گھر سے سیکھے گئے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی روشنی میں معاشرے، کے اعتماد و یقین کو حاصل کر پاتا ہے۔

تیرہ (13) اہم ترین عناصر

(والدین کو چاہیے کہ وہ انھیں ہمہ وقت ملحوظ رکھیں)

① انعام اور سزا کے طریقہ کار پر عمل کیا جائے۔ بچے کو اس کے اچھے کام کی وجہ سے انعام دیا جائے اور جب وہ کسی غلط طرزِ عمل کا مرتکب ہو تو اسے سزا دی جائے۔

② بچوں کے ساتھ کھیل کود سے بے توجہی برتنے اور اس معاملے میں ان سے بے پروائی اختیار کرنے کی وجہ سے عمومی طور پر یہ بچے نفسیاتی کمزوریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

③ بچوں کے سامنے ازدواجی اختلافات کو ظاہر نہ کیا جائے، اس سے بچے کی ذاتی خود اعتمادی بہت زیادہ کمزور ہوتی ہے۔

④ بچے کے ذاتی تصرفات میں رکاوٹیں نہ ڈالی جائیں، صرف ان کی نگرانی کی جائے اور ضرورت پڑنے پر صرف اہم معاملات میں مداخلت کی جائے۔

⑤ احکامات صادر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ اچھے لفظوں اور بہترین اسلوب کے ساتھ دیے جائیں۔

⑥ بچوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے حوالے سے کوئی امتیاز نہ برتا جائے، اس لیے کہ آپ کے امتیازی رویے کی وجہ سے وہ آپس میں حسد اور رقابت کا شکار ہو جائیں گے۔

⑦ بچوں کو بامقصد اور نتیجہ خیز کہانیاں اور واقعات سنائے جائیں، ایسے قصوں

سے اجتناب کیا جائے، جو خوف اور دہشت کو پیدا کریں یا انھیں جرائم کی طرف راغب کریں۔

⑧ جہاں تک ممکن ہو سکے، بچوں کو ایسے ذرائع ابلاغ کی رویت اور مشاہدے سے دور رکھا جائے، جو انھیں جرائم (چوری، ڈاکا زنی، اور دیگر برے امور) کی طرف راغب کرتے ہوں اور جب انھیں ہٹانا ممکن نہ ہو سکے، تو ان کے سامنے ایسے پروگراموں کا تنقیدی جائزہ لینا واجب ہے۔

⑨ بچوں کو نیکی کی عادت ڈالی جائے اور اسے نقصان دہ اور ضرر رساں قول وفعل سے دور رکھا جائے۔

⑩ بچے کو اس چیز کا احساس دلایا جائے کہ وہ اپنے گھر میں بہت زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔

⑪ بچے کے لیے اچھے دوستوں کا انتخاب کیا جائے۔

⑫ حیوانات پر شفقت اور مہربانی کی جائے، اس لیے کہ حیوانات سے بے رحمی کا سلوک مستقبل میں بچے کے اندر دوسروں کے ساتھ سختی اور بے رحمی کی ذہنیت کا موجب بن جائے گا۔

⑬ یہ طریقہ سب سے زیادہ غلط ہے کہ بچے کو ہر وقت نوکرانی کے پاس چھوڑ دیا جائے، جو نہ تو اسے دینی نصیحتوں سے فیضیاب کر سکتی ہے اور نہ وہ اسے اس کی حساس عمر کے مطابق اشیا فراہم کر سکتی ہے۔ ماں کو اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ اولاد اس کا ہی ایک حصہ ہوتی ہے، لہٰذا وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے متعلق کوتاہی نہ کرے۔

ملاحظہ:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بچوں کے ساتھ شدت اور سختی کا رویہ ان کی

اصلاح و تربیت کے لیے کامیاب ترین ذریعہ ہے۔ ان کے مد مقابل ان لوگوں کا موقف بھی غلط ہے، جو مضبوط ترین اعتماد اور یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم اپنی اولاد کی تربیت کے لیے سختی اور شدت کو ذرہ بھر بھی استعمال نہیں کرتے۔ یہ لوگ اپنی اولاد کو مارتے ہیں، ان کی تذلیل کرتے ہیں۔ انھیں کسی امر کا ذمے دار ٹھہراتے ہیں اور نہ ان کو ڈانتے یا دھمکاتے ہیں، اس طرح سے یہ لوگ اپنے آپ کو سخت اور بے رحمی کے عیب سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ جانتے نہیں کہ وہ اپنے اکثر تربیتی رویوں میں مشکلات کے حل کے لیے اپنی طاقت کو استعمال کرتے ہیں اور وہ اپنی اولاد کے ساتھ بلند تر کے بجائے کمتر اور طاقتور کے بجائے کمزور کی بنیاد پر تعلقات قائم کر رہے ہوتے ہیں اور یہ بھی اولاد کے ساتھ ایک قسم کے ناروا سلوک کا مظہر ہے۔

سختی اور تشدد صرف سزا دینے یا مارنے کا نام نہیں ہوتا، بلکہ سختی یہ بھی ہوتی ہے کہ آپ اپنی طاقت اور قوت کو اپنی اولاد کے رویوں میں شامل کر لیں۔

اولاد کے ساتھ سختی اور تشدد کے چھے (6) مظاہر

① بچے کو حرکت سے روک دینا:

ماں جس وقت مثال کے طور پر اپنے بچے کو اس کے شدید احتجاج اور بیزاری کے باوجود دوبارہ اس کی کرسی کے ساتھ جکڑنے اور اسے حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے تو وہ اس وقت اپنے معصوم بچے کے ساتھ ایک قسم کی سختی اور بے رحمی کر رہی ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ بچہ قوت اور کمزوری کی دلیل کا مطیع ہو جائے گا اور اسے اپنی کمزوری اور بے بسی کا احساس اسی قدر زیادہ ہوتا چلا جائے گا، جتنی مرتبہ اسے اس انداز سے مطیع کرنے کی کوشش کو دہرایا جائے گا۔

② بچے کی تذلیل وتحقیر کرنا:

جس بچے کو مخصوص طرزِ عمل کو اختیار کرنے یا اسے چھوڑ دینے یا اسے معذرت و معافی طلب کرنے یا خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا جائے اور اس کے سامنے ان امور کے اسباب وعلل کی تشریح بھی نہ کی جائے اور نہ ان پابندیوں کے جواز کی توجیہ کی جائے، تو اس طریقے سے بھی یہ بچہ اکثر اوقات تشدد اور بے دردی پر مبنی تربیت کا مطیع بن جائے گا۔

③ بچے کے ساتھ زور زبردستی کرنا:

بچہ جب زور زبردستی کی زبان کو نہ مانے تو:

❁ جیب خرچی کو کسی کام کے ساتھ منسلک کر دیا جائے اور اس کام کے نہ ہونے کی

صورت میں بچے کو جیب خرچی سے محروم کر دیا جائے، یا اسے کہا جائے:

''اگر تو نے یہ کام مکمل کر لیا تو تجھے وہ سب کچھ مل جائے گا جو تو چاہتا ہے اور اگر تو نے سکول کا کام کر لیا تو تجھے انعام ملے گا۔''

کے تحت مطیع کر لیا جائے، تو اس طریقے سے بھی یہ بچہ سختی اور شدت کی زبان کا غلام بن جاتا ہے۔

④ اولاد کی رائے پر غور و فکر کیے بغیر والدین کا اپنی رائے کو مسلط کر دینا:

وہ باپ جو ہمیشہ اپنی رائے ہی کو مسلط کر دیتا ہے اور اپنی اولاد کو اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے افکار و خیالات کا اظہار کریں اور وہ اپنے احکامات کو نافذ کر دیتا ہے، اولاد کو بات کرنے کا یا اپنے خیالات کی تشریح اور وضاحت کا موقع ہی نہیں دیتا اور نہ وہ اپنے بچوں کی بات کو سننے کے لیے اور ان کے خیالات کو سمجھنے کے لیے اپنے آپ کو متوجہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے، یقیناً یہ باپ اپنی اولاد کے ساتھ سختی، بے دردی اور قساوت کا تعلق قائم کر رہا ہوتا ہے۔

⑤ اولاد کے کردار و عمل کی ذاتی تشریح:

وہ باپ جو اپنی اولاد کے کردار و عمل کی اپنے طور پر تشریح کرتا ہے اور اپنی اولاد کی طرف سے بیان شدہ اسباب و جواز کو سننے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کرتا اور نہ وہ ان کے رویوں کے اسباب کو اور ان کی نشو و نما کے امتیازات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ ان سے صادر ہونے والے ہر طرزِ عمل کی تشریح اپنے ذاتی تجزیہ و تفسیر کے مطابق کر ڈالتا ہے، اس طرح کے طرزِ عمل سے یہ باپ اپنی اولاد کو خود مختاری کے بجائے ماتحتی کی عادت کا خوگر بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ یہ

ہمیشہ بڑوں کے سامنے اپنی خود اعتمادی کے اظہار سے قاصر رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ باپ اپنی اولاد کے ساتھ سختی اور شدت کا سلوک اختیار کرتا ہے۔

⑥ دھمکی دینا (یہ سختی کی بدترین قسم ہے):

١ ہلکی پھلکی دھمکی:

دھمکی خواہ ہلکی پھلکی ہو یا بہت ہی سخت ہو، اسے سختی اور بے رحمی کی بدترین صورت شمار کیا جاتا ہے۔ جو اولاد پر منفی اثر ڈالتی ہے، ہلکی پھلکی دھمکی کے انداز سے احتراز کرنا چاہیے اور اسے خاندانی زندگی میں استعمال کرنے سے اجتناب برتنا چاہیے، اس لیے کہ اس سے بچے کی نفسیات پر سخت ترین دھمکی سے بھی زیادہ برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

لوگ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا دھمکی کی کوئی ایسی قسم بھی ہوسکتی ہے، جسے ہم ہلکی پھلکی دھمکی کا نام دے دیں؟ میں کہتا ہوں کہ واقعی ایسی دھمکی ہوتی ہے اور اس کا زیادہ تر استعمال گھریلو تعلقات اور معاملات میں ہوتا ہے۔ مثلاً:

ایک ماں اپنے بیٹے سے مسکراتے ہوئے اور حد درجہ سکون و اطمینان کے ساتھ کہہ دیتی ہے کہ ''اگر تو نے اپنے سکول کا کام نہ لکھا تو میں تجھ سے تیرے دوسرے بہن بھائیوں کی طرح پیار اور محبت نہیں کروں گی'' یا کہتی ہے:

''میں سونے سے پہلے تجھے کہانی نہیں سناؤں گی'' یا یوں کہتی ہے:

''میں تجھے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گی۔''

یہ ماں اس وقت اپنے بیٹے کو ہلکے پھلکے انداز میں دھمکا رہی ہوتی ہے اور اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے تعلق کو بدترین سختی کے سپرد کر رہی ہوتی ہے اور وہ اس انداز کی دھمکی سے بچے کی اطمینان اور محبت کی ضرورت کو اس سے سلب کر لیتی

ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اسے اپنا اطمینان اور پیار خطرات سے دو چار اور مخصوص رویوں کے ساتھ مشروط نظر آنے لگتا ہے، اس کے علاوہ اس کے دل میں ایک قسم کا خوف پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ اپنی عافیت و سلامتی کے متعلق متفکر ہونے لگتا ہے۔

اس طرح کی ہلکی پھلکی سختی کو، چاہے اس کے مقاصد اچھے ہوں اور نیت و ارادہ بھی خوبصورت ہو، ایک ایسی سختی سمجھا جائے گا جس کا بچوں کے ساتھ استعمال قطعاً ناجائز ہے۔

۲ پوشیدہ دھمکی:

بڑی عمر کے بچے بعض اوقات مختلف قسم کی پوشیدہ دھمکیوں کے دباؤ میں آجاتے ہیں، جو انھیں بے کاری اور رائیگانی کے احساس میں مبتلا کر دیتی ہیں اور انھیں ہمیشہ جرم اور گناہ، معیوبی، بے بسی اور کمزوری کے تاثر میں الجھا دیتی ہیں، جس سے ان کی فکری اور تخلیقی صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں۔

جو ماں اپنے بچے کو اس کی گھریلو ذمے داریوں کے نبھانے میں اپنی طرف سے ہاتھ بٹانے کے لیے عادت ڈال چکی ہے، وہ جب اپنے بچے سے کہتی ہے کہ ''اگر میں نہ ہوتی، تو دیکھ لیتی کہ کیسے تو اپنی ذمے داری کو پورا کر لیتا'' یا کہتی ہے: ''میں تیرے ساتھ شامل نہ ہوتی تو پتا چل جاتا کہ تو کیسے کام کر لیتا ہے؟'' یا یوں کہتی ہے: ''بھلا تو میرے بغیر کر ہی کیا سکتا ہے؟''

اس طرح کے کلمات کے اندر پوشیدہ دھمکیاں اور بالواسطہ خفیہ پیغامات پنہاں ہوتے ہیں، جن سے ماں کی قوت اور طاقت کو بیٹے کی بے بسی اور لاچاری کو ظاہر کیا جاتا ہے، اگرچہ بنیادی طور پر یہ کلمات کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔

رابطہ و تعلقات کا فنی نچوڑ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ براہِ راست

گفتگو کے ذریعے سے اچھی سے اچھی حالت میں 7% فیصد پیغام، جب کہ اس کے علاوہ لفظی اور غیر لفظی پیغامات کی شرح 93% ہوتی ہے۔

بچے عام طور پر غلطی اور کمزوری کے احساس کی طرف جھکاؤ اختیار کر لیتے ہیں، تو یہ بھی ان کی داخلی ونفسیاتی کشمکش کی ایک حالت ہوتی ہے، جس سے یہ بچے دو چار ہوتے ہیں کہ وہ خود مختاری کو اختیار کریں یا وہ ہمیشہ دوسروں کے سہارے پر زندگی گزار دیں، ان حالات میں پوشیدہ اور ہلکی پھلکی دھمکیاں دوسروں کے سہارے زندگی گزارنے کے پلڑے کو بھاری بنا دیتی ہیں۔

عام طور پر جو بچے اس طرح کی سختی وشدت کے سائے میں پروان چڑھتے ہیں، انھیں ہمیشہ اپنی کمزوری اور بے بسی کا خیال لاحق رہتا ہے اور یہ ہر وقت اپنی غلطیوں پر خوفزدہ رہتے ہیں۔

آپ کو کتنے ایسے بڑی عمر کے لوگ مل جائیں گے، جو ہمیشہ ایسے کاموں کے متعلق ''میں نہیں کر سکتا'' اور ''یہ میرے بس سے باہر ہے'' کے الفاظ بولتے رہتے ہیں، جن کو دوسرے بہت سارے لوگ سر انجام دیتے رہتے ہیں، لہٰذا ہمارے خیال کے مطابق بچے کو کسی بھی قسم کی دھمکی کے اندر یہ پیغام پوشیدہ ہوتا ہے کہ آپ اس سے ذاتی طور پر پیار نہیں کرتے اور یہ کہ آپ کا اس کے ساتھ پیار ایک مخصوص رویے یا طرزِ عمل کے ساتھ مخصوص ہے۔

تہذیب و اصلاح اور تربیتی دور اندیشی:

کوتاہ نظری تربیتی مشکلات میں سے سب سے بڑی مشکل ہے۔ جس تربیت میں فوری نتائج کو مدنظر رکھا گیا ہو اور اس میں مستقل یا دائمی فوائد ونتائج کا اعتبار نہ کیا گیا ہو، ایسی تربیت بدترین نقصانات کی حامل ہوتی ہے، خواہ اس کا تعلق انفرادی تربیت کے ساتھ ہو یا اجتماعی کے ساتھ۔

اصلاح و تربیت کے غلط طریقوں میں ایک غلط طریقہ یہ بھی ہے کہ ماں باپ کو اپنی تربیت کے فوری نتائج کی جستجو لاحق ہو اور وہ بہت ہی جلد ان کا نظارہ کرنے کے خواہش مند ہوں، چاہے اس کے نتیجے میں بچے کی شخصیت اور مستقبل قربان کیوں نہ ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے والدین اپنی اولاد کی تربیت و اصلاح کے لیے منفی وسائل استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، یا تو وہ سختی، بے رحمی اور بے دردی کے طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں یا پھر وہ انھیں حد سے زیادہ انعام و اکرام اور تحفے تحائف دینے لگ جاتے ہیں۔

ہم نے گذشتہ اوراق میں بچے کے مثبت رویوں کے متعلق لائحہ عمل کے موضوع کے تحت بیان کیا ہے کہ بچہ ایک طویل مدت کے لائحہ عمل اور جائزے کا محتاج ہوتا ہے اور یہی طریقہ بہترین تربیت کے لیے موزوں اور مناسب ہے، جب کہ اس کے برعکس ماں باپ کے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے بچے کا لائحہ عمل بھی متاثر ہوتا ہے۔

ضدی اور ہٹ دھرم بچہ:

ہم اس سلسلے میں ایک مضمون نگار ادیب ساطع الحصری کی ایک حقیقت پر مبنی ادبی تحریر پیش کرتے ہیں، اس میں مضمون نگار ماں باپ کے غلط قسم کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالتا ہے، جو انھوں نے اپنے ضدی، ہٹ دھرم اور مخالفت پسند بچے کے ناپسندیدہ رویے کے مقابلے میں اختیار کیا تھا۔

مضمون نگار لکھتا ہے:

”میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اس کے پاس ایک مہمان اپنے بیٹے سمیت موجود تھا اور وہ اس دوران میں میرے دوست کے

ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے لگا، اس کے ساتھ ہی اس کا بیٹا گفتگو میں عجیب انداز سے مداخلت کرنے لگا، جس سے اس کی شوخی، گستاخی اور بدمزاجی کا اظہار ہوتا تھا۔ میزبان نے چاہا کہ یہ بچہ گھر کے صحن کی طرف چلا جائے، اس کے لیے اس نے بچے کو اور اس کے والد کو تجویز بھی دی، باپ تو اس تقاضے سے خوش ہوگیا، مگر بچے نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور سرکشی و مخالفت کے ساتھ چلانے لگا: ''میں نہیں جاؤں گا!''

میرے دوست نے اسے کھیلنے کودنے اور باغیچے میں گھومنے پھرنے کے لیے راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی، لیکن بچہ اپنی ضد اور مخالفت پر ڈٹ گیا اور وہ مسلسل چلانے لگا:

''میں نہیں چاہتا۔ میں نہیں جاؤں گا۔''

اس وقت باپ نے مداخلت کی، میزبان کو تھوڑی دیر رک جانے اور تماشا دکھانے کا اشارہ کیا، پھر اس نے مصنوعی انداز میں بچے سے چلا کر کہا:

''تو نے بالکل نہیں جانا۔''

اس دفعہ بھی بچہ سرکشی اور مخالفت کے انداز میں کھڑا تو رہا، مگر اس نے اپنے باپ سے چیختے ہوئے کہا:

''میں ضرور جاؤں گا۔''

باپ نے اسی انداز سے ممانعت کو دہرایا اور کہا: ''میں نے کہہ دیا، تو نہیں جائے گا۔''

بچے نے فوراً جواب دیا: ''میں تو ابھی جاؤں گا!''

باپ اور بیٹے کے درمیان تو تکار کا یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا، بچہ

اپنی مخالفت پر جما رہا اور پھر وہ چند قدم پیچھے کی طرف ہٹنے لگا، اس انداز سے کہ وہ دروازے کے بالکل قریب چلا پہنچا، آخری مرتبہ باپ نے اپنی مخالفت کو دوبارہ دہرایا، اس کے جواب میں بچے نے بھی اپنے باپ کے سامنے آخری دفعہ چلاتے ہوئے کہا:

''لو میں جا رہا ہوں'' اور پھر وہ فوراً ہی دروازے سے نکل گیا۔

اس موقع پر باپ فخر اور فتح مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر مسکرانے لگا اور ہمارے سامنے اپنے آپ پر اور اپنے اس کارنامے پر حد سے زیادہ فخر کرتے ہوئے کہنے لگا:

''ہم اسی طریقے سے اس کی مخالفت اور عناد پر کنٹرول حاصل کرتے ہیں۔ یہ بچہ بہت ہی زیادہ ضدی اور ہٹ دھرم ہے، اس کو آمادہ کرنے کے لیے ہر مرتبہ ہم یہی حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ جو چیز ہمیں مطلوب ہوتی ہے، ہم اس کے سامنے ظاہری طور پر اس کے بالکل الٹ کہہ دیتے ہیں، تاکہ وہ وہی کام کرے جو ہمیں مطلوب ہوتا ہے۔''

اس نے یہ بات کہی تو اس کے ساتھ ہی اپنی لمبی مسکراہٹ کا بھی اظہار کیا اور میری آنکھوں میں گھور کر ایسے دیکھنے لگا، جیسے وہ مجھ سے اپنے اس کارنامے پر تحسین کا طلب گار ہو یا وہ جھوٹے نعرے لگوانا چاہتا ہو، مجھے اس وقت اس بدنصیب بچے کی شوخی اور گستاخی کا راز سمجھ آ گیا اور میں اپنے خیال میں ہی اس المناک تربیت کے صفحات کو پلٹنے لگا۔

یقیناً کوتاہ بینی تربیتی اعتبار سے سب سے بڑی مصیبت ہے، جس تربیت میں فوری نتائج کو ہی مدنظر رکھا گیا ہو اور اس میں مستقل یا دائمی فوائد و نتائج کا

لحاظ نہ رکھا گیا ہو، ایسی تربیت بدترین نقصانات کی موجب ہوتی ہے، خواہ اس کا تعلق فرد کی تربیت کے ساتھ ہو یا معاشرے کی۔

اس واقعہ میں نقصان دہ تربیت کا کردار:

ایک بچہ ہے جو باقی بچوں کی طرح بعض اوقات نافرمانی اور مخالفت کرتا ہے اور باپ اس مخالفت کا تدارک اور علاج ایک غلط طریقے سے کرتا ہے، جو بجائے اصلاح کے اس کی مخالفت کو اور زیادہ تقویت پہنچاتا ہے اور اسے اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا۔

باپ نے اس سلسلے میں (بچے کو ایک خاص مقصد کے لیے آمادہ کرنے کے لیے) اس کے علاوہ اور کچھ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی اور نہ اس نے اپنے بچے کو اپنے مقصد کے بالکل برعکس حکم دینے میں کوئی حرج محسوس کیا، تاکہ اسے اپنے مقصود کے لیے آمادہ کرے اور وہ اپنے مطلب کو فوراً حاصل کرنے کے لیے اپنے اس طریقہ کار پر بہت خوشی محسوس کرتا ہے، خواہ اس کی صورت کوئی بھی ہو۔

لیکن اس نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل سے اپنے بچے کو نافرمانی، مخالفت اور ضد کی طرف راغب کر رہا ہے اور وہ ان دور رس نتائج و مقاصد سے محروم ہو رہا ہے، جن کے متعلق اس کی بے پروائی اور غفلت کی ذرہ بھر بھی گنجایش نہیں ہو سکتی۔

وہ تو صرف اس نتیجے پر خوش ہو رہا ہے کہ بچے نے وہی کچھ کر لیا ہے جو اسے مطلوب تھا، لیکن بچہ تو ان امور میں بالکل ہی مختلف رائے رکھتا ہے، وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کے عزم و ارادے کے آگے ہتھیار پھینک دیے ہیں اور وہ اس کی مخالفت اور سرکشی کو مغلوب کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا، بلکہ وہ تو اس کی مخالفت سے خوش ہوا ہے۔

اس طرح یہ بچہ مخالفت اور نافرمانی کے راستے پر پوری دلیری کے ساتھ چل پڑتا ہے اور یہی معاندانہ روش دن بدن اس کے اندر مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ مخالفت کی مشین بن جاتا ہے، جو ہمیشہ طلب کیے جانے والے کام کے الٹ عمل کرتا ہے، جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے۔

غور کریں کہ اس انوکھی نفسیاتی کیفیت کا زندگی کی سعادت میں کیا کردار ہوگا اور دوسری نفسیاتی کیفیتوں کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہوگا، بالخصوص معاشرتی زندگی میں، جب اسے لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے کی ضرورت لاحق ہوگی۔

یہ باپ تو نتیجے سے خوش ہے اور فخر کا اظہار کرتا ہے کہ اس کے ذریعے سے اس کی حقیقی رغبت اور خواہش کی پوری موافقت ہوتی ہے، لیکن کیا وہ یہ بھی جاننا چاہے گا کہ ان نقصانات کی کیا حد ہے، جس کے بیج اس نے اپنے اس طرزِ عمل کے ذریعے سے اپنے بیٹے کے مزاج کے اندر بو دیے ہیں۔

اصلاح وفہمایش اور ہلاکت خیز پابندیاں

آزادی ذہانت اور سمجھ داری کو پروان چڑھاتی اور بچوں کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کی چنگاریوں کو بھڑکاتی ہے۔ آزادی تحقیق اور ترقی کے میدان کو کھولتی ہے اور نیکی اور قوت کی طرف پرواز کے لیے آزاد فضاؤں کا انتظام کرتی ہے۔

بہت سارے لوگ اپنی اولاد کو آزادی سے محروم کر کے غلطی کرتے ہیں، ان کے نقصان کی فکر، یا کم عمری کے اندیشوں کے پیش نظر انھیں پابندیوں میں جکڑ دیتے ہیں کہ وہ ابھی تک بڑے نہیں ہوئے، جو اپنی آزادی کو صحیح معنوں میں استعمال کر لیں، اس طرح یہ ماں باپ اپنی اولاد کے لیے ماسوا شرعی احکامات و اوامر کے مختلف قسم کی اور لامحدود پابندیاں عائد کر دیتے ہیں۔

وہ غلطی سے یہ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ پابندیاں اولاد کے بڑے ہونے تک خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ پابندیاں بچے کے لیے ایک لائحہ عمل کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، وہ ان سے آسانی کے ساتھ دستبردار ہو سکتے ہیں اور نہ وہ ان سے الگ ہو سکتے ہیں، بالآخر یہی پابندیاں ان کے اور بہت ساری اچھی اور مطلوبہ صفات کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دیتی ہیں۔

اس موقع پر ہم ساطع الحصری کا ایک ادبی و تربیتی مضمون نقل کرتے ہیں، جو انھی حقائق کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اس آرٹیکل کا عنوان ہے:

گدھے کی آزادی:

معلوم نہیں کہ میں نے اس دن دوپہر کے آرام کے ٹائم میں بڑے ہال

کے اندر لمبی کرسی پر لیٹ جانے کو کیوں پسند کر لیا تھا۔

بڑا ہال کمرہ، باغیچے سے منسلک اور شیشے کے بڑے گیٹ اور دو ترچھی کھڑکیوں سے متصل تھا، جن کی وجہ سے منظر میں خوب کشادگی پیدا ہو گئی تھی۔ میں کرسی پر لیٹے لیٹے صحن کے اندر سب چیزوں کا نظارہ کر رہا تھا۔ درمیان میں بنایا گیا باغیچہ، درخت اور اس کے اندر پھولوں کے پودے، اس کے ارد گرد بنائی گئی چوڑی راہ داری، بغلی گزرگاہ جو بیرونی گیٹ اور پھر نہر کے کنارے تک چلی جاتی، تہہ خانے کا دروازہ، باورچی خانے کی ونڈو جو بڑے ہال کمرے کے سامنے والے کونے میں لگی تھی اور اسی ونڈو کے لوہے کے ساتھ بندھا ہوا چھوٹا سا گدھا۔

موسم گرم تھا، ہوا بھی رکی ہوئی تھی، مجھے حرکت کا نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا، یہاں تک کہ ہلکے پھلکے پھول اور چھوٹے چھوٹے پتے تک ساکت نظر آتے تھے۔ میرے اعصاب اس حد درجہ حرارت اور جمود کی وجہ سے بے حس ہونے لگے، مگر میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس قدر سکون اور خاموشی میں گدھا اچانک اپنی جگہ سے ہٹا اور جس کونے کے ساتھ بندھا ہوا تھا، اسی طرف چل پڑا، پیچھے کی طرف گھوما اور باغیچے کی لمبائی کے ساتھ چلنے لگا اور پھر یہاں سے وہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

یہ گدھے کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، جسے ہم نے کئی مہینوں تک گھر کے اندر پالا پوسا، تاکہ اس پر وقتاً فوقتاً خلدون سواری کرتا رہے۔ ملازم اسے ہر دن میں کئی مرتبہ نہر کے کنارے پر لے جایا کرتا اور پھر اسے واپس لے آتا اور اسے کھڑکی کے لوہے کے ساتھ باندھ دیا کرتا تھا۔ جس وقت میں نے دیکھا کہ وہ اپنے مانوس دائرے سے دور ہو رہا ہے، تو میں نے یہ سمجھا کہ شاید وہ رسی کھل گئی ہے، جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا اور جب میں نے اسے گھر کی گزرگاہ کے قریب

جاتے دیکھا، تو میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کا ارادہ کیا، تاکہ ملازم کو آواز دوں اور اسے گدھے کو پکڑنے اور اسے دوبارہ اس کے احاطے میں باندھ دینے کا کہوں، مگر میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے یہ سب کچھ کہنے یا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ یہ گدھا اپنی عادت کے مطابق نہر کے کنارے کی طرف ہی جائے گا اور ملازم جب نیند سے بیدار ہو گا تو وہ اسے کسی مشقت کے بغیر پکڑ کر لے آئے گا، اس طرح میں نے اپنی پہلی سوچ کو مسترد کر دیا اور آرام کرنے کے لیے واپس آ گیا۔

اس کے بعد زیادہ وقت نہ گزرا ہو گا کہ مجھے فرش کے اوپر گدھے کے قدم پڑنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دیکھا تو گدھا صحن کے اندر اسی گزر گاہ سے داخل ہو رہا ہے، جہاں سے نکل کر وہ باہر گیا تھا۔ باغیچے کے باہر چکر لگانے، گھومتے گھامتے باورچی خانے کے احاطے تک پہنچا اور پھر یہیں رک گیا، جیسا کہ وہ ہر روز اسی جگہ پر کھڑکی کے لوہے کے ساتھ بندھا ہوتا تھا۔

مجھے اس وقت یہ بات سمجھ آئی کہ وہ گھر سے نکلنے سے پہلے بھی کبھی کسی رسی کے ساتھ بندھا ہوا نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ اپنی عادت کے مطابق یہاں کھڑا رہتا تھا، اسے جب بھی پیاس لگتی تھی تو وہ خود ہی نہر کے کنارے کی طرف نکل کھڑا ہوتا اور پھر خود ہی اپنی پانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے بعد اپنے احاطے کی طرف لوٹ آتا تھا۔

اس واقعہ نے میرے ذہن کے اندر تاثرات کے طویل ترین سلسلے کو کھڑا کر دیا۔

1. یہ گدھے کا بچہ آزاد تھا اور کسی نظر آنے والی مادی زنجیر یا رسی کے ساتھ بندھا ہوا بھی نہ تھا، اس کے باوجود ایسا لگتا تھا کہ وہ کھڑکی کے ساتھ کسی چھوٹی سی رسی کے ساتھ بندھا ہوا ہے، اسے نہر کے کنارے تک کوئی لے کر گیا اور نہ اسے کوئی واپس گھر کے صحن کی طرف لایا، مگر وہ نہر کے

کنارے کی طرف جاتا ہے اور واپس بھی آجاتا ہے، گویا وہ کسی دیکھ بھال کرنے والے کی نگرانی میں ہے، جو اسے ہمیشہ چھوڑتا اور کھولتا ہے۔

② جس رسی نے اسے کھڑکی کے ساتھ باندھ رکھا تھا، اسے ختم ہوئے بھی بڑی مدت ہوگئی، مگر اس کے زائل ہونے سے پہلے اس کی جگہ ایک معنوی رسی اور باطنی پابندی نے لے لی، جو اس سے زیادہ مضبوط بھی تھی اور زیادہ موثر بھی، اس لیے کہ وہ اپنی مادی رسی سے وقتاً فوقتاً چھوٹ جانے اور نکل جانے کی کوشش تو یقیناً کر لیتا تھا، مگر اس نے کبھی اس معنوی رسی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

③ اس کی دیکھ بھال کرنے والا، جو اسے نہر کنارے لے جاتا اور پھر اسے واپس گھر کی طرف لے آتا تھا، وہ بھی تو اپنے کام سے ایک لمبی مدت سے علاحدہ ہوگیا ہے، مگر اس نے اس سے پہلے اپنی جگہ پر ایک اندرونی نگران چھوڑ دیا ہے، جو نظر نہ آسکنے والے نگران کی شکل میں اسے انھی مقامات اور انھی اوقات میں ساتھ لیے پھرتا ہے۔

④ یہ گدھا ظاہری طور پر اب بالکل آزاد ہے، مگر حقیقت میں وہ پابندیوں میں جکڑا قیدی ہے، جو معنوی طور پر ان رسیوں کے ساتھ بندھا ہوا ہے جن کے ساتھ وہ ماضی میں عملی طور پر بندھا ہوا ہوتا تھا۔ اسی طرح وہ ایک دیکھ بھال کرنے والے کی اطاعت میں محو نظر آتا ہے، جو اس سے پہلے اس کی نگرانی کرتا تھا۔

ہمارے بچے اور آزادی:

لیکن کیا یہ حالت صرف گدھے کے ساتھ مخصوص ہے؟ کیا آپ بھی بعض اوقات گدھے کی اس آزادی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتے؟

آزادی کی دو صورتیں اور قسمیں ہوتی ہے: داخلی آزادی اور خارجی آزادی، یا

ظاہری آزادی اور حقیقی آزادی، دوسرے لفظوں میں مادی آزادی اور معنوی آزادی۔

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو بہ ظاہر آزاد ہیں اور کتنے ہی ایسے ہیں جو باطنی اور معنوی پابندیوں کے ساتھ مقید ہیں، جو ان کے اعمال و افعال کو ان کے لیے متعین کرتی ہیں اور انھیں اس کا ادراک تک نہیں ہوتا۔

کتنے ماں باپ اور تربیت کرنے والے لوگ نسلِ نوخیز کو مختلف قسم کی معقول اور غیر معقول پابندیوں کے ساتھ جکڑ دیتے ہیں، یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ پابندیاں وقتی اور عارضی ہیں اور وہ انھیں اٹھا لیں گے، جب انھیں اس بات کا یقین حاصل ہو جائے گا کہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔

جی ہاں! یقیناً یہ لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ انھیں یہ قوت حاصل ہے کہ وہ جب بھی چاہیں گے، بچے کے لیے آزادی کے ماحول کو پیدا کر دیں گے، مگر ان کے ذہنوں سے یہ بات اوجھل ہو جاتی ہے کہ وہ یہ کام اس وقت ہی کرنے کی کوشش کریں گے، جب وہ اپنے بچوں کی روح سے آزادی کے تخموں کو برباد کر چکے ہوں گے اور انھیں اس کا احساس تک بھی نہ ہوا ہوگا۔

جی ہاں! یہ لوگ واقعی طور پر کسی دن اپنے بچے سے کہہ دیں گے کہ اب تو آزاد ہے، جو مرضی آئے کر سکتا ہے، لیکن یہ کلمات وہ اس وقت ہی کہیں گے جب وہ اپنے بچے کی چاہت اور مرضی کو لاتعداد اور بے شمار طوقوں اور زنجیروں کے ساتھ جکڑ چکے ہوں گے، یہاں تک کہ انھیں اس کا شعور تک بھی نہ ہوا ہو گا، کیا اس گدھے کے بچے کے واقعہ میں ان والدین کے لیے اور تربیت کرنے والوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا سامان نہیں ہے؟

اپنی اولاد کے ساتھ ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کرو

بچے کی تہذیب و تربیت ایک مہارت، علم اور فن ہے اور اس کا اظہار بچے کے ساتھ اس کی سمجھ اور فہم کے مطابق گفتگو کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ عام طور پر ماں باپ اور تربیت کرنے والے لوگ اپنی ذاتی علمی وسعت، فہم و فراست اور خصوصی صلاحیتوں کے مطابق کم عمر بچوں کی تربیت اور راہنمائی کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے نہ تو ان جیسی قدرتوں کے حامل ہیں اور نہ ان کے پاس ویسی صلاحیتیں موجود ہیں، یہیں سے تربیتی عمل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

بڑوں اور چھوٹوں کے مابین ناہموار اور غیر موافق گفتگو کے منفی اثرات:

① بچے کو صاف اور واضح طور پر پیغام نہیں ملتا، اس کے علاوہ اس طرح کی گفتگو کی وجہ سے دونوں کے درمیان موجود تعلقات کو بھی جھٹکا لگتا ہے۔

② بچے کو ایسا پیغام ملتا ہے، جو اپنے مضمون و مفہوم کے اعتبار سے اصل پیغام سے مکمل طور پر علاحدہ اور حد درجہ فرق رکھنے والا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بچے کے ذہن میں مبہم، متضاد اور بے جوڑ قسم کے مفہوم اور مطلب راسخ ہو جاتے ہیں۔

③ بچے کا لائحۂ عمل منفی بن جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اس سے مسلسل ایسے رویے ظاہر ہونے لگتے ہیں، جو بڑوں کی رغبت اور چاہت کے یکسر منافی ہوتے ہیں۔

ترمذی نے اسے بل سے باہر نکال لیا:

خلیجی طلبہ کا ایک گروپ امریکہ میں منعقد ہونے والے ایک لیکچر میں شریک ہوا، ان میں سے ایک طالب علم ایسا تھا، جس کا دین کے ساتھ نیا نیا تعلق قائم ہوا تھا اور وہ اسلامی اصطلاحات سے بالکل ہی ناواقف تھا۔ لیکچر دینے والے صاحب نے اپنی گفتگو کے آغاز میں یہ کہہ دیا:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کی ضرور پیروی اور متابعت کرو گے، بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے، یہاں تک کہ اگر وہ سانڈے کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے۔" اسے ترمذی نے نکالا ہے۔" (یعنی روایت کیا ہے)

اس کے بعد لیکچرار نے اپنے لیکچر کو یہود و نصاریٰ کی اتباع و پیروی کی خطرناکیوں کے موضوع پر مکمل کیا، لیکچر کے بعد اس طالب علم نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: یہ بات صحیح ہے کہ ترمذی بڑا بہادر انسان تھا! ساتھیوں نے کہا: وہ کیسے؟ اس نے کہا: وہ اس لیے کہ اس (ترمذی) نے اپنا ہاتھ بل کے اندر داخل کیا اور سانڈے کو باہر نکال لیا۔ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اس نے کہا: "کیا تم نے شیخ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا ہے کہ "اگر وہ سانڈے کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے، تو تم بھی ضرور اس کے اندر داخل ہو گے، اسے ترمذی نے نکالا ہے۔"

سب ہنسنے لگے اور پھر انھوں نے اپنے ساتھی کو سمجھایا کہ ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کا تعلق سانڈے کے ساتھ تو بالکل ہے ہی نہیں۔ اس

نے کہا ''سبحان اللہ! میں تو سارے لیکچر کے دوران میں اس سوچ کے اندر مستغرق رہا کہ ترمذی نے سانڈھے کو کیوں نکالا اور اس بات کا موضوع کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

دحیۃ کلبی:

میرے پاس خلدون آیا، اس کے چہرے پر تعجب، حیرت اور بحث و تکرار کی علامات ظاہر تھیں، اس سے قبل کہ میں اس سے کچھ پوچھتا، وہ مجھ سے کہنے لگا: ''آج ہم نے دینیات کے سبق میں یہ پڑھا ہے کہ محمد ﷺ نبی کیسے بنے؟'' اس کے بعد وہ بڑے جوش، جذبے اور تعجب کے ساتھ مجھے اس سبق کی تفصیلات سنانے لگا:

''جبریل آئے، تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: آپ خوف نہ کھائیں، پھر آپ کے پاس جبریل ہر دن آنے لگے، کبھی تو بوڑھے آدمی کی صورت میں کبھی جوان شخص کی شکل میں اور کبھی کتے کی شکل میں آیا کرتے تھے۔ (معاذ اللہ)

''میں نے تعجب اور حیرت کے ساتھ اس کی گفتگو کو کاٹتے ہوئے کہا: کتے کی شکل میں؟ یہ تجھے کس نے بتایا ہے؟ اس نے فوراً اور مکمل اطمینان و سکون کے ساتھ مجھے بتایا کہ ہمارے استاذ نے ہمیں سبق کے دوران میں یہ سب کچھ بتایا ہے اور یہ کہا ہے کہ جبریل بعض اوقات کتے کی شکل میں آیا کرتے تھے۔'' (معاذ اللہ)''

اس سبق کے واقعہ نے مجھے بدحواس اور مبہوت کر کے رکھ دیا اور میں نے پختہ عزم کر لیا کہ استاذ سے اس معاملے میں ضرور گفتگو کروں گا۔ اتفاق سے اسی دن میری ملاقات ایک عالم دین کے ساتھ ہوگئی، اس دوران میں مجھے خیال آیا کہ ان سے ان تمام روایات کے متعلق تشریح اور وضاحت حاصل کروں جو رسالت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، چنانچہ وہ عالم دین ان روایات کی ایک ایک کر

کے تشریح فرمانے لگے، یہاں تک کہ انھوں نے بتایا:

"جبریل امین علیہ السلام اکثر طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خوبصورت اور حسین و جمیل نوجوان کی شکل میں نمودار ہوا کرتے، خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی صورت میں جو اپنے چہرے کے حسن و جمال میں مشہور ومعروف تھے، جنھیں "دحیۃ الکلبی" کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔"

دحیۃ الکلبی، صحابی جلیل کے اس نام کا تذکرہ میرے لیے امید کی کرن ثابت ہوا، جس نے مجھے اس سبق کے معاملے کو سمجھنے میں مدد دی، جس کے متعلق خلدون بحث کر رہا تھا۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ استاذ نے رسالت کے موضوع کو کھل کر بیان کرنے کے ارادے سے اس روایت کو بھی بیان کر دیا ہو گا کہ جبریل علیہ السلام بعض اوقات کلبی کی شکل میں آیا کرتے تھے، مگر انھوں نے اس صحابی جلیل رضی اللہ عنہ کی خصوصیت پر کوئی روشنی نہ ڈال سکی ہو گی۔

جس کی وجہ سے خلدون نے گمان کر لیا کہ استاذ نے اس سے حقیقی کلب (کتا) مراد لیا ہے، اس طرح اس نے اس واقعہ کی اپنے ذہن میں یہ شکل بنا ڈالی، جیسا کہ بچوں کے اندر تجسیمی رجحانات ہوتے ہیں اور بچوں کے دماغوں پر حاوی رہتے ہیں اور خیالات کی تمثیلیں وغیرہ جو ان کے فکر و تصور میں پیوستہ ہوتی ہیں، اسی بنا پر وہ کتوں کی آواز کی تقلید کرتے ہوئے ان کلمات کو بار بار دہرانے لگا۔

ابو خلدون الحصری:

اندازہ کریں کہ کتنا بڑا فرق موجود ہے، اس صورت میں جسے استاذ نے بیان کیا اور اس مطلب میں جسے طالب علم نے سمجھا؟ یقیناً ایسے اسباق و دروس سے نہایت ہی سنگین نقصانات پیدا ہوا کرتے ہیں، جن میں استاذ بچوں کی عقلی استعدادات اور ان کے رجحانات کو پیش نظر رکھنے سے قاصر رہتا ہے۔

کھیل کے ذریعے بچوں کی تربیت

کھیل کی سات (7) خصوصیات:

① کھیل اور باہمی اعتماد۔

② کھیل اور مشترکہ احساسات اور جذبات۔

③ کھیل تفریح اور دلچسپی کا موقع ہوتا ہے۔

④ کھیل کامیابی کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

⑤ باپ کے اساسی کردار کا اظہار (کھیل کے ذریعے سے) ہوتا ہے۔

⑥ آؤ کھیلیں اور دوڑیں۔

⑦ کھیل اور خود مختاری۔

کھیل کی سات خصوصیات

① کھیل اور باہمی اعتماد:

جس وقت باپ کافی سارا وقت اپنے بچے کے ساتھ کھیلنے کودنے اور اس سے خوش طبعی کرنے میں گزار دیتا ہے، تو ان دونوں کے درمیان ایک خصوصی تعلق قائم ہو جاتا ہے، جس کی بنیاد اعتماد پر اور ایسی نئی دریافتوں پر ہوتی ہے، جو بچے کو مکمل عزم اور قوت کے ساتھ ایک وسیع اور کشادہ دنیا کی طرف چلنے کی ہمت سے ہمکنار کرتی ہیں۔

② کھیل اور مشترکہ احساسات و جذبات:

ساتویں ماہ سے باپ کے ساتھ کھیل کود کے ذریعے سے احساسات، جذبات اور ترغیب و تحریک کی کئی صورتوں کا باپ اور بچے کے درمیان مسلسل تبادلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو پہچاننے لگتے ہیں، معصوم بچہ صرف یہ نہیں جان لیتا کہ وہ اپنے باپ کی توجہ کو کیسے اپنی جانب متحرک کرے، بلکہ وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ وہ کس طرح سے اچھی سے اچھی خوش طبعی حاصل کرے اور اپنے باپ کو کس طرح مسرور کرے۔

③ کھیل تفریح اور دلچسپی کا موقع ہوتا ہے:

کھیل بچے کی مختلف اور متنوع قسم کی مہارتوں کو فروغ دینے اور اس کے تخیلاتی حواس کو کشادہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ باپ کے ساتھ کھیل کود دونوں

طرفوں کے لیے دلچسپی کا سامان ہے۔ کسی بھی انسان کا یہ شعور کہ وہ دوسرے کی توجہ کا محور ہے، اسے خوشی، سعادت اور فرحت سے آشنا کرتا ہے اور یہ ایک ایسا احساس ہے، جو باپ اور بچے دونوں کو یکساں طور پر نصیب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے بچے کو امن و اطمینان کا شعور ملتا ہے اور باپ کو تربیت دینے اور نمونہ پیش کرنے یا بننے کے لیے اچھے سے اچھے امکانات کا علم حاصل ہوتا ہے۔

④ کھیل کامیابی کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا ذریعہ ہوتا ہے:

جب باپ اور بچہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنے کے عادی ہو جاتے ہیں، تو وہ ایک دوسرے کو ابتدائی دنوں ہی سے مکمل طور پر پہچان لیتے ہیں، ان دونوں کے درمیان تعلقات مضبوط ہوتے اور گہری اور مستحکم شکل میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ جب بچے کو یہ شعور نصیب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے طاقتور تعلق اور رشتے پر بھروسا کر سکتا ہے، تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیسے چلے، نئی تخلیقات کرے اور اس کے ساتھ ہی وہ دوسروں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا ڈھنگ بھی سیکھ لیتا ہے اور اسے پریشانیوں اور اضطرابات سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ تعلق جس قدر زیادہ مضبوط ہوگا اور بچے کا اپنے باپ کے ساتھ قرب کا احساس جتنا زیادہ گہرا ہوگا، اتنا ہی زیادہ بچے کا اپنی ذات پر اعتماد مضبوط ہوگا اور اس کی شخصیت بھی اسی انداز سے زیادہ طاقتور ہوگی۔

اس لیے کہ باپ کے ساتھ تعلق ہی اسے یہ مواقع مہیا کرے گا کہ وہ تجربات کرنے، سیکھنے اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ وہ کامیابی کس طرح سے حاصل کرے اور ناکامیوں کو کیسے عبور کرے، یہ سب کچھ اسی کھیل کے ذریعے

سے ممکن ہو سکتا ہے، جو ہمسری، تقابل اور چیلنج کے لیے اور صلاحیتوں کے اظہار کے لیے میدان اور جولان گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

باپ (ماں کے برعکس) بچے کو یہ نہیں کہتا کہ سیڑھی کے زینے سے دور رہو یا اس کا دھیان رکھو، بلکہ وہ اس کے حوصلے کو مضبوط کرنے کے لیے یہ کہتا ہے "کوشش کرو، تم تو بہت مضبوط اور دلیر ہو" اور پھر وہ اسے زینے پر چڑھنے کے لیے مدد بھی فراہم کرتا ہے۔

⑤ باپ کے اساسی کردار کا اظہار کھیل کے ذریعے سے ہوتا ہے:

بچے کی تربیت میں باپ کا ایک کردار ہے، جو بچے کے ساتھ کھیلنے، کودنے اور خوش طبعی کرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جب بچے کے سامنے بیرونی دنیا کی وسعتیں کشادہ ہو جاتی اور اس کے تعلقات ان لوگوں کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں، جو خاندان کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں اور یہ کردار بالکل بنیادی ہے، جب کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور موجود ہے کہ بچے کی ابتدائی مہینوں کی زندگی میں باپ کے وجود اور تربیتی ذمے داریوں میں اس کی طرف سے معاونت کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتے، دوسرے لفظوں میں ماں کے کردار کے مقابلے میں باپ کا کردار ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

تربیت کے غلط طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ باپ بچے کی زندگی کے ابتدائی مراحل کے دوران میں احتیاطی پوزیشن اختیار کر لیتا ہے اور وہ بیرونی نگران کار کی طرح بن جاتا ہے، جو ماں اور بچے کے تعلق کے درمیان کسی قسم کی مداخلت کا مجاز نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف ہنگامی نوعیت کے معاملات اور حالات ہی میں دخل اندازی کر سکتا ہے، اس صورت میں یہ حق صرف ماں کا ہوتا ہے کہ وہ

بچے کے باپ کے خصوصی دائرہ عمل کا تعین کرے اور یہی اسے اس طرح کے ضروری معاملات کی ذمے داری سونپے اور یہ فیصلہ بھی وہی کر سکتی ہے کہ اب زندگی خاوند بیوی کے مخصوص حلقے سے نکل کر بڑی فیملی کی طرف منتقل ہو چکی ہے، لہٰذا وہی اس کی حدود متعین کر سکتی ہے۔

⑥ آؤ کھیلیں اور دوڑیں:

خارجی دنیا کا سامنا کرنے کے لیے کھیل کود اور خوش طبعی کے ذریعے سے باپ ابتدائی مہینوں ہی سے اپنے بچے کا معاون اور مددگار بن جاتا ہے، یقیناً یہ کھیل کود بچے کو ایک دوسری قسم کے جسمانی لمس سے روشناس کراتی ہے، جو ماں کی تربیت ونگہداشت سے اور بچے کو اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لینے سے بالکل مختلف ہوتا ہے، اب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ نئی اشیا کو جاننے لگتا ہے اور مختلف قسم کی آوازوں اور خوشبوؤں کی پہچان حاصل کرتا اور نئی سے نئی دلچسپیوں سے آگاہ ہوتا ہے۔

ہمارے لیے صرف اتنا ہی مدنظر رکھنا کافی ہے کہ ماں کس طرح اپنے بچے کو پکڑتی اور اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیتی ہے اور باپ بھی کس انداز سے اپنے بچے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتا ہے، جو اپنے بچے کو بلندی ورفعت سے ہمکنار کرنے اور اسے ہواؤں کے دوش اڑانے کے لیے اپنا ایک ایک لمحہ وقف کیے رکھتا ہے۔

یہ بچہ جو پوری دنیا میں اپنی ماں کے علاوہ اور کسی کو جانتا پہچانتا ہی نہیں ہوتا، اسے اپنے باپ کے ذریعے ہی سے دنیا کو دریافت کرنے کا موقع ملتا ہے، جس کے کندھوں پر بڑی اہم اور بنیادی ذمے داری یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے معاشرتی زندگی کے لیے نشوونما عطا کرے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے آداب اور دیگر مہارتوں سے مزین کرے۔

⑦ کھیل اور خود مختاری:

باپ کے ساتھ کھیلنے سے بچے کو یہ موقع میسر آتا ہے کہ وہ اپنی نشو ونما کی مہم میں ایک نئے مرحلے کی طرف منتقل ہو جائے، وہ باپ جسے اپنے بچے کا اعتماد حاصل ہو چکا ہے، بلکہ وہ اس کے لیے ایک نمونہ اور آئیڈیل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، وہی بچے کو اس طرح کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر سکتا ہے کہ اسے اپنے بچے کے متعلق مکمل ادراک ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر کے اس نئے مرحلے کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ کر لینے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ خود مختاری یا خود اعتمادی کے سرٹیفکیٹ کا پورا پورا مستحق ہے۔

خود مختاری بچے کو محنت، احترام اور شفقت و رأفت کی اقسام میں سے ایک نئی اور انوکھی قسم سے روشناس کراتی ہے، اس قسم کو اختیار کو لینے سے بچہ بذات خود موثر اور انجام کار بن جاتا ہے، یہ دوسروں سے اخذ کرنے یا ان سے متاثر ہونے کا محتاج نہیں رہتا، اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں سے کس طریقے سے محبت کرے اور ان کی عزت وتوقیر کس طرح سے بجا لائے۔

بچے کے ساتھ کھیل کود کے ذریعے ہی سے اسے اپنی ذاتی صلاحیتوں پر اعتماد کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، اس طرح اس کے لیے کامیابیوں کا حصول ممکن ہو جاتا ہے، اس کے بعد یہ بچہ جس بھی مرتبے اور درجے پر فائز ہوتا ہے، اسے خود مختاری کی طرف بڑھنے والا کامیاب قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔

لٰہذا جو لوگ صاحبِ اولاد ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ کھیلیں، کودیں اور ان کے سامنے بچوں جیسی چال، ڈھال اور گفتار اختیار کریں اور یقین رکھیں کہ انسان کی انسانیت کو کھیل کود کے ساتھ پختگی اور استحکام نصیب ہوتا ہے۔

بچے کے اعتماد کو مضبوط کرنے کے لیے سات (7) اقدامات

آپ اپنے بچے کے دل میں اعتماد اور یقین کے بیج بو سکتے ہیں اور اسے تقویت بھی پہنچا سکتے ہیں، تاکہ وہ کسی بھی غلط کام کی وجہ سے خوف اور انتشار کا شکار نہ ہو سکے، اس کے لیے آپ اس کے مثبت رویوں کو سراہیں، اس سے جو کام مطلوب ہو اس کی مکمل وضاحت کریں اور اس کی بھرپور ترغیب دیں اور اسے اطمینان و سکون کا بھرپور شعور مہیا کریں، اس سلسلے میں ان شاء اللہ درج ذیل نکات بھی آپ کے لیے مددگار ثابت ہوں گے:

۱ بچہ ٹھوس قاعدے و قانون اور واضح نظم و ضبط کا محتاج ہوتا ہے، تاکہ اسے تحفظ کا احساس میسر رہے، لہٰذا آپ اس سے جس قسم کے اخلاق و کردار اور معاملات کو پسند کرتے ہوں، ان کے لیے واضح حدود کا تعین کر دیں اور کسی ایسے شخص کا بھی ضرور اہتمام کریں، جو مذکورہ بالا قواعد وضوابط کے متعلق آپ کے بچے کی خوب نگہداشت کرے، تاکہ بچے کا ذہن انتشار کی طرف مائل نہ ہو سکے۔

۲ جب اس سے کوئی غلط کام صادر ہو جائے تو اپنے بچے کو تنقید کا نشانہ بنائیں اور نہ اس پر کوئی برا لقب چسپاں کریں، آپ غلط رویے پر ضرور تنقید کریں، مگر بچے کو تنقید و ملامت سے مجروح نہ کریں۔ بجائے اس کے کہ آپ کہیں ''تو ایک بد ذوق بچہ ہے'' یوں کہیں: ''اپنے ساتھی کے ساتھ

تمہارے بے ذوق رویے نے اس کے جذبات کو مجروح کر دیا ہے۔"

۳ اسے ہمیشہ بتاتے رہیں کہ وہ آپ کے ہاں نہایت پیارا فرد ہے اور اس کے ساتھ اس کے تمام اچھے اعمال و اطوار کی توصیف و ستایش کرتے رہیں۔ مثلاً جب وہ اپنے بھائی کو اپنے کھلونوں میں سے سب سے اچھا اور عمدہ کھلونا پیش کرے، تو اس موقع پر آپ یوں کہیں: "تو بڑا بلند ہمت اور باوقار ہے۔"

۴ اس کو اپنے متعلق یہ بھی بتا دیا کریں کہ مجھ سے بھی بعض اوقات غلطی صادر ہو سکتی ہے، وہ اس طرح کہ آپ جلد بازی میں اپنے بچے کے کسی کام پر تنقید کرتے ہیں، حالانکہ وہ کام اس نے نہیں کیا تھا، تو آپ اس کے سامنے اپنے اس فعل پر معذرت کر لیں، تاکہ اسے معذرت کی فضیلت اور عظمت کا علم ہو جائے۔

۵ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے بچے کے لیے خوبی اور نفاست کے اسباب مہیا کرنے کی جدو جہد کریں، اس کے لیے اچھا طریقہ یہ ہے کہ آپ اسے یوں کہیں: "آؤ، اور یہاں بیٹھ کے کھیلو" بجائے اس کے کہ آپ اس سے کہیں: "اپنے بھائی سے دور ہو کر بیٹھو۔"

۶ جب آپ اس سے کسی مخصوص اور متعین کام میں معاونت کے طلب گار ہوں، تو اس کے سامنے اپنے مقصد کی خوب وضاحت کر دیا کریں، اسے یوں نہ کہیں کہ "کھلونوں سے راستہ بند ہو جاتا ہے" بلکہ اسے کہیں: "براہِ مہربانی اپنے تمام کھلونوں کو اکٹھا کر کے راستے سے دور صندوق کے اندر رکھ دو۔"

۷ یاد رکھیں کہ موقع بہ موقع آپ کا اپنے بچے کا شکریہ ادا کرنا بھی آپ کی ان

کوششوں کو بار آور کرتا ہے جو آپ اپنے بچے کے اعتماد کو مضبوط کرنے کے لیے کرتے ہیں، اس طریقے سے بچہ فہم و فراست کا مالک بنتا ہے اور اسے دوسرے لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کا فن آ جاتا ہے۔

شریعت کی روشنی میں تعلیم و تربیت

شریعت کی روشنی میں تہذیب اور اصلاح کے لیے چھے (6) تدبیریں:

① بچے (گھر میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کریں۔

② بچوں کو احکامات و اوامر کی اطاعت کا اور منہیات سے اجتناب کا حکم دیا جائے۔

③ بچوں کو نماز کا حکم دیا جائے۔

④ بچوں کے رویوں کی اصلاح یا ان کی پختگی کے لیے مسلسل جائزہ لیا جاتا رہے۔

⑤ بچوں کو روزے رکھنے کا حکم دیا جائے۔

⑥ بچوں کو کلمہ شہادت بولنے کی عادت ڈالی جائے۔



شریعت کی روشنی میں تہذیب اور اصلاح کے لیے چھے (6) تدبیریں

① بچے (گھر میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کریں:

گفتگو اور تعلیم و تربیت کے دوران میں بچوں کو گھر کے اندر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی خصلت کا پابند بنایا جائے، اس پر کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ عالی دلیل ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِّنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ [النور: 58]

”اے ایمان والو! تمھارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے) حدِ بلوغت کو نہیں پہنچے ہیں، ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے، (ایک) نماز فجر سے پہلے (دوسرے) جب تم دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) بعد عشا (یہ) تین وقت تمھارے

پردے کے ہیں، ان (اوقات) کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر، وہ بہ کثرت تمھارے پاس آتے جاتے رہیں، کوئی کسی کے پاس، اسی طرح اللہ تم سے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اپنے بندوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ غلام جب بے شعور اور غافل ہوں اور ایسے بچے جو ابھی تک سنِ بلوغت کو تو نہ پہنچے ہوں، مگر وہ ستر کے مفہوم سے واقف ہوں، انھیں چاہیے کہ وہ ان تین اوقات میں گھر والوں سے اجازت طلب کیا کریں اور یہ وہ اوقات ہوتے ہیں، جن میں عمومی طور پر لوگ ستر پوشی کا اہتمام نہیں کرتے۔“

اجازت لینے کا یہ عمل چوتھے سال سے شروع ہوتا ہے، جو بچوں کی سمجھ بوجھ کا ابتدائی عرصہ شمار ہوتا ہے، اس عمر میں حکم دینے کا یہ عمل بھی تعلیم و تربیت کا ایک حصہ ہے، تاکہ بچے کو اس حکم کی عادت اور اس پر عمل کرنے کی مشق ہو جائے اور بلوغت کے بعد اس کے لیے اس حکم کی تعمیل آسان ہو جائے اور وہ اس سے کسی قسم کی ناگواری یا بیزاری محسوس نہ کرے۔

② بچوں کو احکامات و اوامر کی اطاعت کا اور منہیات سے اجتناب کا حکم دیا جائے:

نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی آپ کے ساتھ ایک ہی سواری پر ہم رکاب تھے اور وہ ان دنوں چھوٹے سے بچے تھے۔ رسول مکرم ﷺ نے ان کو حکم

دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا احترام کریں، حقوقِ الٰہی کی حفاظت کریں، اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور اس کے منہیات سے اجتناب کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال کریں اور نہ کسی غیر اللہ سے مدد مانگیں۔ امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، ان کا بیان ہے:

« كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْماً، فَقَالَ: يَا غُلَامُ! إِنِّي مُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَ إِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ، قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ »

”ایک دن میں رسول اکرم ﷺ کے پیچھے (ایک ہی سواری پر ہم سفر) تھا، اس دوران میں آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! میں تجھے کچھ باتوں کی تعلیم دینے لگا ہوں: اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرو، وہ تیری پاسبانی کرے گا، اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرو، اسے اپنے روبرو پاؤ گے، جب تو سوال کرے تو صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کر اور جب تو مدد مانگے تو بھی صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگا کر اور یاد رکھ کہ اگر تمام لوگ تجھے فائدہ پہنچانے کا عزم کرلیں تو وہ تجھے اتنا فائدہ ہی پہنچا پائیں گے، جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر فرما دیا ہے اور اگر تمام لوگ تجھے کچھ نقصان پہنچانے کا پختہ ارادہ کرلیں تو وہ

تجھے اتنا ہی نقصان پہنچا پائیں گے، جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ قلمیں اٹھا لی گئی ہیں اور صحیفے سوکھ چکے ہیں۔"

اس حدیث شریف سے ہمیں دیگر فوائد کے علاوہ یہ فائدہ نصیب ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور یاد کے مفہوم کو حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے کہ اس کے حدود، حقوق، اوامر اور نواہی کی پاسداری کی جائے اور ان کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت کے ذریعے سے اس کے اوامر کی تعمیل اور اجتناب کے ذریعے سے اس کی منہیات سے کنارہ کشی کی جائے اور حدود اللہ کی توقیر و تعظیم کی جائے، لہٰذا جن اقوال و افعال کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، ان سے انحراف کرتے ہوئے ممنوعہ باتوں اور کاموں کی طرف رغبت نہ کی جائے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی کو اس بات کا حکم بھی دیا کہ وہ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے اور نہ وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگے۔

نبی کریم ﷺ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جس وقت ان باتوں کی تعلیم عطا فرما رہے تھے، اس وقت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما چھوٹے سے لڑکے تھے۔ یہ جو آپ ﷺ ان کو "یَا غُلَامُ" کے کلمہ سے خطاب فرمایا، تو اس سے مملوک مراد نہیں لیا گیا، بلکہ اس سے چھوٹا لڑکا مراد لیا گیا ہے۔[1]

③ بچوں کو نماز کا حکم دیا جائے:

بچوں کو لازمی طور پر نیکی کا حکم دینے کی ایک دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ

[1] الاحتساب علی الأطفال (ڈاکٹر فضل الٰہی)

نے تمام مسلمانوں کو اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر کو پہنچنے پر نماز کا حکم دیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو اس میں کوتاہی پر انھیں سزا دیں۔

① امام ابو داود، ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ نے سیدنا سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« مُرُوْا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا »[1]

''جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائے، تو نماز (میں غفلت اور کوتاہی کرنے) پر اس کی پٹائی کرو۔''

② امام احمد، ابو داود، دار قطنی اور بغوی رحمہم اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ »[2]

''اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں نماز ترک کرنے پر انھیں سزا دو اور اس عمر میں ان کے بستر بھی علاحدہ علاحدہ کر دو۔''

اس مقام کی مناسبت سے درج ذیل امور پر غور کرنا چاہیے:

◆① دونوں احادیث مبارکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے والدین، مربیوں

---

① سنن أبي داود [494] سنن الترمذي [407] المستدرك للحاكم [311/1]

② سنن أبي داود [495] مسند أحمد [180/2] سنن الدارقطني [230/1]

اور سرپرستوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ بیان شدہ تفصیل کے مطابق انھیں نماز پڑھنے کا حکم دیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تمھاری اولاد سات سال کی ہو جائے، تو اسے نماز ادا کرنے کا حکم دیں اور جب یہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کے ترک کرنے پر سزا دو۔

امام ابن عبدالسلام رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''نبی اکرم ﷺ کے اس حکم کے مخاطب بچے نہیں، بلکہ ان کے مربی اور سرپرست افراد ہیں۔''

۲ بچوں کے سرپرست اور مربی حضرات کو اس معاملے میں کسی قسم کا اختیار یا تجویز کا حق حاصل نہیں ہے، بلکہ ان پر رسول اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل لازم ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ [الأحزاب: 36]

''اور کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے بعد اپنے کسی معاملے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا، وہ یقیناً واضح گمراہی میں جا پڑا۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''ماں باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ادب و تہذیب سکھائیں، انھیں طہارت اور نماز کے احکامات و مسائل سے روشناس کریں اور

جب وہ سمجھدار ہو جائیں اور ان امور میں غفلت و کوتاہی برتیں تو انھیں سزا دیں، جو لڑکا محتلم اور لڑکی ایامِ رخصت کو دیکھ لے، یا وہ دونوں پندرہ سال کے ہو جائیں تو ان پر فرائض کو ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔"

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے قاضی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"بچے کے ولی پر واجب ہے کہ سات سال کی عمر میں اس کو طہارت اور نماز کے مسائل کی تعلیم دے اور اس کو نماز پڑھنے کا حکم دے اور دس سال کی عمر میں اس (یعنی نماز میں غفلت اور کوتاہی) پر اسے سزا دے۔"

چھوٹے بچوں کو اس عمر میں نماز پڑھنے کا حکم اس لیے دیا جائے گا، تاکہ وہ بچپن ہی سے نماز سے آشنا اور اس کے عادی ہو جائیں اور نماز ان کے روزمرہ کے لائحہ عمل کا ایک حصہ بن جائے، تاکہ بڑے ہو جانے کے بعد یہ فریضہ ان کے روزمرہ کا طریقہ کار اور معمول کا ایک عمل بن جائے۔ جیسا کہ علمی تحقیقات سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ چھوٹے بچے کو کسی بات پر لگانا اور اس کا عادی بنانا بڑوں کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے، کیونکہ عام طور پر کم سنی میں اس پر کوئی ایسی عادت غالب نہیں ہو چکی ہوتی، جو مطلوبہ چیز کو ماننے کی راہ میں رکاوٹ ہو اور نہ کسی پختہ بات کے ساتھ اس کا ایسا مضبوط تعلق قائم ہوتا ہے، جو حکم کردہ بات کی تعمیل میں مانع ہو۔

④ بچے کے رویوں کی اصلاح یا ان کی پختگی کے لیے مسلسل جائزہ لیا جاتا رہے:

صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ آپ اپنے بچے کو اعمال و اخلاق کے طریقے سکھا دیں، بلکہ ان پر مسلسل نگرانی بھی لازمی طور پر مطلوب ہے، تاکہ بچے کے اندر پیدا ہونے والی کج روی اور اس کی کنارہ کشی کی اصلاح ہوتی رہے اور فرائض کو ادا

کرنے میں لاحق ہو جانے والی کوتاہیوں کو درست کر لینے کا اسے پیغام ملتا رہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک رات بسر کرتے ہیں، ان دنوں وہ چھوٹے سے بچے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کچھ تاخیر سے گھر تشریف لائے، اس دوران میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سو چکے تھے، جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق دریافت فرمایا: ''کیا اس نے نماز پڑھ لی ہے؟''

امام ابو داود رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا:

« بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ مَا أَمْسٰى فَقَالَ: "أَ صَلَّى الْغُلَامُ؟" قَالُوا: نَعَمْ »[1]

''میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تاخیر سے تشریف لائے تو فرمایا: کیا چھوٹے لڑکے نے نماز پڑھ لی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔''

اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد یہ ہیں:

1 بچے کی نماز کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حد درجہ اہتمام:

باوجودیکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دنوں چھوٹے سے بچے تھے اور بلوغت کی حد کو بھی نہ پہنچے تھے، مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نماز کے متعلق متفکر ہو گئے اور تشریف لاتے ہی دریافت فرمایا: کیا بچے نے نماز پڑھ لی ہے؟

غلام کا لفظ، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق بچے پر ولادت سے لے کر اس کے سن بلوغت تک پہنچنے کے درمیانی زمانے کے دوران میں بولا جاتا ہے۔

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [1356]

۴ قرابتدار مہمانوں میں شامل بچے کی نماز کے متعلق لازمی توجہ کی ضرورت:

یہ صورت حال کس قدر افسوس ناک ہے کہ کچھ بچے ایسے ہیں کہ ان کے باپ یا مائیں (یا دونوں ہی) ان کی نمازوں کی سختی کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں، انھیں دین کی راہ پر گامزن کرنے اور برائیوں سے بچانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیوں اور صلاحیتوں کو صرف کر ڈالتے ہیں، لیکن یہی بچے جونہی اپنی خالہ، ماموں، نانی، یا پھوپھی، چچا اور دادی کے گھر پہنچتے ہیں، وہ یکسر تبدیل ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان کا معمول کا معیار ختم ہو جاتا ہے کہ یہاں نہ نیکی کا حکم دینے کا دستور موجود ہوتا ہے اور نہ برائی سے منع کرنے کی ادنا سی ہمت۔

اسی طرح وہ سب کچھ برباد ہو جاتا ہے، جسے بنانے کے لیے باپوں، ماؤں یا دونوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مہینوں بلکہ سالوں کی محنت کو صرف کر رکھا ہوتا ہے۔

⑤ بچوں کو روزے رکھنے کا حکم دیا جائے:

بچوں کو ان کی پابندی اور ذمے داری کی عمر سے پہلے کے طویل عرصے تک عبادات کو ادا کرنے کا عادی بنایا جائے، یہ ایک ایسا مثبت اور مفید لائحہ عمل ہے، جس سے اچھی عادتیں، ذمے داری کا احساس اور نظم وضبط کی خوبیاں ظہور پذیر ہوں گی۔

جس طرح بچوں کو نماز ادا کرنے کا پابند بنایا جائے، اسی طرح انھیں روزے رکھنے کا بھی حکم دیا جائے۔

بچوں کو نیکی کا حکم دینے کے دلائل وشواہد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے بچوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ علیہما نے سیدہ ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما سے

روایت نقل کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں:

« أَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَدَاةَ عَاشُوْرَاءَ إِلَى قُرَى الْأَنْصَارِ الَّتِيْ حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ: مَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، وَمَنْ كَانَ أَصْبَحَ مُفْطِراً فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، فَكُنَّا بَعْدَ ذٰلِكَ نَصُوْمُهُ وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا الصِّغَارَ مِنْهُمْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالىٰ، وَنَذْهَبُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ، فَإِذَا بَكَى أَحَدُهُمْ عَلَى الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهَا إِيَّاهُ عِنْدَ الْإِفْطَارِ »

''رسول اکرم ﷺ نے دسویں محرم کی صبح کو مدینے کے قرب و جوار میں موجود انصار کی آبادیوں میں یہ پیغام بھیجا کہ ''جو شخص صبح سے روزے سے ہے، وہ اپنا روزہ پورا کرے اور جو شخص کچھ کھا پی چکا ہے وہ بھی دن کے باقی ماندہ حصے میں اپنے روزے کو مکمل کرے۔

''اس کے بعد ہم خود بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے (اس دن کا) روزہ رکھتیں اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی روزہ رکھواتیں، ہم مسجد کی طرف جانے لگتیں تو بچوں کے لیے اونی کھلونے تیار کر کے لے جایا کرتی تھیں، جب ان میں سے کوئی کھانے کے لیے رونے لگتا تو ہم اسے افطاری کے وقت تک کھلونا دے دیتیں۔''

اس روایت سے ہمیں درج ذیل چھ (6) فوائد حاصل ہوتے ہیں:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بچوں کے روزوں کے متعلق حد درجہ اہتمام کرتے تھے، اس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے کھلونے تیار کرتے اور ان کے ذریعے سے وہ ان کو بہلائے رکھتے، تاکہ وہ کھانے کی طرف متوجہ نہ ہوں، اس طرح ان کا روزہ پورا کرایا جاتا تھا۔

② روزہ رکھنے والے یہ بچے صغیر السن ہوا کرتے، اس کا ثبوت سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ ''ہم اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی روزے رکھواتی تھیں'' اسی طرح ان کا یہ قول بھی دلیل ہے کہ ''ہم ان کے لیے اون سے کھلونے تیار کر لیا کرتی تھیں، جب ان میں سے کوئی کھانے کے لیے رونے لگتا تو ہم اس کا جی بہلانے کے لیے یہ کھلونے دے دیا کرتی تھیں'' ظاہر ہے کہ ایسا طریقہ چھوٹے اور معصوم بچوں کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے، بڑوں کے ساتھ تو بالکل نہیں۔

③ بچوں کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اس سلوک سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ ماں باپ کو چاہیے کہ جب وہ اپنے بچوں کو نیکی کا حکم دیں، یا برائی سے منع کریں، تو ان کے سامنے کوئی ایسی چیز رکھیں جو نیکی کے کام کو سر انجام دینے اور برائی سے اجتناب کرنے کے لیے ان کی معاون اور مددگار بن جائے۔

④ عاشورا کے دن اپنے چھوٹے بچوں کو روزہ رکھوانے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس حد تک شدید اہتمام تھا، تو رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد ان کا اپنے بچوں کو روزے رکھوانے کا کس قدر خیال ہوگا، اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، بچوں کے فرضی روزے رکھنے کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ کی نقل کردہ روایت میں بھی ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں ایک شخص نے شراب پی لی، اسے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پکڑ کر لایا گیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''وَيْلَكَ وَصِبْيَانُنَا صِيَامٌ فَضَرَبَهُ'' تیرا ستیاناس ہو! تو نے رمضان المبارک میں بھی شراب پی ہے اور ہمارے تو چھوٹے چھوٹے

بچے بھی روزے سے ہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی پٹائی کی۔

⑤ یہ جو بیان ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو عاشورا کا روزہ رکھواتے تھے تو اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہے، اس لیے کہ وہ یہ عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی یا انکار کا اظہار نہ فرمایا۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

''محدثین اور اصولیوں کے نزدیک راجح یہی ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ جب یہ کہے کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ کام کیا کرتے تھے''، تو اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہوتا ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عمل پر مطلع ہونا ایک کھلی اور واضح حقیقت ہے اور ان کے اس عمل پر مسلسل قائم رہنے کے زیادہ محرکات بھی یہی نظر آتے ہیں کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان احکامات کے متعلق پوچھ لیا تھا، پھر ان اعمال میں اجتہاد کا بھی کوئی دخل نہیں ہو سکتا، لہٰذا وہ جو بھی عمل کرتے اس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ساتھ وابستہ ہوتا تھا۔ واللّٰہ أعلم''[1]

⑥ اس حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عادت ڈالنے کی غرض سے بچوں کو روزے رکھوانا شرعاً جائز ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اس حدیث سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ عادت ڈالنے کے لیے بچوں سے روزے رکھوانا شرعاً درست ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں جس عمر کے بچوں کا تذکرہ ہوا ہے وہ تو شرعی احکامات کے پابند نہیں تھے، انھیں روزوں کا اگر حکم دیا جاتا تھا تو وہ صرف اس

[1] فتح الباري [201/4] (تھوڑے سے ردو بدل کے ساتھ)

وجہ سے کہ ان کو روزے رکھنے کی عادت ہو جائے۔''

امت کے بہت سے علما نے بھی اس بات کی تاکید کی ہے، مثلاً امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"كَانَ أَبِي يَأْمُرُ الصِّبْيَانَ بِالصَّلَاةِ إِذَا عَقَلُوهَا وَالصِّيَامَ إِذَا أَطَاقُوا"

''میرے والد (عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) بچوں کو نماز کا حکم دیتے تھے، جب انھیں نماز کی سمجھ حاصل ہو جاتی اور جب انھیں روزے رکھنے کی طاقت ہوتی تو انھیں روزے رکھنے کا حکم دیتے تھے۔''

اسی طرح امام عبدالرزاق رحمہ اللہ ہی نے ابن سیرین رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"يُؤْمَرُ الصَّبِيُّ بِالصَّلَاةِ إِذَا عَرَفَ يَمِينَهُ مِنْ شِمَالِهِ، وَبِالصَّوْمِ إِذَا أَطَاقَهُ"

''بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے جب اسے دائیں بائیں کی سمجھ آ جائے اور اسے روزے رکھنے کا حکم دیا جائے جب وہ روزہ رکھنے کی طاقت حاصل کرے۔''

⑥ بچوں کو کلمہ شہادت بولنے کی عادت ڈالی جائے:

انسانی زندگی میں گفتگو کرنے اور اسے بار بار دہرانے کا بڑا اہم کردار ہے کہ وہ اسی کلام کے مفہوم اور معنی کے مطابق ہی اپنی زندگی کا لائحہ عمل تشکیل دیتا ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ کلمہ شہادت جسے بچوں کی عملی و اخلاقی رویوں کی بولی کہا جا سکتا ہے، کے بار بار سوچنے اور دہرانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے بچوں کے افکار وعقائد کے علاوہ دیگر تمام تر رویے کلمہ شہادت کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں۔

یہی کلمہ مبارک ان کی تعلیم و تہذیب اور ان کے قانون و نظام کا منبع بن

جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ حق اور باطل اور صحیح و غلط کے مابین فرق و امتیاز پیدا کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے سلف صالحین نے بچوں کو کلمہ شہادت کے نطق و اظہار اور اس کی روشنی میں ان کی تعلیم و تربیت کا حد درجہ اہتمام کیا ہے۔

بچوں کو نیکی کا حکم دینے کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حد درجہ اہتمام کے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی پر زور مخالفت کے باوجود اپنے بیٹے کو اللہ وحدہ لا شریک کی الوہیت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صادقہ کی گواہی دینے اور اس کے اقرار و اعلان کا حکم دیا۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اسحاق بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے، انھوں نے اپنی دادی سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں، کہتی ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کے باپ اور ان کے شوہر سفر پر تھے، واپس آئے تو کہنے لگے: ''أَصَبَوْتِ؟'' (کیا تو بے دین ہو گئی ہے؟) انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا: ''مَا صَبَوْتُ، وَلٰكِنِّيْ آمَنْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ'' (میں نے بے دینی کو قطعاً اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ میں تو اس شخصیت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی (نبوت و رسالت) پر ایمان لائی ہوں) کہتی ہیں کہ اس کے بعد انھوں نے انس رضی اللہ عنہ کو تلقین کرنی شروع کر دی کہ وہ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کہے اور ''أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہے۔

راوی اسحاق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر انس رضی اللہ عنہ کا باپ اپنی زوجہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہتا: ''لَا تُفْسِدِيْ عَلَيَّ ابْنِيْ'' (تو میرے بچے کو بگاڑنے سے باز آجا) وہ جواب دیتی: ''إِنِّيْ لَا أُفْسِدُهُ'' (یقین جانیں میں اسے بگاڑ نہیں رہی ہوں)۔

نو (9) تربیتی پیغامات

① میری حد سے زیادہ ناز برداری نہ کیا کریں، آپ پوری طرح جان لیں کہ میں اپنی ہر خواہش کے حصول کو اپنے لیے لازم نہیں سمجھتا، میں تو صرف آپ کو آزمانا چاہتا ہوں۔

② آپ میرے ساتھ احتیاط، دور اندیشی اور مستقل مزاجی کا برتاؤ رکھیں، میرے لیے آپ کا یہ رویہ ہر اعتبار سے افضل اور اعلا ہے کہ مجھے آپ کے ایسے ہی رویے سے اپنے لیے تحفظ اور سلامتی کا احساس نصیب ہوتا ہے۔

③ آپ مجھے اس قدر آزادی بھی نہ دیں کہ میں بری عادات کا رسیا بن جاؤں۔ مجھے آپ کی ذات پر یقین ہے کہ آپ ایسی عادتوں کی پہلی فرصت میں کھوج لگائیں گے۔

④ آپ مجھے میری حقیقی عمر سے چھوٹا بنا کر نہ رکھیں، اس لیے کہ میں جب بھی بڑوں کا کردار ادا کرنے لگوں گا تو بے وقوفی، کند ذہنی اور بے عقلی میرے افکار و اعمال سے خوب ظاہر ہو گی اور ہاں! جہاں تک ممکن ہو سکے میری غلطیوں کی اصلاح کبھی دوسروں کے سامنے نہ کریں، اس کے بجائے آپ مجھ سے انفرادی طور پر بات کر لیا کریں کہ یہ طریقہ نہایت ہی موثر اور نتیجہ خیز رہے گا۔

⑤ آپ مجھے اس احساس میں بھی مبتلا نہ کریں کہ میری غلطیوں کا تعلق گناہ کے زمرے سے ہے، اس لیے کہ اس سے میری عقل اور میرا شعور اعلی

اخلاقی اقدار و روایات کے متعلق الجھن اور پیچیدگیوں کا شکار ہو جائے گا۔

۶ آپ مجھے میرے اعمال و اطوار کے نتائج سے بچانے کی کوشش نہ کریں، اس لیے کہ بعض اوقات مجھے مشکل اور ناگوار طریقے سے کچھ سیکھنے کی ضرورت لاحق ہو سکتی ہے۔

۷ میرے معمولی قسم کے درد و بخار کی وجہ سے پریشان نہ ہو جایا کریں، اس لیے کہ بعض اوقات یہ معمولی تکلیفیں مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے میری سواری بن سکتی ہیں۔

۸ آپ آپس میں اختلاف نہ کیا کریں، تاکہ میں اپنے آپ کو اس جھگڑے سے محفوظ رکھنے کے لیے خود کو بہرہ ظاہر کرنے پر مجبور نہ ہو جاؤں۔ مت بھولیں کہ میں بھی اپنے مافی الضمیر کا اظہار عمدہ طریقے سے کر سکتا ہوں، یہی وجہ ہے کہ میں ہر وقت گہرائی اور پوشیدگی کا شکار نہیں رہتا۔ جب آپ کے سامنے سوالات پیش کرنے لگوں، تو آپ مجھے اس سے منع نہ کیا کریں، اگر آپ نے ایسا کیا تو میں یہ سوالات آپ کے سامنے رکھنے سے تو رک جاؤں گا، مگر معلومات کے لیے کسی دوسرے ذریعے کو تلاش کر لوں گا۔

۹ آپ کے اندر اصول و قواعد پر مضبوطی و استقامت کا فقدان نہ ہونے پائے کہ میں الجھن اور پیچیدگی میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیات کے متعلق اپنے اعتماد و یقین سے بھی محروم ہو جاؤں گا۔ یہ مت سوچیں کہ میرے اندیشے کم عقلی یا نادانی پر مبنی اور مضحکہ خیز ہیں، بلکہ یہ واقعی اور حقیقی ہیں، لہٰذا آپ کے لیے جہاں تک ممکن ہو سکے، میرے اطمینان کو برقرار رکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ کوششیں بروئے کار لائیں۔

۱۰ آپ دونوں اس بات کا ہلکا سا اشارہ بھی نہ دیا کریں کہ آپ ہر لحاظ سے

کامل ہیں یا یہ کہ آپ کسی بھی قسم کی غلطی کر ہی نہیں سکتے، اس لیے کہ جب مجھے معلوم ہو جائے گا کہ آپ غلطیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں تو مجھے شدید ٹھیس پہنچے گی اور ہاں یہ خیال بھی نہ کریں کہ آپ کی طرف سے معذرت، میرے دل کے اندر آپ کے لیے موجود احترام کو کم کر دے گی، بلکہ سچی اور واضح معذرت تو مجھے آپ کے ساتھ حد درجہ گرم جوشی کے احساس سے سرشار کر دے گی۔

یہ مت بھولیں کہ میں تجربات کا خواہش مند ہوں اور میں اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتا، اس لیے میرے تجربات کے معاملے میں آپ کو صبر کے زیور سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

یہ بھی نہ بھولیں کہ میں تیزی کے ساتھ نشو و نما کے مراحل طے کر رہا ہوں، ہوسکتا ہے کہ آپ کے لیے میری تیز رو نشو و نما کی ہمرکابی ممکن نہ ہو سکے، لیکن آپ سے میرے دوش بدوش رہنے کی درخواست ضرور کرتا ہوں۔

یہ بھی نہ بھولیں کہ مجھے کامیابی کے مراحل طے کرنے کے لیے بہت زیادہ محبت اور مفاہمت و موافقت کی ضرورت لاحق ہے کہ اس کے بغیر میری کامیابی ناممکن ہے، تاہم مجھے اس کے لیے آپ کو یاد دہانی کرانے کی ضرورت نہیں ہے... کیا اسی طرح نہیں ہے؟

محبت کے ذریعے سے تہذیب و اصلاح

باہمی محبت کی تعمیر کے لیے مددگار ذرائع:

1. محبت اور ہمدردی اولاد اور ماں باپ کے باہمی تعلقات کی بنیاد ہیں۔
2. احترام و تعظیم اور قدر افزائی دونوں طرف سے مطلوب ہوتے ہیں۔
3. نقالی اور پیروی بچوں کی ایک قدرتی خصلت ہوتی ہے، اس سلسلے میں ماں باپ پر بہت بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔
4. اولاد کے درمیان میں ماں باپ کی موجودگی اور ان کا براہ راست لمس بڑی اہمیت رکھتا ہے۔
5. پسندیدگی راستے کی ابتدا ہے۔
6. شکر عمل بھی ہے اور ایک رویہ بھی۔
7. اپنے بچے کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کریں۔
8. اپنی محبت کے اظہار سے آپ کا مرتبہ اور وقار قطعاً مجروح نہیں ہوگا۔

محبت کے ذریعے سے تہذیب و تربیت کے پانچ طریقے:

1. اپنے بچوں کو بوسہ دیجیے، ان کے ساتھ نرمی، شفقت اور عفو و درگزر کا طریقہ اپنائیے۔
2. معمولی قسم کی غلطیوں سے درگزر کیجیے اور نرمی و ملائمت سے ان کی اصلاح کیجیے۔
3. جن سے آپ محبت کرتے ہوں، ان سے ہمدردی کیجیے۔

④ اپنے پیاروں کی قدر افزائی کیجیے۔

⑤ جن سے آپ کو پیار ہے، ان سے محبت، شفقت اور ہمدردی سے لبریز گفتگو کیجیے۔

محبت کے ذریعے سے بچوں کی تربیت اور اصلاح سے ایسا لائحہ عمل تشکیل پاتا ہے، جو حد درجہ مفید اور مثبت رویوں پر مبنی ہوتا ہے، جس سے طاقتور جذبہ و ولولہ اور باطنی شعور و ادراک پیدا ہوتا ہے، جو اس لائحہ عمل کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے ساتھ اس کے بقا و دوام کا بھی ضامن ہوتا ہے، جب کہ خوف اور ڈر کے سائے میں ملنے والی تربیت بعض اوقات فوری نتائج تو ضرور مہیا کر دیتی ہے، لیکن اس سے وہ نتائج اور ثمرات قطعاً حاصل نہیں ہو سکتے، جو محبت کے ذریعے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

پسندیدگی راستے کی ابتدا ہے

پسندیدگی محبت کی بنیاد ہوتی ہے، اس کے بغیر کوئی بھی انسان محبت کا رشتہ قائم کر ہی نہیں سکتا، اس لیے ماں باپ کی طرف سے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ وہ اپنے روز مرہ کے تعلقات اور رویوں پر خاص توجہ رکھیں، تا کہ وہ اپنی اولاد کی نظروں میں پسندیدگی اور محبوبیت کا مقام حاصل کر لیں۔

ہم جو مسلمان ہیں، ہمارا نظریہ دوسروں سے یکسر مختلف ہے، ہمارے نزدیک پسندیدگی ذاتی نمونہ اور مثال پیش کرنے کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ بیٹا اپنے باپ کو پسند کرتا ہے، تا کہ وہ اس کے اندازِ حیات سے اور اس کے رویوں سے فیض یاب ہو اور اس کی رجولیت سے آدابِ زندگی کو سیکھے اور بیٹی اپنی ماں سے سیکھتی اور اسے پسند کرتی ہے، تا کہ وہ اس سے نسوانیت کے امتیازات اور خصائص کو سیکھے۔

جب کہ یورپین اور ان کے ہمنواؤں کا فکر و عقیدہ اس کے برخلاف ہے۔ وہ قدیم یونانی قصوں کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ محبت اور پسندیدگی کا یہ عمل بیٹے اور اس کی ماں کے درمیان اور بیٹی اور اس کے باپ کے درمیان انجام پاتا ہے، فرائڈ جیسے بعض نفسیاتی ماہرین اور اطبا نے اسی نظریے کو بنیادی قرار دیا ہے، یہ ان کے نزدیک پیچیدہ انسانی راز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے یہ انوکھے اور نرالے نظریات اپنے گھونسلوں کے اندر ہی زوال پذیر ہو گئے اور دینی و اخلاقی میدان میں شکست اور ہزیمت سے دوچار ہونے سے پہلے ہی علمی دلائل اور براہین کے سامنے بے بس ہو گئے ہیں۔

شکر عمل بھی ہے اور ایک رویہ بھی

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ﴾ [السبا: 13]

"اے داود کے خاندان والو! تم شکر گزاری کے لیے (نیک) کام کرو۔"

خاندانی زندگی میں شکر کو روز مرہ کے ایک رویے کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ احسان کرنے والے اور اس سے مستفید ہونے والے کے درمیان دوطرفہ اعتراف ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنے سے پسندیدگی کے بعد محبت کا شعور پیدا ہوتا ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ محبت پسندیدگی اور شکر ہی کا ثمرہ ہوتی ہے۔

اسی بنا پر رسول کریم ﷺ کی اطاعت اور پیروی آپ ﷺ سے محبت کا ہی ثمرہ ہے اور آپ ﷺ سے محبت آپ ﷺ کے پسندیدہ ہونے کا اظہار ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے فرامین مبارکہ بھی اسی حقیقت کی تائید کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ »[1]

"جس شخص کے اندر تین خصلتیں پائی جائیں، وہ ان کے ذریعے سے ایمان کی مٹھاس سے بہرہ ور ہو جاتا ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [16] صحيح مسلم، رقم الحديث [43]

رسول ﷺ اس کے نزدیک ان کے سوا باقی سب کائنات سے زیادہ محبوب ہوں، وہ جس سے بھی محبت کرے، صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہی کرے اور اسے کفر کی طرف لوٹنا ایسے ہی ناپسند ہو، جیسے اسے آگ کے اندر جانا ناگوار ہوتا ہے۔''

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»[1]

''تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک (کامل) ایماندار نہیں ہو سکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔''

یہ احادیث مبارکہ نبی اکرم ﷺ کی تکریم و تعظیم اور آپ ﷺ کی اقتداو پیروی کے مقصد کے لیے بنیاد کا تعین کر رہی ہیں، جو رسول اکرم ﷺ کی محبت کی شکل میں موجود ہوتی ہے، جسے نظموں نعتوں، یا جشن اور تہواروں سے نہیں بلکہ عملی رویوں اور روز مرہ کی کارگزاریوں کی صورت میں ظاہر کرنا مطلوب ہے۔

آپ ﷺ کے ارشادِ گرامی میں، آپ ﷺ کی اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو ان کے سوا باقی ساری دنیا سے عزیز تر جاننے کو ایمان کے کمال کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے، اس سے ہمیں یہ خلاصہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے محبت کو ادب و احترام اور تکریم و تعظیم کی بنیاد قرار دیا ہے۔

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [15] صحیح مسلم، رقم الحدیث [44]

اپنے بچے کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کریں

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ»[1]

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرتا ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی محبت کے متعلق اپنے بھائی کو بھی آگاہ کرے۔''

یہ ہر انسان کی ذاتی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ کسی بھی عمر کا ہو، تاہم چھوٹا بچہ اس کا زیادہ مستحق ہوتا ہے اور اسے سب سے زیادہ ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ وہ اس کلمے کو سنے اور اس کے ولولہ و جوش اور اس کی برکتوں سے مستفید ہو سکے۔

میں نے بہت سارے لوگوں کو یہ شکایت تو کرتے سنا ہے کہ ان کے ماں باپ یا ان کی بیویاں ان سے محبت کا اظہار نہیں کرتے، یا بالکل ہی تھوڑا کرتے ہیں، مگر یہ شکایت کرتے انھیں کبھی نہیں سنا کہ ان کے ماں باپ یا کوئی دوسرا شخص ان کے سامنے اپنی محبت کا بہت زیادہ اظہار کرتے ہیں۔

میرے خیال کے مطابق ''میں تجھ سے محبت کرتا ہوں'' کے جملے سے زیادہ آسان کوئی بھی شَے نہیں ہے، لیکن (اسباب و وجوہات سے قطع نظر) اکثر لوگ یہ جملہ بولنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ خیال لاحق ہوتا ہے کہ جس شخص سے انھیں محبت ہوتی ہے، وہ ان کلمات کے سننے کا محتاج نہیں ہوتا یا یہ کہ اگر اسے یہ کلمات کہے بھی جائیں تو وہ ان کی تصدیق نہیں کرے گا۔

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [5124]

بعض اوقات عناد اور شرمندگی وغیرہ بھی ہمیں ان کلمات کے اظہار سے روک دیتے ہیں، غرض کہ اسباب اور وجوہات خواہ کوئی بھی ہوں، اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتے، بلکہ ان کے مد مقابل ایسے اہم ترین اسباب موجود ہیں، جو ہمیں دوسروں کو ان کے ساتھ اپنی محبت کے متعلق آگاہ کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

آپ نے یہ کلمات زیادہ سنے ہیں یا تھوڑے یا بالکل ہی نہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر اہمیت اس بات کو ہے کہ ''میں آپ سے محبت کرتا ہوں'' کے کلمات سن کر لوگوں کو اطمینان و راحت اور قلبی سکون نصیب ہوتا ہے، یہ کلمات انھیں باور کراتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں اکیلے نہیں ہیں، بلکہ آپ ان کو اہمیت دیتے اور انھیں اپنی ذاتی عزت و وقار کی سربلندی کا احساس دلاتے ہیں، اس کے ساتھ آپ انھیں راحت اور اطمینان سے بھی آشنا کرتے ہیں۔

یہ کلمات انسانی روح پر سب سے زیادہ موثر ہوتے ہیں، اس لیے کہ جس شخص کو اپنے ساتھ دوسروں کی محبت کا علم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے اپنی محبت کے متعلق آگاہ کیا ہوتا ہے، اس کے لیے ان کی محبت کے بدلے میں اپنی محبت کا عطیہ کرنا آسان ہو جاتا ہے، اس طرح اسے سکون و اطمینان اور اعتماد و یقین کے ثمرات نصیب ہو جاتے ہیں۔

ہمارے پاس بہت سارے ایسے اوقات و لمحات موجود ہوتے ہیں، جن میں آپ اپنی محبت کا اظہار کر سکتے ہیں، مثلاً گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت اور صبح سویرے اور نیند کرنے سے پہلے، اس طرح ہم خاندان کے دائرے میں ان کلمات کو بولنے کے عادی بن سکتے ہیں، فون پر ایک دوسرے سے گفتگو کے دوران ریسور رکھنے سے پہلے کہہ سکتے ہیں کہ ''مجھے آپ سے بہت محبت ہے'' اسی طرح اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے سے پہلے تو دیگر مشکلات سے قطع نظر، ان کلمات

کا اظہار نہایت ہی آسان ہے اور اپنے اندر بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

اسی طرح جب ہم اپنے بچوں کے سامنے ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کریں گے تو وہ حد درجہ خوش ہوں گے اور ان کے چہرے کھل اٹھیں گے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اس کے بدلے میں ہمارے ساتھ محبت کریں گے، جب وہ ہم سے محبت کریں گے تو ہمیں اپنے لیے مثال اور نمونہ بھی بنا لیں گے، اس طرح محبت کے ذریعے سے ان کی تربیت ہو جائے گی۔

اپنی محبت کے اظہار سے آپ کا مرتبہ اور وقار قطعاً مجروح نہیں ہوگا

لیکن (افسوس کی بات ہے کہ) بہت سارے ماں باپ یہ گمان کر کے غلطی کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہہ دیں گے: ''میں تجھ سے محبت کرتا/کرتی ہوں'' یا اپنے بیٹے یا بیٹی کا بوسہ لے لیں گے تو ایسا کرنے سے ان کا اپنے بیٹے یا بیٹی کے ہاں مرتبہ و مقام گر جائے گا، نہ صرف یہی بلکہ ان پر کنٹرول بھی کمزور ہو جائے گا۔

کتنے ہی لوگ اس دنیا میں موجود ہیں، جنھیں ایک دن بھی ایسا یاد نہیں آتا کہ جس میں انھوں نے اپنے والدین کے منہ سے محبت بھرا ایک لفظ ہی سنا ہو اور انھیں کوئی ایسا دن بھی یاد نہیں آتا کہ جس میں ان کے ماں باپ نے ان کا بوسہ لیا ہو، اس لیے کہ ماں باپ اپنی اولاد کو بوسہ ضرور دیتے ہیں، مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب اولاد صغیر السن ہوتی ہے اور جیسے ہی ان کی اولاد کا شعور و ادراک بڑھنے لگتا ہے، تو ماں باپ ان کے سامنے محبت کی علامات، مثلاً ان کو بوسہ دینے، گلے لگانے اور ان کے سامنے اپنی محبت کے زبانی اظہار سے بھی رک جاتے ہیں۔

یہ دونوں قسم کے ماں باپ بہت ہی زیادہ غلطی کا شکار ہیں، اس لیے کہ محبت کے اظہار سے ہمارا مرتبہ اپنی اولاد کے ہاں بلند سے بلند ہوتا ہے، وہ ہماری زیادہ فرماں برداری کرنے اور ہمیں راضی رکھنے کی کوشش کرنے لگتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت نقل کی ہے:

«قَبَّلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ جَالِسًا، فَقَالَ الْأَقْرَعُ: إِنَّ لِي عَشْرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحداً، فَنظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ»[1]

''رسول اللہ ﷺ نے (اپنے نواسے) حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا، اس وقت آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بھی موجود تھے، انھوں نے کہا: میرے دس بچے ہیں، مگر میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ یہ روایت نقل فرمائی ہے:

«جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: تُقَبِّلُونَ الصِّبْيَانَ؟ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَ أَمْلِكُ لَكَ إِنْ نَّزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ؟»[2]

''ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا: آپ لوگ اپنی اولاد کا بوسہ لیتے ہیں؟ ہم نے تو کبھی ان کا بوسہ نہیں لیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ہی نے تیرے دل سے رحمت کو سلب کر لیا ہے، تو بھلا میں تیرے لیے کیا اختیار رکھ سکتا ہوں؟''

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5651] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2318]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5652] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2317]

ہاں! اگر محبت کے اظہار و اعلان سے مقصد یہ ہو کہ محبوب سے اپنی محبت کے بدلے میں کچھ ایسے واجبات کا مطالبہ کیا جائے، جنھیں محبت کرنے والا اپنی محبت کی وجہ سے اپنا حق سمجھتا ہے، تو پھر اظہارِ محبت کا یہ طریقہ خوش کن نہیں ہو سکتا۔ اگر مجھ سے کوئی بھی شخص محبت کرتا ہے تو اس کا ذمے دار وہی خود ہے، مجھ پر اس کا کوئی حق صرف اس بنا پر لازم نہیں ہو جاتا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، نہ مجھ پر اس کے کسی قسم کے حقوق واجب ہو جاتے ہیں۔

محبت کے ذریعے تہذیب و تربیت کے پانچ (5) اقدامات

① اپنے بچوں کو بوسہ دیجیے، ان کے ساتھ نرمی اور عفو و درگزر کا طریقہ اپنائیے:

بعض لوگوں کے ہاں ایک انوکھا اور حیرت انگیز انسانی رویہ پایا جاتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی غلطیوں سے حد سے زیادہ عفو و درگزر کر جاتے ہیں، جو انھیں بالکل پسند نہیں ہوتے، یہ ان کا بوسہ لینے کی وسعت اور کشادگی اپنے دلوں میں پیدا کر لیتے ہیں اور ان کی بعض غلطیوں کو بھی کھلے دل کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں، مگر وہ یہی عفو و درگزر کا مثبت رویہ اپنے محبوب لوگوں، خاص طور پر اپنی اولاد یا اپنے جیون ساتھیوں کے ساتھ اختیار کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

اولاد کی لغزشوں اور ان کے پریشان کن رویوں (مثلاً بغض و عناد، رونا چلانا، گھریلو سامان کی توڑ پھوڑ اور درازوں اور صندوقوں کا کھولنا وغیرہ) پر درگزر کر جانا ایک سچی محبت کی دلیل ہوتی ہے اور اولاد کے نامناسب رویوں کی اصلاح کے لیے ایک پُل کا کردار ادا کرتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ یہ اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ آپ کی محبت اپنے بچے کے ساتھ اس کے کسی بھی رویے کے ساتھ مشروط نہیں ہے، خاص طور پر جب کہ وہ دس سال کی عمر سے کم ہوں کہ عمر کا یہ حصہ تعمیرِ تربیت اور راہنمائی کا عرصہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ محبت، مثبت اور مفید تربیت کے لیے اہم ترین ستون کا درجہ رکھتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی اولاد کے لیے اور اپنے نواسوں کے لیے اسی

طریقے کو اختیار فرمایا اور آپ ﷺ نے اولاد کی محبت اور پھر ان کی تہذیب و تربیت کے لیے شاندار مثالیں عطا فرمائی ہیں۔

② معمولی قسم کی غلطیوں سے درگزر کیجیے اور نرمی و ملائمت سے ان کی اصلاح کیجیے:

معمولی قسم کی غلطیاں ہماری خاندانی زندگی میں بے شمار پائی جاتی ہیں، کھانے پینے اور پہننے کے طریقوں میں اور گرد و پیش میں موجود اشیا کے ساتھ بچوں کے رویوں میں بہت زیادہ غلطیاں موجود ہوتی ہیں، جنھیں ماں باپ مسلسل دیکھتے رہتے ہیں۔ کچھ تو ان غلطیوں کو قبول کر لیتے ہیں اور کھلے دل کے ساتھ ان کی اصلاح کرتے ہیں، جب کہ کچھ لوگ منفی انداز اختیار کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد کو معاف کرنے کے روادار نہیں ہوتے، بلکہ اولاد کو سخت ترین سزا دینے یا ظلم، سختی اور سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، یقیناً یہ طریقہ ایسے ماں باپ کا ہی ہو سکتا ہے جنھیں اپنی اولاد کے ساتھ محبت نہیں ہوتی۔

غلطی کرنا انسان کی عادت اور فطرت ہے، جب کہ بہترین خطا کار وہ ہوتا ہے جو اپنی غلطی پر معذرت طلب کر لیتا ہے، یہ تو سب سے بڑا غلط طریقہ ہے کہ بچے سے صادر ہونے والے ہر غلط رویے پر توجہ مرکوز کر دی جائے اور پھر بچے کی پوری شخصیت پر اس کی چھاپ لگا دی جائے یا اسے اس غلط رویے کے ساتھ مستقل طور پر متصف کر دیا جائے، مثال کے طور پر بچے کے ہاتھ سے پیالی گر جاتی ہے تو باپ اسے احمق، کم ہمت اور ناکام قرار دے دے۔ یہ بدترین ترغیب ہے اور انتہائی منفی تربیتی لائحہ عمل ہے۔

اچھا مربی وہ ہوتا ہے جو یہ فیصلہ کر لے کہ وہ دن بھر کی معمولی درجے کی اور

بے ضرر قسم کی غلطیوں کو توجہ نہیں دے گا، صرف یہی نہیں بلکہ وہ ان غلطیوں کی مختلف طریقوں سے اصلاح کی سنجیدہ کوشش کرے گا، نہ کہ ان پر توجہ کو مرکوز رکھے گا۔

چند معمولی قسم کی غلطیوں پر توجہ مرکوز نہ کرنے اور ان پر ہلکان ہونے کے بجائے انھیں ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے سے تربیت کار کو سکون اور اطمینان نصیب ہو سکتا ہے، اس طرح سے وہ صبر، حوصلہ اور برداشت جیسی صفات سے خود کو آراستہ کر سکتا ہے۔ اچھے اور کامیاب تربیت کار کے لیے یہ اعلا صفات ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

③ جن سے آپ محبت کرتے ہوں، ان سے ہمدردی کیجیے:

اولاد کے ساتھ ہمدردی کا رویہ کوئی آسان عمل نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، یہ تو فکر اور سوچ میں واضح ترتیب کا اور اچھے رویے اور برتاؤ کا ایک فن ہے، جو ایک اعلا انسانی مقصد کو وجود میں لانے کا باعث بنتا ہے۔

بچے کے ساتھ ہمدردی کو، تہذیب و تربیت کے لیے ایک موثر قسم کا ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے، یہ انسان کو بلند ترین مقاصد و اغراض کے ساتھ نہایت ہی اچھے طریقے سے منسلک رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے اور اسے انتقامی ردعمل سے محفوظ رکھتا ہے، جو بعض اوقات مربی کے طرز عمل کے ۔یے بنیادی محرک کے طور پر موجود ہوتا ہے اور بدترین نتائج کا موجب ہوتا ہے، اس شخص کی طرح جس نے اپنے معصوم بچے کو کیلوں سے بھری چھٹی کے ساتھ پیٹا، جو بالآخر معصوم بچے کے ہاتھ کٹوانے پر منتج ہوا۔

اے باپ! آپ اپنے بچے کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا رویہ اپنا کر تجربہ کر لیں، آپ کو اس کے حیرت انگیز نتائج ملیں گے اور آپ کو زندگی بھر کے

لیے آسودگی، راحت اور اطمینان بھی نصیب ہوگا، صرف یہی نہیں بلکہ آپ کے پورے خاندان کو خوشی اور مسرت کے ثمرات نصیب ہوں گے۔

④ اپنے پیاروں کی قدر افزائی کیجیے:

یہ صورت نہایت ہی بدترین ہے کہ آپ اپنے گھر کے اندر اپنے محبوب سے اجنبی بنے رہیں یا اپنے گھر کے افراد سے لاتعلقی اختیار کیے رکھیں، اس طرح کی لاتعلقی سے بالعموم بے وقاری کے تلخ ثمرات ملتے ہیں اور یہ عام طور پر اس وقت ہوتا ہے، جب ہم اپنے احترام وتکریم کے جذبات کو عمدہ کلام اور بہتر سلوک کے ذریعے سے ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہوں۔

بچہ ضرورت مند ہوتا ہے کہ ہم اسے اس کی عزت وتکریم کا احساس دلائیں، یہ ضرورت جس قدر لازم ہے اتنا ہی آسان بھی ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم اس ضرورت کو حد درجہ سادہ اور آسان طریقوں سے مکمل کر سکتے ہیں، جن کے لیے ہمیں کسی قسم کے تکلف کی بھی حاجت نہیں ہوتی، بلکہ یہ بچے کی تعریف کر دینے، اس کے ساتھ مسکرانے اور اس کی ہر قسم کی دوسری کامیابیوں کے اقرار واعتراف کر دینے کے ذریعے سے بڑی ہی آسانی کے ساتھ مہیا ہوسکتی ہے۔

''شکریہ''، ''جزاک اللہ خیرا''، ''آپ نے بہت ہی اچھا کیا ہے'' اور ''ماشاء اللہ'' جیسے کلمات بڑے ہی مثبت کلمات ہیں۔ اگر ان کے ساتھ تبسم، مسکراہٹ اور چہرے کے خوشی بھرے تاثرات بھی شامل ہو جائیں تو یقیناً اس سے آپ دوسروں کی عزت واحترام کی بھوک کو خوب مٹا سکتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص عزت واحترام کے احساس سے خوب مالا مال ہوتا ہے، وہ خیر اور بھلائی کے تمام تر حالات وظروف کے لیے ہر وقت مستعد اور حق کا مطیع بنا رہتا ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنی عزت کرنے والوں سے شدید

محبت کرتا ہے، ان کی باتوں کو توجہ سے سنتا اور ان کی طرف سے کی گئی ہدایات اور نصیحتوں کی خوب پیروی کرتا ہے۔

⑤ جن سے آپ کو پیار ہے، ان سے محبت، شفقت اور ہمدردی سے لبریز گفتگو کیجیے:

اولاد کے ساتھ گفتگو یا ان کے ساتھ معاملات میں، درشتی اور سختی، یا ان کے ساتھ استہزا اور تمسخر کا انداز نہایت ہی برا طریقہ ہے، جسے بعض تربیت کرنے والوں نے اختیار کر رکھا ہے، اس طرح کے سلوک کے نتائج حد درجہ خطرناک ہوتے ہیں، معاملات کرتے وقت بچوں کے ساتھ بے دردی اور کرختگی کا رویہ انھیں ذلت اور حقارت کے احساس سے دو چار کر دیتا ہے، جو بالآخر انھیں احساس کمتری اور بے قیمتی اور بچپنی کے ظلم و زیادتی اور جبر کی سوچوں کا اسیر بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ سخت رویہ بعض اوقات بچوں کو اپنی ذات میں سکڑاؤ اور عمومی جسمانی کمزوری کی طرف مائل کر دیتا ہے، یا ان کے اندر مختلف قسم کے انتقامی ردعمل کی صورت میں بھی اس کا ظہور ہو سکتا ہے، جیسا کہ بغاوت، سرکشی، ہکلاہٹ، غیر اختیاری طور پر پیشاب کا خطا ہو جانا، ظلم و زیادتی کی طرف میلان اور تعلیمی پسماندگی وغیرہ۔

لہٰذا اپنے بچوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ان کے ساتھ محبت اور پیار بھری گفتگو کو ایک بنیادی تربیتی ضرورت کا درجہ حاصل ہے، اسے ہر صورت مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ مختصراً یہ کہ اگر آپ اپنے بچوں کو محبت کے ذریعے متادب بنانا چاہتے ہیں تو پھر:

⊙ اپنے بچوں کو بوسہ دیجیے، ان کے ساتھ نرمی، شفقت اور عفو و درگزر کا

طریقہ اپنایئے۔

- معمولی قسم کی غلطیوں سے درگزر کیجیے اور نرمی و ملائمت سے ان کی اصلاح کیجیے۔
- جن سے آپ محبت کرتے ہوں، ان سے ہمدردی کیجیے۔
- اپنے پیاروں کی قدر افزائی کیجیے۔
- جن سے آپ کو پیار ہے، ان سے محبت، شفقت اور ہمدردی سے لبریز گفتگو کیجیے۔

مسکراہٹ، گفتگو اور بہترین پرورش، بچے کو منظّم زندگی گزارنے کے لیے حوصلہ مہیا کرتی ہیں:

میری پیاری بہن "ماں"!

آپ کے بچے کی زندگی میں جس وقت نظم و ضبط داخل ہو جائے گا، اسی وقت ہی تم دونوں کے آنسو بھی تھم جائیں گے۔ جہاں آپ کے بچے کو سکون و آسودگی نصیب ہو جائے گی، وہاں آپ کے اعصاب بھی پرسکون ہو جائیں گے۔ لہٰذا آپ جب بھی اپنے بچے کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا کریں، تو پوری قوت اور یقین کے ساتھ اس کی نگرانی بھی ضرور کیا کریں، مگر سخت رویے اور گھبراہٹ سے احتراز کریں، اس لیے کہ احکامات دیتے وقت آپ کا درشت رویہ، گھبراہٹ اور غیر یقینی انداز آپ کے بچے کو غصے کے دورے میں مبتلا کر سکتا ہے، اس کے علاوہ آپ خود بھی کھچاؤ اور تناؤ کی کیفیت سے دو چار ہو سکتی ہیں۔

آپ نظم و ضبط کی تعلیم دیتے وقت خاص طور اور بچے کی عمومی زندگی میں عام طور پر جسمانی سزا کو اپنے طریقہ کار سے خارج کر دیں، اس سے یہ ضرور ہو گا کہ بچہ بعض اوقات اکیلے اپنی کی صورت میں مشکل امور کی انجام دہی سے

رک جائے گا، لیکن سدھار اور اصلاح کے لیے تو بہت لمبی مدت درکار ہوتی ہے۔

یاد رکھیں کہ جسمانی سزا سے صرف جسم ہی کو تکلیف نہیں پہنچتی، بلکہ یہ روح کو بھی کچل کر رکھ دیتی ہے۔ اس سے آپ کا بچہ دل برداشتہ ہوگا اور اسے کشیدگی اور تناؤ لاحق ہوگا، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا ہوگا کہ کس بنا پر آپ نے اپنا سارا غصہ اس پر نکال دیا؟

اگلی مرتبہ جب وہ کھانے کو زمین پر انڈیل دے، یا قالین پر اسے بکھیر دے، یا گھر پر آئے کسی بچے کو دانتوں کے ساتھ کاٹ لے، تو آپ گہری سانس (اوہو!) لیتے ہوئے درج ذیل نصیحتوں کو عملی جامہ پہنائیں، تاکہ آپ کا بچہ مثبت طریقے سے نظم و ضبط کو اختیار کرنے کے لیے آپ سے حوصلہ حاصل کرے۔

- اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ آپ کا بچہ جو ابھی تک دو سال کی عمر تک نہیں پہنچا، زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ اسے کہیں کہ ''ناں، ناں، یہ نہ کرو'' اور پھر اسے اس کام سے ہٹا کر دور لے جائیں، اس لیے کہ اس عمر کا بچہ ''ناں'' کے مطلب کے بجائے ''کیوں'' کے مفہوم کو سب سے پہلے سمجھنے کی قدرت رکھتا ہے۔

- آپ ہر نئی واردات اور ہر نئے واقعہ کا بچے کے ذہنی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے جائزہ لینے کی کوشش کرتی رہیں، چنانچہ جب بچہ اچانک کھانے کو پلیٹ سے نکال کر زمین پر انڈیل دے تو آپ خوب غور و فکر کریں کہ اس نے ایسا کیوں کر دیا ہے؟ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے خود اس کے سامنے کئی دنوں پہلے بند اشیا کو ڈبوں سے نکالنے کا طریقہ اختیار کیا ہو گا، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس نے بھی چیزوں کو ان کی جگہوں سے (کھانے کو پلیٹ وغیرہ سے) نکالنے کا ڈھنگ سیکھنے کی کوشش کی ہو۔

- یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ آپ کا کمسن بچہ اپنی من پسند اشیا ہی سے چھیڑ خوانی کرے گا، اگر عمومی طور پر آپ کبھی اس کی کسی مہم میں دخل اندازی کرنے کی ہمت کر بیٹھیں گی، تو آپ کو ہی ہار ماننا پڑے گی، اس لیے کہ وہ وہی بات سنے گا جو اسے پسند ہو گی۔ بجائے اس کے کہ آپ کھلونوں کو ترتیب دینے کے معاملے میں اس کے ساتھ زور آزمائی کریں، ایسا طریقہ سوچیں کہ وہ خود بخود اپنے کھلونوں کو مرتب اور منظم کرنے کی طرف مائل ہو جائے اور کوشش کریں کہ آپ کے احکامات کھیل کے انداز میں ہوں، مثال کے طور پر آپ یوں کہیں کہ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ میری دس نمبر تک گنتی پورا کرنے سے پہلے پہلے اپنے سب کھلونوں کو اکٹھا کر لو، یہ طریقہ حکم دینے اور پھر اس حکم کی تعمیل کے انتظار سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔
- آپ اپنے بچے کو سزا دینے کے بجائے، اسے حوصلہ دینے، سہارا مہیا کرنے اور تقویت پہنچانے کے طریقے کو آزمائیں، چنانچہ جب آپ کے بچے کو غصے کا دورہ لاحق ہو جائے، تو اس کے ساتھ خیر خواہی کا انداز یہ ہے کہ آپ اسے اس کے کمرے کے اندر ہی رہنے دیں، یہاں تک کہ اس کا غصہ فرو ہو جائے، لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ وہ بعض اوقات غصے کی حالت میں آپ کے تعاون، کردار اور نگرانی کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ اس کی ضرورت کے مطابق آپ کی طرف سے اس طرح کے اقدامات اور آپ کا رویہ اسے غصے کے دورے سے نجات حاصل کرنے میں حد سے زیادہ مدد فراہم کر سکتے ہیں، اس دوران میں جب وہ آپ کی گود میں ہو اور آپ کو محسوس ہو کہ وہ رونا چاہتا ہے، تو اس وقت آپ اسے اپنے ساتھ چمٹا لیں اور اس کے ساتھ بیٹھی رہیں، یہاں تک کہ اس کا غصے کا دورہ ختم ہو جائے،

بجائے اس کے کہ آپ اسے اپنے کمرے میں چلے جانے کا حکم دیں۔

- اپنے بچے کو معاشرتی علوم و آداب میں مہارت عطا کریں، آپ کے لیے ایسا کرنا اس وقت ہی آسان اور ممکن ہوسکتا ہے، جب کہ وہ خود بھی تعاون کرنے پر آمادہ ہو اور اس کا رویہ بھی مثبت ہو۔ آپ انعام سے ہمیشہ مادی شَے کو مراد نہ لیا کریں، بلکہ آپ کا بچہ تو آپ کی خوشی بھری مسکراہٹ، خوبصورت تعریفی کلمات اور شفقت بھری بغل گیری سے بھی اپنی خوش بختی کا احساس رکھتا ہے۔
- اپ اپنے بچے کے سامنے عمدہ اور اعلا نمونہ پیش کریں کہ آپ کا بچہ آپ کے اچھے اور اس باوقار طرزِ عمل کو سیکھنے کی کوشش کرتا ہے، جسے آپ اس کے اور دوسرے لوگوں کے سامنے اپنایا کرتی ہیں، جب آپ اپنے بچے سے کمرے کی ترتیب وغیرہ میں مدد کی طلب گار ہوں، تو پھر آپ اس کے ساتھ معاونت کی صورت میں عمدہ نمونہ پیش کرسکتی ہیں اور جب آپ سے اس کے کسی حق کے متعلق غلطی کا صدور ہو جائے، تو ایسے موقع پر آپ اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا کریں، تاکہ آپ کے بچے کو معلوم ہو جائے کہ خوف کی بنا پر اپنی غلطی چھپا دینے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ غلطی کا اقرار و اعتراف کرلیا جائے۔
- کوئی بھی معاملہ ہو، اس کے سمجھانے کے لیے آپ اپنے بچے کے لیے مثبت انداز کی وضاحت اور تشریح کا طریقہ استعمال کیا کریں، مثلاً آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا بچہ جرابیں پہنے، تو اس کے متعلق پوری وضاحت کے ساتھ یوں کہنا: ”جرابیں اس طرح پہنی جاتی ہیں“ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ آپ اس کے غلط طریقے سے جرابیں پہن لینے کا انتظار کرتی رہیں،

جب وہ پہن لے تو پھر آپ کہیں ''نہیں''! جرابیں اس طرح تو نہیں پہنی جاتیں''۔ اس کے علاوہ آپ ہمیشہ ''ہاں، ہاں! یہ تو بہت ہی بہتر ہے، اسے مکمل کر لو'' جیسے کلمات استعمال کرتی رہا کریں، نہ کہ آپ یوں کہیں کہ ''ناں! رک جاؤ۔''

- آپ جب روز مرہ کے معمولات کے لیے کچھ حدود وضوابط طے کر لیتی ہیں، تو ان کا خوب التزام کریں اور ان کو قطعاً ترک نہ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ، اس بات کا بھی یقین حاصل کر لیں کہ آپ کے خاوند کو بھی ان طے شدہ حدود وضوابط کا علم ہے اور وہ ان پر قائم بھی ہے، اس لیے کہ اگر آپ کا خاوند بچے کو آپ کے کسی منع کردہ رویے کی اجازت دے دیتا ہے تو اس صورت میں بچے کا ذہن منتشر ہو جائے گا اور وہ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہو گا، کہ وہ آپ دونوں میں کس کی رائے کو ترجیح دے اور اس پر اعتماد کرے۔
- یہ دنیا بہت بڑی اور نہایت ہی حیرت انگیز ہے، بچے کو آپ کی پسند کے مطابق مثبت رویوں اور عمدہ تہذیب کے مفہوم ومطلب کے جاننے کے لیے طویل وقت درکار ہے۔ اگر بچہ آپ کی بات کو قبول نہیں کر پا رہا، تو پھر آپ خندہ پیشانی اور بے تکلفی کے ساتھ اس سے سودا بازی کر لیں۔ مثال کے طور پر آپ اپنے بچے سے کہتی ہیں: ''سونے کا ٹائم ہو گیا ہے'' اور وہ اپنے کھلونوں میں کھویا ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی کھیل کو پورا کرے، تو ایسے موقع پر آپ کچھ دیر تک انتظار کر لیں اور پھر اس سے کہیں کہ ''تمھارے پاس اپنے کھیل کو مکمل کر لینے کے لیے صرف پانچ منٹ ہیں''۔
- آپ اپنے بچے کے ساتھ ہر معاملے میں لطافت اور نرمی کو ملحوظ رکھیں اور اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ آپ کا بچہ کوئی مشین نہیں ہے، جو غلطی نہیں

کرے گا اور آپ کی مرضی کے مطابق ہی متحرک رہے گا، وہ بڑا ہو گا، تعلیم سے روشناس ہو گا، غلطیاں بھی کرے گا اور پھر اس کی غلطیوں کی اصلاح بھی کی جاتی رہے گی، لہٰذا آپ ہمہ وقت اس کے اچھے طرزِ عمل کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں، تاکہ وہ لوگوں کی آنکھوں کا تارا بن جائے، اس کے لیے آپ اسے اپنے تعاون کے ذریعے طاقت فراہم اور اس کے سامنے ہر مطلوب شے کی مکمل وضاحت کے ساتھ تشریح کرتی رہیں، تاکہ وہ تمام معاملات میں فہم و فراست حاصل کر لے اور ذمے داریوں کو قبول کرنے کی اہلیت سے مالا مال ہو جائے۔

مثبت اور با مقصد سزا کے ذریعے سے اصلاح

فرمانِ رسولِ کریم ﷺ «لَنْ يَّضْرِبَ خِيَارُكُمْ» ''تم میں سے بہترین لوگ مارکٹائی سے قطعاً احتراز برتتے ہیں۔''

نماز کی وجہ سے بچوں کو مارنے کا حکمِ رسولِ کریم ﷺ اپنے اندر کمال درجے کا پیغمبرانہ مفہوم و مطلب رکھتا ہے۔

حدیث شریف کے ضمن میں آٹھ (8) تربیتی اسباق:

1. ساتویں سال سے بچوں کی عادت سازی کا حکم۔
2. ساتویں سال میں بچوں میں سیکھنے کی استعداد حد سے زیادہ ہوتی ہے۔
3. تدریج اور تسلسل جہاں ایک تربیتی طریقہ کار ہے، وہاں یہ انسانی مزاج کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہے۔
4. بڑوں کی ذمے داری بھی بڑی ہوتی ہے، لہٰذا بچوں کو مارنے سے پہلے (غفلت برتنے کے جرم میں) بڑوں کو سزا دی جانی چاہیے۔
5. مثبت تہذیب و تربیت کے لیے تین سال کافی ہیں۔
6. نماز باقی تمام معاملات میں کارگزاریوں کے لیے اعلا ترین نمونہ ہے۔
7. رسول کریم ﷺ نے بہ نفسِ نفیس کبھی کسی کو نہیں مارا۔
8. بچوں کو احترام، عزت، محبت اور اعتماد کے ذریعے ہی سے مودب بنایا جا سکتا ہے۔خوف اور دہشت کے طریقوں سے تو بالکل ہی نہیں!!

بچوں کی تہذیب و تربیت کے لیے توازن مطلوب ہے اور بچوں کے ساتھ معاملات میں نرمی اور ملائمت کو ایک بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، تو کیا نرمی کا مفہوم و مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ بچوں کو بلا روک ٹوک کھلی اجازت دے دی جائے کہ وہ جو من میں آئے کر گزریں؟ جو کہنا چاہیں کہہ دیں اور اپنی مرضی کے مطابق سلوک اور رویے اختیار کر لیں؟

ہم کئی مرتبہ پہلے ایسے قواعد و ضوابط اور قوانین کے متعلق آگاہ کر چکے ہیں، جن کا ہماری خاندانی زندگی میں اور اپنی اولاد کے ساتھ ہمارے معاملات میں ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے اور ہم نے علمی، تربیتی اور دینی اعتبار سے اس حقیقت کو ثابت بھی کیا ہے کہ ایسے قواعد و ضوابط بچوں کے سدھار اور خاندانی زندگی کے بقا و تحفظ کے لیے حد درجہ لازم ہیں۔

یقیناً تجربہ ایک مسلسل جد و جہد کا نام ہے، جو کشادہ ظرفی، صبر و حوصلہ اور روز مرہ کے لائحۂ عمل کا متقاضی ہوتا ہے، جس کے ذریعے سے ہمیں ایک خاص وقت کے بعد ہی مثبت نتائج کے ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔ جلد بازی ہر معاملے کو بگاڑ اور فساد کی طرف لے جاتی ہے اور خاص طور پر تو یہ ہماری اولاد کی تربیت و راہنمائی کے حوالے سے مثبت رویوں کی قاتل ہے اور بچوں کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کے لیے بھی یکساں طور پر مہلک ہے۔

یہی جلد بازی ہی ماں باپ کو عمومی طور پر تربیت کے غلط اور نامناسب ذرائع کے بروئے کار لانے کی طرف راغب کرتی ہے، تاکہ وہ اپنی اولاد کے اندر فوری طور پر مثبت نتائج کو دیکھ لیں، مار کٹائی اور جسمانی سزا و تعذیب بھی انھی طریقوں میں داخل ہے۔

تم میں سے بہترین لوگ مار کٹائی سے قطعاً احتراز برتتے ہیں

بہت سارے لوگ جسمانی سزا اور مار کٹائی کے حق میں لکھتے ہیں اور اس کی تائید میں وہ غیر متعلقہ نصوص سے استدلال کرتے اور اس کے ساتھ وہ قیاس کو بھی دخیل کرتے ہیں، حالانکہ مذکورہ نصوص اور متعلقہ معاملے کے مابین اتنے قابل اعتبار اختلافات موجود ہیں، جن کی وجہ سے یہ قیاسات غلط قرار پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ نصوص کے کچھ حصوں کو قبول کر کے اپنی مرضی کے نتائج اخذ کر لیتے ہیں، جب کہ ایسے حصے کو، جو ان کے موقف اور دلائل کے ساتھ مطابقت نہ رکھتے ہوں، ترک کر دیتے ہیں۔

جسمانی سزا کے ذریعے سے اصلاح و تربیت کا معاملہ ہمیشہ ہی سے فقہائے کرام کے مابین اختلاف کا محل رہا ہے اور ان کے علاوہ تربیت و سلوک کے علما بھی اس کے متعلق الجھاؤ سے دوچار رہے ہیں۔

کیا ہم اپنی اولاد کو مار سکتے ہیں؟ اور اس سے متوقع فوائد کیا ہو سکتے ہیں؟ اور اسی طرح اس سے کس نوعیت کے بگاڑ کا اندیشہ ہوسکتا ہے؟ ہمارے لیے حد درجہ لازم ہے کہ اصلاح و تربیت کی غرض سے بچوں کو جسمانی سزا دیتے وقت ہم عملی طور پر ان فوائد یا نقصانات کو مد نظر رکھیں اور اس سلسلے میں قرآنِ کریم کے منہج اور طریقے کو راہنما تسلیم کریں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ [البقرة: 219]

"(لوگ) آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔"

بلاشبہہ فوائد وثمرات یقینی اور ثابت شدہ ہیں، تاہم یہ شراب اور جوئے کی حلت واباحت کے لیے غیر کافی ہیں۔

(اسی طرح جسمانی سزا سے فوری نتائج اور مقاصد تو حاصل ہو جاتے ہیں، مگر اس کی وجہ سے لاحق ہونے والے نقصانات ان فوائد کی نسبت بہت ہی زیادہ سنگین اور تلخ ہوتے ہیں [مترجم])

بچوں کو نماز کی وجہ سے مارنے کا حکمِ رسول اللہ ﷺ اپنے اندر کمال درجے کا پیغمبرانہ مفہوم مطلب رکھتا ہے

مار کٹائی کو اصلاح وتربیت کا ذریعہ قرار دے کر اس کی تائید کرنے والے حضرات رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان عالیشان سے استدلال کرتے ہیں:

«مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»[1]

''اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں نماز ترک کرنے پر انھیں سزا دو اور اس عمر میں ان کے بستر بھی علاحدہ علاحدہ کر دو۔''

حدیث شریف کے ضمن میں آٹھ (8) اسباق

رسول اکرم ﷺ کے فرمانِ مبارک سے درج ذیل آٹھ (8) مفاہیم حاصل ہوتے ہیں:

① ساتویں سال سے بچوں کی عادت سازی کا حکم:

یہ چیز حدیث شریف میں موجود ''مُرُوْا'' (حکم دو) کے صیغہ امر سے بہ خوبی واضح ہوتی ہے کہ امر کا صیغہ لزوم اور وجوب کا مفہوم ادا کرتا ہے، اس حکم

[1] المسند [6756] علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ بچہ صغر سنی سے ہی نماز سے مانوس ہو جائے، یہاں تک کہ یہ اس کی عادت بن جائے اور جب وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے تو اس کو ادا کرنا اس کے لیے آسان ثابت ہو۔

② سات سال کی عمر میں بچوں میں سیکھنے کی استعداد حد سے زیادہ ہوتی ہے:

اسی عمر میں ہی بچوں کو نماز کی مشق کرائی جائے اور انھیں اس کا عادی بنا دیا جائے۔ یہ وقت بچے کے مزاج کے ساتھ گہری مطابقت رکھتا ہے۔ اس وقت وہ حد سے زیادہ اطاعت گزار، انتہا درجے کا موافق اور متابعت کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ اس پر ایسی عادتوں کا تسلط نہیں ہو چکا ہوتا، جو اسے انکار اور مخالفت کی طرف متوجہ کر دیں، بلکہ وہ اپنے سلوک، رویے اور عادات کی تعمیر کے مرحلے میں ہوتا ہے اور اس کا ارادہ بلند تر اور ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہوتا ہے۔

③ تدریج اور تسلسل جہاں ایک تربیتی طریقہ کار ہے، وہاں یہ انسانی مزاج کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہے:

عمل، عادت سازی، حوصلہ افزائی اور مشق کے لیے تین سال ہی کافی ہیں کہ بچہ نماز کا پابند ہو جائے اور اسی نماز کی بنیاد پر ہی وہ اپنے عقیدے، چال چلن اور اپنی زندگی کے نظام کو تشکیل دے پائے۔ تین سال نماز کی پابندی کے مقصد کے لیے مرحلہ وار اقدام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

④ بڑوں کی ذمے داری بھی بڑی ہوتی ہے، لہٰذا بچوں کو مارنے سے پہلے (غفلت برتنے کے جرم میں) بڑوں کو سزا دی جانی چاہیے:

تربیت کاروں میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے، جو یکساں حیثیت کا یہ عادلانہ سوال پیش کرے کہ ''ہمیں ماں باپ (یعنی تربیت کے فرائض نبھانے

والوں) کو کب سزا دینی چاہیے؟ میرے خیال میں یہ سوال، ''ہمیں بچوں کو کب سزا دینی چاہیے'' کے سوال سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

اس حوالے سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بہت ہی خوبصورت کلام فرمایا ہے:

''ہر مقتدا اور مربی پر لازم ہے کہ وہ اپنے زیر اثر افراد کو نماز پڑھنے کا حکم دے، خواہ یہ بلوغت کی حد تک نہ پہنچنے والے بچے ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انھیں سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں انھیں نماز ترک کرنے کی وجہ سے سزا دو اور اس عمر میں ان کے بستر بھی جدا جدا کر دو، لہٰذا جس شخص کے پاس کم سن غلام یا یتیم یا اس کا بچہ ہو اور وہ اسے نماز پڑھنے کا حکم نہ دیتا ہو، تو اس صورت میں بڑے شخص کو اس بنا پر سخت ترین سزا دی جائے گی کہ وہ چھوٹوں کو نماز پڑھنے کا امر نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کا مرتکب ہوا ہے۔''[1]

⑤ مثبت تہذیب وتربیت کے لیے تین سال کافی ہیں:

تین سالوں کا مطلب یہ ہے کہ بچہ اس مدت میں پانچ ہزار چار سو پچھتر (5475) نمازوں کو ادا کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے ان پانچ ہزار چار سو پچھتر اوقات میں بچے کو ایک خاص نظم حاصل ہوتا ہے، تکرار کے ساتھ یہ عدد بہت بڑی حد تک (نماز ادا کرنے کے ذریعے سے) بچے کے عقیدہ، عمل پذیری اور وقت میں نظم وضبط اور پختگی کا موجب ہوسکتا ہے۔

[1] مجموع الفتاویٰ [50/22]

جو بچہ بھی اس قدر بھاری تعداد میں ایک عمل کا تکرار کر چکا ہو، اس کے لیے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ نماز سے دوری اختیار کرے یا اسے بالکل ہی ترک کر دے۔ شاذ و نادر حالات ہی ایسے ہو سکتے ہیں کہ بچہ نماز کا تارک ہو جائے۔ بدکنے یا ڈر کر بھاگ جانے والی شئے کا علاج گرم سلاخ سے داغنا ہی ہوتا ہے۔

⑥ نماز باقی تمام معاملات کے لیے اعلا ترین نمونہ ہے:

نماز دین کا ستون اور اسلام کے اساسی ارکان میں سے اہم ترین رکن ہے۔ جمہور علما کے نزدیک اس کا ترک کفر ہے، جب کہ فرضیت کے انکار کی بنیاد پر نماز کا ترک بالاتفاق کفر قرار دیا گیا ہے۔ نماز کی اسی عظیم ترین حیثیت کی وجہ ہی سے نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرمان والا شان میں اس کا ذکر فرمایا ہے کہ ''اس کا حکم دو۔''

یہاں ایک سوال پیش کیا جاتا ہے کہ کیا مثال کے طور پر تین سال کے بچے کو اس کی ضد کی وجہ سے یا بہت زیادہ اچھل کود کی وجہ سے، یا گھر کے سامان کو خراب کرنے کی وجہ سے یا بعض اوقات جھوٹ بولنے کی وجہ سے مارا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب ہماری طرف سے کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو، تاہم والدین کے تربیتی کردار سے اختلاف کرنا قطعاً ممکن نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ بچے کو تین سال کی مدت میں اور ہمارے لیے اسے سزا دینے کے حق حاصل ہونے سے پہلے۔ تعلیم دی جائے۔

یاد رہے کہ بچے کے بہت سارے پریشان کن رویے اس کی زندگی کی بہتر نشو و نما ہی پر دلالت کرتے ہیں، مگر بے صبری اور لاعلمی ان رویوں کو پریشان کن بنا دیتی ہے۔ نماز کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث مبارک کا یہ مفہوم واضح ہوتا ہے:

① تین سال، حوصلہ بڑھانے، مشق کرانے اور تربیت دیتے رہنے کے ذریعے سے بچے کو تعلیم دینے کے لیے مختص ہیں۔

② دس سال کی عمر سے پہلے بچے کو قطعاً نہ مارا جائے، دس سال سے بھی پہلے بچے کی مار کٹائی میں والدین کو فوری نتائج ضرور نظر آتے اور ملتے بھی ہوں گے، لیکن اس کی وجہ سے بچے کی زندگی میں طویل ترین مدت تک پیدا ہو جانے والا بگاڑ ان متوقع فوری نتائج سے زیادہ تلخ اور سنگین ہوتا ہے۔

⑦ رسول کریم ﷺ نے بہ نفس نفیس کبھی کسی کو نہیں مارا:

بچوں کو سزا دینے کے فرمان سے جہاں اس کے عمومی مفہوم کے مطابق استدلال مطلوب ہے، وہاں اس استدلال کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ نبیِ رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ یوں بیان ہوئی ہے:

«مَا ضَرَبَ امْرَأَةً لَهُ، وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا، وَلَا ضَرَبَ شَيْئًا بِيَدِهِ قَطُّ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ تُنْتَهَكُ حُرُمَاتُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ»

"رسول اکرم ﷺ نے بہ ذات خود نہ اپنی بیوی کو مارا، نہ اپنے کسی خادم کو اور نہ کسی دوسری شے کو، ہاں! اللہ کے راستے (جہاد) میں اور اللہ تعالیٰ کی حرمت کے چاک ہونے کی صورت میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیا کرتے تھے۔"

⑦ بچوں کو احترام، عزت، محبت اور اعتماد کے ذریعے ہی سے مودب بنایا جا سکتا ہے، خوف اور دہشت کے طریقوں سے تو بالکل ہی نہیں:

بعض لوگوں کا یہ موقف ہے کہ مار کٹائی کے ذریعے ہی سے بچوں کے دل اور دماغ کے اندر تربیت کاروں کا رعب اور دبدبہ قائم ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بھلا یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ ہمیں ایسے بچوں کی ضرورت ہے جو تربیت کرنے والوں، خواہ یہ ماں باپ ہوں یا اساتذہ سے رعب زدہ رہتے ہوں؟ یہ

بات تو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ہمیں تو ایسا احترام اور عزت و تکریم مطلوب ہے جو خوف، دہشت اور لاٹھی ڈنڈے سے نہیں، بلکہ محبت اور اعتماد کی بنیاد پر قائم ہو۔

بچہ کوئی بھی ہو، اس کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے محبت کرنے والوں کا احترام اور وقار ملحوظ رکھتا ہے اور جس سے وہ خوف زدہ رہتا ہو، اس کا وہ قطعاً احترام نہیں کرتا، لہٰذا ہمیں ایسا متوازن رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، جس کے نتیجے میں بچہ ہم سے بے پناہ محبت بھی کرے اور اس کے ساتھ ہی وہ ہماری ناراضی سے خائف رہے۔ جو شخص غصے اور شدت کے پہلو کو اپنے اوپر غالب کر لیتا ہے، اس کے نتیجے میں بچے کی طرف سے ایسے رویے اور سلوک ظہور پذیر ہوتے ہیں، جو اس کی روح اور ذات سے بالکل لاتعلق ہوتے ہیں، جب کہ تربیت سے مقصود اور مطلوب یہ چیز ہونی چاہیے کہ ہر سلوک اور رویے کا محرک اور سبب اخلاص اور مٹھاس ہو جو انسان کی روح اور ذات سے منسلک ہو اور پھر یہی اندرونی محرکات عزت اور خوف کی ظاہری صورتوں کو زیبائش فراہم کریں۔

سزا کے مختلف اسلوب انصاف کے ترازو میں

1. ماں جس قدر زیادہ مارتی ہے، بچے کا رویہ اسی قدر بد سے بدتر ہوتا جاتا ہے۔
2. مار پیٹ کا طریقہ پسپائی اور مغلوبیت پر دلالت کرتا ہے۔
3. مار پیٹ کے نقصانات: پندرہ (15) منفی نتائج۔

''نرمی اور ملائمت جس شئے میں بھی پیدا ہو جائے وہ اسے خوبصورت بنا دیتی ہے۔''

گذشتہ صفحات میں ہم نے رسول اکرم ﷺ کے فرمانِ مبارک:

''اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں نماز ترک کرنے پر انھیں سزا دو اور اس عمر میں ان کے بستر بھی علاحدہ علاحدہ کر دو۔''

سے حاصل ہونے والے تربیتی اسباق و دروس بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد ہم بامقصد اور مفید سزا کو اس انداز سے بیان کریں گے، جس سے منفی اور نقصان دہ سزا کے طریقوں اور بچے کی شخصیت اور اس کے رویوں میں تبدیلی پیدا کر دینے والے ضرب کا راثرات کی خوب وضاحت ہو جائے۔

اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ بچوں کے ساتھ ہمارے روزمرہ کے معاملات اور برتاؤ میں اس طرح کے غلط طریقوں کا خاتمہ ہو جائے اور ان کی تہذیب وتعمیر کے لیے مثبت اور محفوظ طریقوں ہی کو بروئے کار لایا جائے۔

① ماں جس قدر زیادہ مارتی ہے، بچے کا رویہ اسی قدر بد سے بدتر ہوتا جاتا ہے:

ایک ایسی ماں کا، جو اپنے بیٹے کے طرزِ عمل کو سدھارنے کے لیے اسے مارنے پیٹنے کی عادی ہو چکی تھی، بیان ہے کہ "جی ہاں! میں اسے مسلسل زدوکوب کرتی اور جب بھی اس کی پٹائی کرتی، سوچتی کہ اب یہ سدھر جائے گا، مگر دوسری صبح کو اس کا رویہ پہلے سے بھی بدتر ہو چکا ہوتا اور پھر وہ پورے ہفتے تک اسی رویے پر جما رہتا تھا۔"

② مار پیٹ کا طریقہ پسپائی اور مغلوبیت پر دلالت کرتا ہے:

ضد، حد سے زیادہ اچھل کود اور مہمانوں کو بے چین کر دینے والے پریشان کن رویوں کی وجہ سے کم سن بچے کو مارنے پیٹنے کا طریقہ اس بات کی دلیل ہے کہ بڑے افراد مغلوبیت کا شکار ہو گئے ہیں اور تربیت کے معاملے میں وہ غلط حکمت عملی کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ طرزِ عمل ایسے جلد باز شخص کا سہارا ہوا کرتا ہے، جس کے پاس کامیاب تربیت کے لیے مار پیٹ کے علاوہ دیگر اسلوب موجود نہیں ہوتے اور وہ اپنے غضب اور اشتعال پر کنٹرول کرنے کی قدرت سے بھی محروم ہوتا ہے۔

③ مار پیٹ کے نقصانات: چودہ (14) منفی نتائج:

1. مار پٹائی سے بچے کو اس شخص سے نفرت اور کراہت ہو جاتی ہے، جو اسے جسمانی تشدد کا شکار بناتا ہے، جس کے نتیجے میں ایسے تمام مثبت اور تعمیری احساسات فنا ہو جاتے ہیں، جو ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور متفق کرنے کے لیے لازمی حیثیت رکھتے ہیں۔

2. مار کٹائی ہی کو کامیابی کا وسیلہ بنا لینے کا یہ انجام بھی برآمد ہوتا ہے کہ بچے

اور مارنے والے شخص کے مابین عزت اور احترام کا رشتہ برقرار نہیں رہتا، بلکہ ان کے درمیان بد اعتمادی اور خوف کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

③ مار کٹائی کی وجہ سے ایسی اولاد وجود میں آجاتی ہے، جو ہر با اثر، صاحبِ اختیار فرد یا اپنے سے بڑے اور طاقتور شخص کی ماتحتی کو قبول کر لیتی ہے، جب کہ اس طرح کی ماتحتی اور تسلیم و رضا بچوں کی شخصیت کو اس حد تک کمزور کر دیتی ہے کہ وہ بصیرت اور دور اندیشی سے محروم ہو جاتے ہیں، خاص طور بڑے ہو جانے کے بعد وہ آسانی کے ساتھ اپنے برے ساتھیوں کی اندھی پیروی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔

④ مار پیٹ، تسلی بخش اور اطمینان افروز معیاری تربیت کو برباد کر دیتی ہے، نہ صرف یہی، بلکہ یہ حق و باطل، صحیح اور غلط کے مابین امتیاز کی صلاحیت اور معاملہ فہمی کی خوبی کو تشکیل و تعمیر کے مرحلے ہی سے معدوم کر دیتی ہے۔

⑤ مار کٹائی بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان تبادلۂ خیالات، مکالمہ اور گفت وشنید کے سلسلے کو معطل کر دیتی ہے اور باہمی مفاہمت کے امکانات کو اور بچوں کی ضروریات، نفسیات اور ان کے طرزِ عمل کے محرکات اور اسباب کو سمجھنے کے مواقع کو ضائع کر دینے کا باعث بن جاتی ہے۔

⑥ مار کٹائی جہاں بچوں کو بدترین نمونے سے متعارف کراتی ہے، وہاں یہ ان کو اقتدا اور پیروی کے عمل سے بھی دور کر دیتی ہے۔

⑦ مار پیٹ، اکثر بچوں کی ضد، عناد اور ان کے غضب و اشتعال کو ایندھن فراہم کرتی اور انھیں حد سے زیادہ مخالف اور نافرمان بنا دیتی ہے۔

⑧ مار کٹائی بعض اوقات بچے کو کمزوری اور جسمانی ناتوانی کا شکار بنا دیتی ہے اور اپنی قدر و قیمت اور تشخص کے متعلق اس کے ذاتی شعور اور احساس کو

چکنا چور کر ڈالتی ہے، بایں طور کہ وہ اپنی ذات کے حصار میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور شرمندگی و خجالت کی وجہ سے وہ معاشرتی زندگی کے ساتھ ہمنوائی سے قاصر رہتا ہے۔

9. مار کٹائی بچے کو ذاتی تشخص، خود اعتمادی، بلند ہمتی اور کامیابی جیسی زندگی کی اعلیٰ ترین مہارتوں کے حصول کو مشکل بنا دیتی ہے، وہ معاشرتی آداب و اخلاق میں ملکہ حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے، نہ تو وہ بڑوں کے ساتھ معاملہ کر سکتا ہے اور نہ چھوٹوں کے ساتھ۔

10. مار کٹائی ہی کو اختیار کر لینا، یقیناً اس امر کی دلیل ہے کہ مربی نے اپنے بچے کے لیے تربیتی وسائل و ذرائع میں سے نہایت ہی ناقص اور ناکام ترین ذریعے کو منظور کر لیا ہے۔

11. مار پٹائی کے ذریعے سے صرف بچے کے ظاہری رویے کا تدارک ہوتا ہے، جب کہ اصل اور حقیقی سبب تربیت کار کی نظر سے اوجھل رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مار پیٹ کے اثرات بالعموم عارضی ثابت ہوتے ہیں اور دائمی طور پر موثر نہیں ہوتے۔

12. مار پیٹ سے نہ تو فکر اور سوچ کے زاویے بدلتے ہیں اور نہ اس سے بچے کا طرزِ عمل اصلاح اور راست روی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

13. مار کٹائی داخلی محرکات اور اسباب کی قیمت پر خارجی محرکات کی تقویت کا باعث بنتی ہے، حالانکہ داخلی محرکات، دینی اور روحانی اعتبار سے حد درجہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ بچہ مار پیٹ کی وجہ سے اخلاص اور صاف دلی کے اوصاف سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور ریا کاری کو اور لوگوں سے خوف کی عادت کو اپنا لیتا ہے، اس اعتبار سے وہ کسی کام کو محض سزا کے خوف سے

ترک کرتا اور بڑوں کے خوف ہی سے کسی کام کو سرانجام دینے لگتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں اس معتدل سلوک اور رویے کے محرکات سے انحراف پر دلالت کرتی ہیں، جنھیں بچے کے باطن اور ضمیر سے پھوٹنا چاہیے تھا، یعنی تسلی و اطمینان، محبت و اخلاص، بلند ہمتی، کامیابی کی حرص اور ذاتی نقصان سے بچنے کے لیے اپنے مقاصد کی تکمیل کا جذبہ۔

⑭ بعض اوقات مار پیٹ کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کی توہین اور گستاخی کی جرأت کر بیٹھتا ہے، کھلم کھلا اعلان بغاوت کرتا اور اپنے غلط رویے پر ڈٹ جاتا ہے۔

(ملاحظہ: مولف کتاب نے مار کٹائی کے پندرہ منفی نتائج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے، نتیجہ نمبر ۷ کو یا تو سہواً ترک کر دیا ہے یا پھر طباعت کے مرحلے میں غفلت ہوگئی ہے [مترجم])

نرمی اور ملائمت ہر شئے کو خوبصورت بنا دیتی ہے

صحیح سند کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی مروی ہے:

«لَا یَکُوْنُ الرِّفْقُ فِيْ شَيْئٍ إِلَّا زَانَهُ»[1]

''نرمی جس شئے کے ساتھ بھی شامل ہو جائے، وہ خوبصورت ہو جاتی ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

« إِنَّ اللّٰهَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ وَیُعْطِيْ عَلَی الرِّفْقِ مَا لَا یُعْطِيْ عَلَی الْعُنْفِ، وَمَا لَا یُعْطِيْ عَلٰی سِوَاهُ»[2]

''اللہ تعالیٰ مہربان ہے اور وہ نرمی کو پسند فرماتا ہے اور وہ نرمی اور شفقت میں وہ کچھ عطا فرماتا ہے، جو وہ شدت اور سختی یا دوسرے طریقوں پر نہیں عطا فرماتا۔''

تو بتائیے کہ عمدہ و اعلا پھل کی شکل میں نازک ولطیف اور معصوم اولاد سے زیادہ نرم رویے کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے؟ اور ماں باپ کے جگر کے ٹکڑوں سے زیادہ ہماری شفقت و رأفت کا حقدار اور کون ہو سکتا ہے؟ ان کم سن اور معصوم بچوں کے ساتھ نرمی اور ملائمت سب سے زیادہ کب مطلوب ہوتی ہے؟ ہمیں تو بچے کے ساتھ اس وقت نرمی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، جب وہ تعلیم و تربیت میں برتر اور فائق رہتا ہو، اس وقت بھی نہیں جب وہ اپنے ہمسروں سے زیادہ

1. صحیح مسلم، رقم الحدیث [2594]
2. صحیح مسلم، رقم الحدیث [2493]

اطاعت شعار اور سمجھ دار ہو اور اس وقت بھی نہیں جب وہ پڑھنے پڑھانے کے عمل میں قاصر رہتا ہو اور اس پر کند ذہنی اور کم عقلی کے آثار نمایاں ہوں، ایسے وقت تو اکثر تربیت کاروں کے دماغ کھولنے لگتے ہیں اور وہ بچے کو سستی اور غفلت سے بیدار کرنے کے لیے سختی اور تشدد کا سہارا لیتے ہیں، بعض اوقات واقعی طور یہ حربہ بعض بچوں کے حوالے سے کامیابی کا موجب ثابت ہوتا ہے، جس سے تربیت کار اس خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمیشہ کے لیے اور ہر بچے کے معاملے میں مفید اور موثر ہے، لیکن تربیت کاروں کو یہ بات بھول جاتی ہے کہ وہ اسباب جو بچوں کو بری روش اور غلط طرزِ عمل کا خوگر بنا دیتے ہیں، وہ بھی لا تعداد اور بے شمار ہوتے ہیں اور غفلت یا کوتاہی کا علاج ان کے کثیر ترین اسباب کے پیشِ نظر مختلف اور متنوع ہوتا ہے۔

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

''شدت اور سخت گیری طالب علموں کے لیے مضرت رساں ہوتی ہے، اس لیے کہ تعلیم کے لیے ہر وقت گھیرے رکھنے کی روش طالب علموں کے لیے بالخصوص چھوٹے بچوں کے لیے تو سخت نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس طرح کا رویہ غلط تصرف اور نا مناسب استعداد کی علامت شمار ہوتا ہے، جو طالب علم ظلم اور قہر کے سائے میں تربیت حاصل کرتے ہیں، ان پر ظلم کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ ان کی روحانی آسودگی عنقا ہو جاتی ہے، ان کی سرگرمی اور جوشِ عمل تھم جاتا ہے اور وہ سستی و کاہلی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ وہ جھوٹ اور بد باطنی کے بھی عادی ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگوں کے قہر و تسلط سے ڈرتے ہوئے اپنے مافی الضمیر کے خلاف رویوں کا اظہار

کرتے ہیں، اس طرح وہ فریب کاری اور دھوکا دہی کو سیکھ لیتے ہیں، بالآخر تمام قسم کی خرابیاں ان کی طبیعت کا حصہ اور مزاج بن جاتی ہیں، جو ان کی انسانیت کے مفہوم و مطلب کو بیکار کر دیتی ہیں۔''

ہم نے بچوں کی اصلاح و تربیت کے لیے خاص طور پر ایسے بچے کی، جو ابھی تک دس سال کی عمر تک نہیں پہنچے، مار پیٹ کے منفی نتائج پر روشنی ڈالی ہے، آیندہ صفحات میں ہم اس ''تربیتی رویے'' پر مزید دلچسپی کے ساتھ توجہ دینا چاہیں گے، جو بہت بڑی حد تک والدین اور بعض دوسرے تربیت کاروں کے ہاں رائج ہے۔

ماں باپ مار پیٹ کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں؟

''انھوں نے (والدین اور تربیت کاروں نے) مجھے مارا پیٹا تھا، اسی لیے میں بھی ماروں گا!!''

① کیا ہم عملی طور پر معاف کرنے والے ہیں؟
② کیا ہم اپنے بچپن کے مظالم کو اپنی اولاد میں منتقل کرنا چاہتے ہیں؟
③ اس وقت آپ کا اپنا احساس کیسا تھا؟

مثبت لائحہ عمل کے لیے چار اقدامات:

① اعتقاد۔
② اصلاحات اور خفیہ ترغیبات۔
③ غور وفکر۔
④ سلوک اور برتاؤ۔

والدین اور اولاد کے باہمی تعلقات کو مستحکم کرنے کے لیے دس اقدامات:

ہمیں تبدیلی کے تقاضوں کو جاننا چاہیے:

1 کھنچاؤ اور تناؤ کے اظہار کے بجائے پیچیدگی کو حل کیا جائے۔
2 اشتعال اور ناراضی کو بے لگام نہیں، بلکہ ایک قاعدہ وقانون کے ماتحت کیا جائے۔

بچہ بہت تیزی کے ساتھ نشوونما کے مراحل طے کرتا ہے، اس کے ساتھ ان مراحل کے مطابق بہت سارے رویے بھی اس کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے

رہتے ہیں اور اکثر اوقات یہ رویے خاندان کے لیے پریشانی کا موجب ہوتے ہیں، مثال کے طور پر مخالفت اور عناد کا رویہ ہو یا حد سے زیادہ اچھل کود کی روش۔ لیکن اگر ہم ان رویوں کا بھی گہری علمی نظر سے جائزہ لیں، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ تو مثبت صفات ہیں، جو بچے کی درست ترقی اور پرورش پر دلالت کرتی ہیں اور بچے کی ارتقا پذیر شخصیت کی تعمیر و اٹھان کے لیے مطلوب رویوں کی تمہید اور ابتدا کا نشان نظر آتی ہیں۔

اس موقع پر ہم خلوصِ نیت سے یہ سوال کرتے ہیں:

کیا یہ رویے واقعی طور پر سختی اور تشدد پر مبنی مداخلت اور بالآخر جسمانی سزا کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ کیا یہ رویے اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ ہم سے مار پیٹ کے ذریعے سے مداخلت کے مقتضی ہیں؟ کیا یہ رویے بچے کے لیے ان کی دینی و اخلاقی مضرت کا باعث ہوتے ہیں یا کہ وہ صرف ہمارے سکون اور اطمینان کو تلپٹ کرنے کا موجب بنتے ہیں؟

انھوں نے (والدین اور مربیوں نے) مجھے مارا پیٹا تھا اس لیے میں بھی مارتا ہوں

اکثر لوگ یہ کلمات مسلسل دہراتے ہیں کہ ''میرے والدین تو مجھے مارا پیٹا کرتے تھے، مگر میں اس عیب سے آزاد اور محفوظ ہوں'' اس مدح وستائش کے حوالے سے ہم یہاں کچھ وضاحتیں کرنا چاہتے ہیں۔

① کیا واقعتاً ہم اس عیب سے آزاد اور محفوظ ہیں؟

ہمارے نزدیک سلامتی اور محفوظیت کے کیا معیار ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ انسانی طبائع میں بے چینی اور افراتفری کی فراوانی ہے اور ان کے رویوں میں توازن اور مناسبت مفقود ہو چکی ہے۔

1. ایسے افراد کثیر تعداد میں موجود ہیں، جو اپنی ذات میں مستغرق رہتے ہیں، لوگوں سے آمنا سامنا کرنے سے اور ان کے ساتھ گھلنے ملنے سے اجتناب کرتے ہیں۔
2. ایسے لوگوں میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، جو اپنی زندگی سے متعلق کسی بھی معاملے کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے یا مضبوط موقف اختیار کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔
3. تھکے ہارے اور بھولے افراد بھی کثرت سے موجود ہیں، جو کسی بھی شَے کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

④ ہم کئی ملین کی افرادی قوت رکھنے والی امت ایک سال کے اندر کسی نئی ایجاد کا جو سرٹیفکیٹ اپنے لیے ریکارڈ کراتی ہے، وہی ریکارڈ ایک ہی ہفتے کے اندر ایسے ممالک حاصل کر لیتے ہیں، جو ادھار کی معیشت پر پل رہے ہیں اور ان کی تعداد بھی چار یا پانچ ملین سے تجاوز نہیں کرتی۔

⑤ بلند خیالی اور عالی ہمتی ہماری زندگی میں ایک نادر و نایاب کرنسی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

⑥ مہارت و پختگی اور حسنِ کردار کی دونوں صفات معدومیت کا شکار ہیں۔

⑦ وعدوں اور وقت کا وقار و احترام اور معاہدوں کی پاسداری صرف یورپ والوں کا خاصہ بن چکا ہے۔ حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہم میں سے ایک شخص لاشعوری طور پر یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ ''یہ یورپی وعدہ ہے، عربی نہیں!!

⑧ ہماری نسل ہر مستعد اور چالاک اور ہر گھسٹ گھسٹ کر آنے والے شخص کی پیروکار بن چکی ہے اور ہمارے اندر تمام امتوں کے روگ منتقل ہو چکے ہیں اور ہم اپنے گھروں کے اندر ان امراض کو داخل کرنے کے لیے دروازوں کے کواڑ کھولے کھڑے ہیں، لہٰذا جواب دہی کا بوجھ ہمارے اوپر ہے اور اس میں ہماری بنیادی اور اولین تربیت پر بھی بہت بڑی حد تک ذمے داری عائد ہوتی ہے۔

② کیا ہم اپنے بچپن کے مظالم کو اپنی اولاد میں منتقل کرنا چاہتے ہیں؟

ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی تعداد تھوڑی نہیں ہے، جنھوں نے اپنے بچپن کے دور میں بڑے مظالم اور اذیتیں سہی ہیں اور یہ کسی نہ کسی شکل میں ان مظالم کی روایات کو شعوری یا لاشعوری طور پر اپنی اولاد میں منتقل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمیں حد درجہ محتاط رہنا چاہیے کہ ایسی منفی تربیت، جس کے سامنے عام طور

پر کوئی شخص سرنگون رہا ہے اور وہ اس سے متاثر ہوا ہے، کو اپنی اولاد کے ساتھ استعمال کیا جائے اور اپنی اولاد کے ساتھ بھی پہلے والی غلطیوں کا تجربہ کیا جائے گا۔

③ اس وقت آپ کا اپنا احساس کیسا تھا؟

یقیناً ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنے بچپن کے ایام میں شدید ترین ظلم و ستم اور ناروا سلوک کا شکار ہوگا، مگر وہی شخص بڑا ہو کر اسی ظلم و ستم کو دہرانے لگتا ہے اور اس اسلوب کو اختیار کرنے کے لیے وہ اپنے بچپن کے مظالم کو جواز کی سند کے طور پر پیش کرتا ہے، ہم ایسے ہی شخص سے پوچھنا چاہتے ہیں:

''جن دنوں آپ کمسن بچے تھے اور مارے پیٹے جاتے تھے، اس وقت آپ کا اپنا کیا احساس ہوتا تھا؟

ان دنوں مارنے پیٹنے والے شخص کے متعلق آپ کا ذاتی تصور اور گمان کیا ہوتا تھا؟''

ہمیں ان سوالات کے حوالے سے ایسے جوابات سننے کو ملیں گے، جن میں کراہت اور نفرت اور مہر و محبت سے محرومی کے شعور و احساس کی توثیق و تائید ہوتی ہو گی، بالکل ایسے ہی جوابات ان بچوں کے بھی ہوں گے، جو برگشتہ اور باغی ہو چکے اور ان کے دل و دماغ کینے سے بھر چکے ہیں کہ ان کی سرکشی اور عناد کی وجوہات میں سے ایک وجہ ماں باپ کی سختی و شدت بھی تھی۔

بچے کا دماغ ظالمانہ برتاؤ سے فوری طور پر متاثر ہوتا ہے

طبی تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ ماں باپ کی طرف سے لگنے والی چوٹوں کی وجہ سے متعدد کم سن اور دودھ پیتے بچوں کی ذہنی پیچیدگیوں میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہ تحقیق یقین دلاتی ہے کہ بچوں کے ساتھ اس طرح کے برے سلوک کی شرح مسلسل اور متواتر بڑھتی جا رہی ہے، بسا اوقات اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد کی تربیت کے لیے حد درجہ معمولی مہارت حاصل ہوتی ہے۔

نیز ان تحقیقات سے یہ آگاہی بھی ملتی ہے کہ ایسی بیماریوں کی علامات جنہیں چوٹوں کی بیماری کہا جاتا ہے، بچوں کو بے رحمی کے ساتھ جھنجھوڑنے کے نتیجے میں لاحق ہوتی ہیں اور یہ اکثر اوقات بچوں کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ برتاؤ میں ناقص مہارت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ عام طور پر ایمرجنسی شعبہ جات میں مصروف کار برطانوی ڈاکٹر حضرات، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہیں کہ جو بچے ان شعبہ جات میں لائے جاتے ہیں، وہ اکثر اوقات تشدد اور بے رحمی کا سامنا کرنے کی وجہ سے دماغی بخار کا شکار ہوتے ہیں۔

یہ تمام تر اسباب تقاضا کرتے ہیں کہ ماں باپ کو مخصوص قسم کی مہارتوں کی اشد ضرورت ہے، مثال کے طور پر جو انھیں اس امر سے آگاہ کریں کہ مسلسل روتے رہنے والے بچوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے؟

خطرناک چوٹیں:

مذکورہ بالا تحقیق میں بیان شدہ اعداد و شمار کے مطابق ہر ایک لاکھ بچوں میں سے چوبیس بچے ایسے ملتے ہیں، جو اس طرح کی چوٹوں سے دو چار ہوتے ہیں۔ تحقیقاتی ٹیم کے سربراہ ڈاکٹر رابرٹ میز نے بی بی سی آن لائن کے سامنے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جان بوجھ کر لگائی جانے والی چوٹیں حد درجہ خطرناک ہوتی ہیں، جو براہ راست دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں اور مجھے وقت گزرنے کے ساتھ ان چوٹوں میں اضافے کے خدشات لاحق ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس طرح کی چوٹوں کے اسباب جو بھی ہوں، ان کا تقاضا یہ ہے کہ والدین کو ابھی مخصوص قسم کی مہارتوں کی ضرورت ہے۔ انھی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلسل رونے اور چلانے والے بچوں کے ساتھ ان کو کس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر رابرٹ نے یہ بھی کہا کہ اس طرح کی معلومات کا دائرہ اگر ایسے جوڑوں تک بھی بڑھا دیا جائے، جو اپنے بچے کی ولادت کے منتظر ہیں، تو پھر کسی حد تک اس طرح کی ضربوں سے تحفظ کی ضمانت مل سکتی ہے۔

برطانیہ میں بچوں پر تشدد اور ان کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کے خلاف مصروف عمل ایک تنظیم کا خیال ہے کہ اس تحقیق کی روشنی میں اس امر کی شدید ترین ضرورت ظاہر ہوتی ہے کہ بچوں کی ولادت سے پہلے اور بعد میں ان کے ماں باپ سے تعاون کی جو بھی صورتیں ممکن ہوں، انھیں مضبوط سے مضبوط تر بنایا جائے۔ یہ تنظیم اس بات کا بھی اعتراف کرتی ہے کہ بچوں کے مسلسل رونے چلانے اور ان کی کم خوابی کی وجہ سے ماں باپ کو ناقابلِ برداشت تکالیف کا

سامنا ہوتا ہے، اس کے باوجود بھی انھیں اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ بچے کو سختی اور بے دردی کے ساتھ جھنجھوڑنا حد درجہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، اس کی وجہ سے بچے کے اعضا کمزوری اور ناتوانی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی ہڈیوں کا ڈھانچہ روگ زدہ ہو جاتا ہے۔

احکامات صادر کرنے سے پہلے

اکثر لوگ غصے میں بھرے ہوئے یہ کہتے ہیں: ''میرا بیٹا بہت زیادہ چلاتا ہے اور میری بیٹی جھوٹ بولتی ہے۔ میرا بیٹا اپنے دوستوں کے سامنے چیختا ہے اور میری بیٹی خود کو حیا کے لباس سے مزین نہیں کرتی۔'' اس طرح کی مشکلات لاتعداد ہیں اور آہیں بھی بے شمار، جو ماں باپ کی طرف سے بیان کی جاتی ہیں، لیکن ہمیں چند لمحات کے لیے اپنے آپ کا مخلصانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے، جی ہاں! بالکل سچے اور کھرے جذبے کے ساتھ۔

بچے کیا کرتے ہیں؟ اسے چھوڑیے اور آپ میرے سوال کا جواب دیجیے۔

اولاد نے یہ سب کچھ کہاں سے سیکھا ہے؟ ان تمام گندی خصلتوں کو انھوں نے کس سے حاصل کیا ہے؟

ڈاکٹر منی بسیلی کہتی ہیں:

''بچہ ہمارے ہاتھوں میں گندھے ہوئے آٹے کا نرم اور ملائم پیڑہ ہوتا ہے، جو اس کے ساتھ اختیار کیے گئے ہمارے رویے اور سلوک کے مطابق شکل اختیار کرتا ہے، جو بچہ زود رنج، مشتعل مزاج اور ذرا سی بات پر متاثر ہو جاتا ہے، اس نے یہ سب کچھ اپنے ماں باپ سے سیکھا ہوتا ہے، جو بچی زور سے چیختی چلاتی ہے، اس کے کان اپنی ماں کی چیخنے چلانے کی عادت سے مانوس ہو چکے ہوتے ہیں، جھوٹ بولنے والا بچہ اپنے ماں باپ ہی سے کذب بیانی کا فن سیکھتا ہے،

اسی طرح پرسکون اور باوقار بچہ اپنے ماں باپ کی دھیمی گفتگو اور باوقار کلام کا عکس ہوتا ہے۔''

اس اعتبار سے ہماری یہ ذمے داری بنتی ہے کہ ہمیشہ اپنی اولاد کو لعنت ملامت کرنے سے پہلے اپنی شخصیت کا اور اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔

کیا آپ کو یاد ہے؟

اس دن آپ کے اپنے کیا احساسات تھے، جب آپ خود کم سن بچے تھے اور اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کے غیظ و غضب کا شکار رہتے تھے؟ یقیناً آپ کو یاد آئے گا کہ ان دنوں آپ خوف دہشت، سرکشی اور بغاوت کے ملے جلے احساسات رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے یہ تاثرات بھی ہوتے تھے کہ آپ مظلوم ہیں اور یہ کہ آپ کو سمجھنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کرتا۔

انھی لمحات میں آپ کو بار بار خوف، وحشت اور اپنی مظلومیت کے خیالات آتے، آپ کو مار پیٹ کی صورت میں طرح طرح کی سزاؤں کا سامنا ہوتا تھا، گالوں پر تھپڑ رسید ہوتا یا جسم کے کسی حصے پر مار پڑتی تھی۔

ہم ماریں یا نہ ماریں!!

بچے کو تھپڑ مارنا یا اس کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کرنا شروع سے لے کر ہمیشہ تک بہت سارے حساس لوگوں کو رنجیدہ کر دینے کا باعث بنا رہا ہے اور رہے گا۔

بنیادی اصول و قواعد اور آسمانی مذاہب و ادیان کی تعلیمات بھی اس طرح کے رویوں کو مسترد کرتی ہیں۔ ہمارے نبی مکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہمدردی، رحم و کرم اور محبت کے سرچشموں سے اور بچوں کے ساتھ توجہ اور الفت سے لبریز ہے، چاہے یہ بچہ بیٹا ہو یا اولاد کی اولاد ہو۔ آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ بچوں کے ساتھ نرم برتاؤ کی طرف راہنمائی کرتی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح وہ بچوں کے ساتھ سختی اور بے رحمی والے سلوک کے دائرے کو سکیڑ دینا چاہتی ہیں۔ ہاں! اسلام نے سختی اور شدت کو صرف محدود اور متعین حالات سے نمٹنے کے لیے اور حد درجہ کڑی اور گہری حدود و قیود کے ساتھ انتہائی تنگ دائرہ میں مقید کر دیا ہے، جو بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک ذمے دارانہ کردار کو ادا کرنے کے لیے شروع ہوتی ہے کہ ماں باپ کے کاندھوں پر ڈالی گئی اس ذمے داری کا مواخذہ ہو گا اور وہ آخرت سے پہلے اسی دنیا میں۔

آپ مار پیٹ کے ذریعے سے کیوں سزا دیتے ہیں؟

کیا واقعی طور پر تربیت کار (والدین وغیرہ) جس وقت مارنے پیٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، تو اس وقت ان کا یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ بچے کی اصلاح اور فائدے کے لیے اور اس کی اصلاح و تربیت کے جذبے کے تحت کر رہے ہیں؟ یا مار پیٹ کا سہارا اس لیے لیا جاتا ہے کہ یہ بڑوں کے ہاں اپنی اینٹھن اور تناؤ کو نکالنے کا ایک طریقہ ہے، جب کہ وہ اسے درست اور مفید صورت میں ختم کرنے کی قدرت سے محروم ہوں، یا یہ بھی بچے سے انتقام لینے کی ایک شکل ہے کہ اس نے مانوس اور مقصود طریقے کی مخالفت کیوں کی ہے اور اس نے ہماری تجویز کردہ ریت و رسم سے کنارہ کشی کیوں اختیار کی ہے؟

مار پٹائی کے لیے اصلی اور حقیقی سبب کو جاننے کی ضرورت

بچے کو جسمانی سزا دینے کے لیے حقیقی محرک کا واضح ہونا نہایت ہی ضروری ہے، اس لیے کہ یہی حقیقی سبب ہی کسی نہ کسی شکل میں متوقع نتائج میں مضبوط اور مستحکم ہوگا، اس لیے میں آپ کے سامنے اپنے بچوں کے پریشان کن رویوں کی فہرست رکھتا ہوں، تاکہ اس کی روشنی میں ہم اپنے لیے اسباب و محرکات کا جائزہ لے سکیں:

- بچہ گھر کے اندر بہت زیادہ اچھل کود کرتا ہے اور سکون بالکل نہیں کرتا۔
- بچہ ٹی وی کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کے پسندیدہ ترین پروگرام کے دیکھنے میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔
- بچہ آپ کی عینک کو کھسکا لیتا ہے، اسے ہاتھ لگاتا ہے اور اسے پہننے کی کوشش کرتا ہے۔
- بچہ ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف اور اپنے بستر سے زمین کی طرف چھلانگ لگاتا ہے۔
- بچہ آپ کے سفید لباس پر کوئی سیاہ سیال شئے انڈیل دیتا ہے۔

اس کے علاوہ روزمرہ کے ایسے سیکڑوں رویوں کی فہرست پیش کی جاسکتی ہے، جنھیں بچے اپنی خودکار عادت کی وجہ سے اختیار کر لیتے ہیں، میرا خیال ہے کہ ہر ماں باپ اپنے بچپن کی یادداشتوں کے ریکارڈ سے اس فہرست کو اور زیادہ بڑھا سکتے ہیں۔

مثبت تربیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان پریشان کن رویوں کی درستی یا ان کے یکسر خاتمے کے لیے مار کٹائی کے اسلوب کو ایک طرف رکھیں اور اس کے متبادل ایسے کامیاب طریقے تلاش کریں، جو بچے کے طرزِ عمل پر اپنا اثر چھوڑیں۔ اسی طرح اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جہاں ہم بچے کی اپنے پریشان کن رویوں کی طرف میلان اور محبت کو اپنی طرف سے قبولیت یا جواز کی سند نہ دیں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ان کے ازالے کے لیے منفی انداز کو اختیار کرنے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

سزا مسلط کرتے وقت

جس وقت آپ اپنے بچے پر سزا مسلط کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو اس وقت آپ کو کن حقیقتوں کا احساس لاحق ہوتا ہے؟ جب آپ پرسکون اور اطمینان بخش مکالمے کے طریقے کو ترک کرتے ہوئے مارنے پر ہی تل جاتے ہیں، تو اس وقت آپ کیا سوچتے ہیں؟

یقیناً آپ کو مختلف قسم کے اندیشے، خیالات اور احساسات بار بار آتے ہوں گے، اس کے باوجود بھی آپ اپنے بچے کو جسمانی سزا دینے کا پختہ عزم کر لیتے ہیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس دستور العمل سے آپ کی شخصیت پر ذیل کی فہرست میں سے کون سی صورت چسپاں ہوتی ہے۔

ا۔ خارجی احساسات:

① دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔
② سانس کا توازن بگڑ جاتا ہے۔
③ خون کی بہت بڑی مقدار تیزی کے ساتھ سر کی طرف دوڑنے لگتی ہے۔
④ ہتھیلیوں اور تلوؤں میں خارش اور جلن ہونے لگتی ہے۔
⑤ جبڑے سخت ہو جاتے ہیں۔
⑥ معدے کے پٹھے تناؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔
⑦ جسم کے اعصاب وعضلات بھی کرخت ہو جاتے ہیں۔

⑧ آنکھوں میں خارش ہونے لگتی ہے۔

⑨ دونوں ہونٹ بند ہونے لگتے ہیں، جس کا پتا ان کے لرزنے سے لگتا ہے۔

⑩ دونوں کانوں میں سیٹیاں بجنے لگتی ہیں۔

⑪ سر مسلسل جھنجھانے لگتا ہے۔

⑫ اڈرینالین کا اخراج ہونے لگتا ہے۔

یہ ایک ہارمون ہے جو شدید ترین خوف، پریشانی اور دباؤ کی صورت میں بڑھ جاتا ہے اور اس کے ساتھ نبض کی رفتار تیز ہونے لگتی ہے، اعصابی نظام اپنے عمل سے قاصر ہونے لگتا ہے، یہ صورت حال طویل دور سے انسان کے ساتھ ہے کہ جب وہ کسی خطرے کا سامنا کرنے یا کسی سے مقابلہ کرنے یا لڑنے کے لیے تیار ہو تو اس کے جسم میں کئی ہارمون اپنی خیزش بڑھا کر اس کو لڑائی جھگڑے کے لیے تیار کر دیتے ہیں۔[1]

⑬ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقت تھم گیا ہے یا پھر وہ غیر معمولی سرعت کے ساتھ گزرنے لگا ہے۔ ایسی صورت میں انسان فیصلہ کن قوت اور مضبوط کنٹرول سے محروم ہو جاتا ہے۔

⑭ گرد و پیش سے وہ لاتعلق ہو جاتا ہے، اس بچے کے علاوہ ہر شئے سے اس کی توجہ ختم ہو جاتی ہے۔

⑮ ساری توجہ اسی پریشان کرنے والے بچے پر ہی مرکوز ہو جاتی ہے۔

⑯ نبض کی حرکت حد سے زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔

⑰ اشتعال اور غصہ شدید ہو جاتا ہے۔

⑱ اشتعال انگیزی اور اکساہٹ سے وہ فوراً بھڑک اٹھتا ہے۔

[1] ماخوذ از ''ذہنی ونفسیاتی امراض اور ان کا علاج'' مولفہ ڈاکٹر جاوید اقبال۔

ب۔خیالات:

۱ اس سے زیادہ میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔

۲ میں تو پھٹ جاؤں گا۔

۳ کوئی بھی شخص تجھے، مجھ سے نہ بچا پائے گا۔

۴ شیطان۔

۵ بد بخت۔

۶ میں تو تجھ سے اور تیرے رویوں سے نجات کا خواہش مند ہوں۔

۷ اس دفعہ تو، مجھ سے تو نہیں بچے گا۔

۸ لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گا۔

۹ اب صبر کی انتہا ہو گئی ہے اور فیصلہ کن مرحلہ آن پہنچا ہے۔

۱۰ تو نے تو تمام حدوں کو پھلانگ لیا ہے۔

ج۔اندرونی احساسات:

۱ قوتِ برداشت کا فقدان۔

۲ مصائب و حوادثات کا سامنا کرنے سے معذوری۔

۳ فیصلہ سازی اور کنٹرول کی صلاحیت سے محرومی۔

۴ انتقام کا جذبہ۔

۵ سزا دینے کا رجحان۔

۶ غصہ اور کشیدگی۔

۷ ذہنی دباؤ۔

۸ ترش روئی اور بدکلامی۔

9 نا امیدی۔

10 شدت اور بے رحمی۔

11 نحوست اور بدشگونی۔

12 مشتعل مزاجی اور جوش پسندی۔

13 غلبہ اور قبضہ۔

بھڑک اٹھنے سے اجتناب کریں

ان جذبات و احساسات اور اس سے وابستہ افکار کے ردعمل میں کیا شئے رونما ہوسکتی ہے؟!

یہی نا کہ آپ دھاوا بول دیں گے، اس اثر پذیری کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ آپ مکالمے کے بجائے بچے کو مارنے پیٹنے کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، تھپڑ، طمانچے اور بد دعائیں، پھر بھڑک اٹھنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ جسمانی سزا دے دینے کے بعد نفسیاتی حالت ذیل کی صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں ہوسکتی ہے:

ا۔ جسمانی حالت:

1. تناؤ اور کشیدگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔
2. اڈرینالین کا اخراج رک جاتا ہے۔
3. دل اور نبض کی حرکتیں متوازن ہو جاتی ہیں۔
4. اینٹھن اور اعضاشکنی ختم ہو جاتی ہے۔
5. بہت بڑی حد تک اپنے گرد و پیش کی خبر ہونے لگتی ہے۔
6. اعصاب و اعضا ڈھیلے ہونے لگتے ہیں۔

ب۔ تفکرات:

1. یارب! کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔

② میں کیا کر بیٹھا ہوں؟

③ یہ اس کے مستقبل کے لیے سود مند ہوگا۔

④ میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے اس حالت میں کسی نے بھی نہ دیکھا ہو۔

⑤ وہ دیکھ بھی لیں تو کوئی فکر نہیں۔

⑥ ممکن ہے اسے کوئی چوٹ یا زخم نہ لگ گیا ہو۔

⑦ کہیں مار پیٹ کا کوئی واضح نشان نہ رہ گیا ہو؟

⑧ کون سا باپ ہے جو اس کا رویہ خوشی سے اپنا سکتا ہے؟

ج۔ احساسات:

① خوشی۔ ② شرمندگی۔

③ گناہ کا احساس۔ ④ مایوسی۔

⑤ بدشگونی۔ ⑥ محبت۔

⑦ انتقام۔

یہ لمبی فہرست کس لیے؟

کیا یہ فہرست آپ پر چسپاں ہوتی ہے؟ اگر ساری نہیں تو کچھ تو ضرور ان لوگوں پر فٹ آتی ہے، جو اپنی اولاد کو مارنے پیٹنے کا رجحان رکھتے ہیں، تاکہ وہ ان کے رویوں کو درست اور ان کو قابلِ قبول اور معتدل طرزِ عمل کو اختیار کرنے کی طرف مائل کر سکیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ آپ غصے اور اشتعال کی حالت میں عمومی طور پر اپنی کیفیت سے بے خبر ہوتے ہیں، لیکن کچھ سکون ہو جانے کے بعد آپ اپنے دل میں یہ کہتے ہوں گے کہ اس دنیا میں آپ ہی وہ پہلے اور اکیلے شخص نہیں ہیں، جس نے یہ کام کیا ہے، بلکہ خود آپ نے بھی اپنے بچپن میں ان حالات کو دیکھا ہے اور ان سے دوچار بھی ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے اقوال بھی مل جاتے ہیں، جن میں لاٹھی کو استعمال کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

کچھ لمحات کے لیے ہم ان اقوال کے صحیح سیاق و سباق سے صرفِ نظر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مار کٹائی کی طرف مائل یا مجبور ہو جاتے وقت مربی اور بچے کی داخلی زندگی پر کیا اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اگلے اوراق میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو اسی موضوع پر مواد نظر آئے گا۔

ٹکراؤ یا گریز، سختی یا برداشت؟

ہر انسان کی زندگی میں شدید غصے اور بھڑک اٹھنے کے لمحات میں ''اڈرینالین'' کی رطوبتوں کا اخراج غیر معمولی حد تک بڑھ جاتا ہے۔

باپ ہی وہ شخص ہے جو اکثر اوقات نہایت ہی مشکل ذمے داریوں کا سامنا کرتا ہے، ان مشکلات کی شدت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، جب اسے ان کی لازمی پیچیدگیوں کا احساس لاحق ہونے لگتا ہے، جو اس کی ذمے داریوں اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج وثمرات کی اہمیت کو مزید مستحکم کر دیتا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ [التحريم: 6]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔''

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ »[1]

''تم سب ذمے دار ہو اور تم سب سے اس کے ماتحتوں کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔''

یہی وجہ ہے کہ مسلمان باپ بعض اوقات غیر متوقع طریقوں کو استعمال

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4892] صحيح مسلم، رقم الحديث [1829]

کرتا ہے جو اس کی معمول کی عادات اور اس کے مانوس رویوں کے مخالف ہوتے ہیں، زندگی کا اور انسانی ردعمل کا یہ مسلمہ قانون ہے کہ ''پسپائی اختیار کرو یا ٹکرا جاؤ، نہیں تو پھر مفلوج اور بے حس ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

ٹکراؤ یا گریز!!

جس وقت باپ اپنے بچے کے لیے مار کٹائی اور سختی و شدت کے طریقے کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے تو اس وقت درحقیقت لڑائی اور ٹکراؤ کے قانون پر عمل پیرا ہوتا ہے اور یہ حقیقت سبھی کے علم میں ہے کہ جنگوں اور لڑائیوں میں فتح سے کوئی بھی فریق ہمکنار نہیں ہوا کرتا، جب کہ دونوں جانب کے نقصانات کا امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ یہ معاملہ عام انسانی تنازعات کا ہے۔ اسلامی جہاد اس امکان سے مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ مسلمان کی زندگی کے نقصان و خسارے کی صورت میں شہادت اور جنت کی سرفرازی کا بے مثال نعم البدل اس کے پاس موجود ہوتا ہے۔

لیکن اگر باپ اپنے بچے کے ناپسندیدہ رویوں کی وجہ سے پیدا ہو جانے والے شدید ترین پیچیدہ حالات میں پسپائی کا طریقہ اختیار کر لیتا ہے تو یقیناً جہاں ایک تعمیری طریقہ قرار پائے گا، وہاں یہ بچے کے طرزِ عمل میں اصلاح کا بہت بڑا موثر حربہ بھی ثابت ہو گا، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ مربی اس طرح کے پیچیدہ حالات میں بے بسی و لاچاری اور مفلوجیت کا شکار ہو کر کسی قسم کی گھبراہٹ یا تذبذب کا شکار نہ ہو جائے۔

اگر ہم ٹکراؤ اور پسپائی کی دونوں حالتوں میں باپ کی جسمانی حالت اور اس کے خارجی احساسات کے مابین تقابل کریں، تو ہمیں ان دونوں کے درمیان مکمل مشابہت نظر آئے گی، لیکن اختلاف کا ظہور باپ کے ردعمل سے ہو

سکتا ہے اور اہمیت بھی اسی کو حاصل ہے۔

کیا وہ اپنے آپ پر کنٹرول رکھتا ہے؟ یا وہ اپنے داخلی تغیرات کا اسیر ہو جاتا ہے اور پھر بلا سوچے کارروائی کرنے لگتا ہے، اسی لیے آپ کو ہمیشہ صادق مصدوق ﷺ کا یہ فرمان پیشِ نظر رکھنا چاہیے:

«لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»[1]

''طاقتور وہ نہیں جو مات دیدے، بلکہ طاقتور تو وہ ہوتا ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھے۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5763] صحيح مسلم، رقم الحديث [2609]

اپنی پالیسیوں کو متعین کر لیں اور اپنے آپ کو ناگہانی صورتحال کے لیے مستعد رکھیں

اڈرینالین کے رساؤ کو بگاڑ اور ابتری سے متعلق چوکنا کر دینے والی علامت اور غیر معمولی اشارہ سمجھنا چاہیے، اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ آپ کو مطلع کیا جا رہا ہے کہ آپ اپنے اور اپنے بچے کے درمیان سوچ بچار کے لیے ایک فاصلہ قائم رکھیں، تاکہ اس میں آپ پیش آمدہ حالات سے بہتر انداز سے نمٹنے کے لیے ایک ایسا فیصلہ کر سکیں، جو محفوظ ہونے کے ساتھ تعمیری کردار ادا کر سکے، اسی لیے یہ بات انسان کے لیے ہمیشہ پسندیدگی کا موجب ہے کہ اس کے رویوں اور ردعمل کے ذاتی لائحۂ عمل پر مبنی اس کی پالیسیاں پہلے سے طے شدہ موجود ہوں۔

مثبت اور تعمیری لائحہ عمل کے لیے چار (4) اقدامات

مثبت لائحہ عمل کے لیے ذیل کے چار اقدامات کو اختیار کرنا چاہیے:

① یقین کامل:

آپ یقین کر لیں کہ ٹکراؤ کی پالیسی سودمند ثابت نہیں ہو سکتی۔

مار کٹائی وقتی فائدہ ضرور دیتی ہے، مگر اپنے پیچھے طویل مدت کے لیے منفی اثرات چھوڑتی ہے، باپ اور بیٹے کے باہمی تعلقات کو ضرر سے دوچار کرتی ہے یا بیٹے کے شخصیتی امتیازات کو رائیگاں کر دیتی ہے۔

وقتی طور پر پسپائی، میرے بیٹے کے طرزِ عمل میں اعتدال پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

طاقتور وہ ہوتا ہے جو غصے اور اشتعال کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول رکھتا ہے۔

② مضبوطی اور خفیہ پیغام:

مذکورہ بالا مسلمات میں سے اپنے لیے سب سے زیادہ موثر پہلو کے چناؤ کے دوران میں اپنے یقین کو مزید پختہ کر لیں اور اسے بار بار اپنے ذہن میں دہرائیں۔

③ غور و فکر:

آپ اپنے اور اپنے بچے کے درمیان طویل فاصلہ قائم رکھیں اور اس دوران میں اپنے بچے کی طرف مثبت کلمات کے ذریعے سے پیغام رسانی کرتے

رہیں، مثلاً یوں کہیں ''آپ بہت ہی ہوشیار اور عقل مند بچے ہیں، مگر یہ ضرور سوچیں کہ اس صورت حال سے کیسے نمٹیں گے۔''

④ رویہ:

ان حالات میں آپ اپنے بچے کے بعض مثبت رویوں پر نظر رکھیں اور اسی کو آپ اپنے رویوں اور ردعمل میں استعمال کریں، اگر ماں باپ کی زندگی میں پریشان کن اور ناپسندیدہ طرزِ عمل کے مقابلے کے لیے مثبت رویوں یا پالیسیوں کا لائحہ عمل موجود نہ ہو تو بہت بڑی حد تک عمل ایسے ردعمل کی طرف منتقل ہونے لگتے ہیں، جو غصے اور کشیدگی سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے پہلو میں منفعت کو لیے ہوتے ہیں اور کسی بھی قسم کے تعمیری کردار سے قاصر ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ہمیں ایسے فیصلوں اور پالیسیوں سے محتاط رہنے کی تلقین فرمائی ہے، جو انسان سے غصے، جوش اور اضطراب کی حالت میں صادر ہوتے ہوں، بلکہ یہ اسلام کی رحمت اور انصاف پروری کی دلیل ہے کہ اس نے ان حالات میں صادر ہونے والے اکثر فیصلوں کو کالعدم قرار دیا ہے۔

اپنی توانائی کو تخریب کے لیے نہیں بلکہ تعمیر کے لیے محفوظ رکھیں

جب کوئی انسان مشکل ترین حالات میں اپنے اوپر کنٹرول نہیں رکھتا اور وہ منفی ردعمل کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے تو وہ اپنی زبردست پوشیدہ قوت کو ضائع کر بیٹھتا ہے، جس کو محفوظ کرنا لازم تھا، تاکہ اسے تعمیر و تربیت، تعلیم و حوصلہ افزائی، مکالمہ و نگہداشت کے لیے اور عبادت الٰہی سے معمور پرسکون روزمرہ کی زندگی اور قرآن کریم کی تلاوت کے لیے، خاندان کی اچھی معاشرت، فلاحی و رفاہی کاموں، لوگوں کی خدمت و معاونت اور راستوں سے اذیت رساں اشیا کو ہٹانے کے لیے صرف کیا جاتا۔

اسی لیے لائحہ عمل ہی وہ کلید ہے، جس کے ذریعے سے ہم اپنی قوت کو محفوظ اور اپنے نفس پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں، اس سے ایسی علمی استعداد اور صلاحیت مقصود ہے، جو ناگہانی حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے حاصل کی گئی ہو۔
اگرچہ ہم نے اختصار کے ساتھ بنیادی لائحہ عمل کے اقدامات کو بیان کر دیا ہے، لیکن ہم اسے مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مثبت اور تعمیری تربیت کے ذریعے سے ہمارے گھرانے خوش بختی و بختاوری سے مالا مال ہوں اور ان سے ایسی اولاد ظہور پذیر ہو سکے، جس کے ذریعے سے ہمارے رسول اعظم ﷺ تمام امتوں پر اپنی امت کی برتری و تفوق کو ظاہر فرمائیں گے اور اس کے ذریعے ہی سے امتوں کے درمیان بے وزن خس و خاشاک ہونے کے بجائے اوصاف اور فضائل میں اس کی ہمسری ثابت ہو سکتی ہے۔

غیر معمولی سانحہ اور اس کی کہانی

اس باپ کا واقعہ ہمیشہ یاد رکھیں، جو ناگہانی حالات سے نمٹنے کی صلاحیت کے مفہوم و مطلب سے ناآشنا تھا اور جس کے پاس عمدہ سلوک اور اچھے برتاؤ کا کوئی لائحہ عمل ہی نہ تھا اور یہ اپنے معصوم بچے کے داہنے بازو کے کٹ جانے کا سبب بن گیا، یہ معصوم اور بے گناہ بچہ کسی جرم و تقصیر کا مرتکب بھی نہ ہوا تھا، ماسوا اس کے کہ وہ اپنی نشو ونما کے مطابق متحرک رہنا چاہتا تھا اور اپنے گرد و پیش سے آگاہی کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا باپ ہسپتال کے اندر اس کی تیمار داری کے لیے موجود تھا، تو اس نے اپنے باپ سے کہا:

ابا جی! میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا، تو کیا آپ مجھے میرا ہاتھ واپس کر سکتے ہیں؟!!

پیارے ابا جان! مجھے میرا ہاتھ لوٹا دیں!!

وہ بہت ہی زیادہ اچھل کود کرنے والا شریر بچہ تھا، اس کا سارا حسن و جمال اس کی معصوم شرارتوں ہی میں پوشیدہ تھا، بالکل پانی کی طرح جس کی خوبصورتی اس کی شور کرتی لہروں کے اندر موجود ہوتی ہے، ماں باپ اسے بے حد و انداز پیار کرتے، پڑوسی اور محلے کے سبھی لوگ اسے بہت ہی زیادہ چاہتے تھے، اسے اٹھانے، کھلانے اور اس سے خوش طبعی کرنے کے لیے سب لوگ پروانوں کی طرح ٹوٹا کرتے تھے، اس کی شیریں ترین، روشن اور پر امید آنکھوں کی ایک ہی جھلک جو اس کے چھوٹے سے منہ سے بے ساختہ پھوٹنے والی معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ مزین ہوتی تھی، دیکھنے والوں کو اس کے ساتھ وابستہ کرنے کے لیے کافی تھی اور اس سے بڑھ کر پیار اور محبت کرنے پر مجبور کر دیتی تھی، اب وہ بڑا ہو گیا اور اپنی عمر کے ساتویں سال میں قدم رکھ چکا تھا۔

بدنصیبی سے ایک دن اس نے اپنے جیسے بچوں کی جانی پہچانی حرکتوں کی طرح کی کوئی ایسی شرارت کر ڈالی، جس سے اس کی ماں ناراض ہو گئی، اتنا کہ آج تو اس نے قسم کھالی کہ وہ اس کی شکایت اس کے باپ سے، جب وہ اپنے کام سے واپس آئے گا، ضرور ہی کرے گی، مگر بچے نے اپنی ماں کی باتوں کی کوئی پروا نہ کی کہ وہ اپنی ماں کی اس طرح کی باتوں کا عادی ہو چکا تھا۔

اس کا باپ دفتر میں اپنے کام میں مشغول، کاغذات میں گھرا ہوا، یوں کہیے کہ وہ کاغذات کی کثرت کی وجہ سے ان کی باریوں کے محاصرے میں پھنسا

ہوا تھا، اس پر دستخط کی ضرورت ہے، تو اس کی چھان بین مطلوب ہے، ٹیلی فون، جی ہاں! ٹیلیفون بھی وہ جو برابر بج رہا تھا، مستقل میٹنگیں اور ہر روز باہر سے آنے والے وفود سے ملاقاتیں، جیسا کہ ڈائریکٹروں کے معمولات ہوتے ہیں۔

گیراج کا دروازہ کھلتا ہے، ماں کو اپنے خاوند کے آ جانے کا علم ہوتا ہے، وہ اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھتی ہے اور اسی دوران میں اس کے سامنے پورے واقعات کی تفصیل شروع کر دیتی ہے۔ تیرے بیٹے نے پیالہ توڑ دیا ہے اور اس کے علاوہ وہ ٹی وی سیٹ پر چڑھ بیٹھا تھا، جس کی وجہ سے ٹیلی ویژن اوندھا ہونے لگا تھا اور۔ اور۔ میرے ڈراوے کو تو یہ سنتا ہی نہیں ہے، بلکہ یہ روکنے پر اور زیادہ شرارتیں کرتا ہے۔

اسی وقت ہی باپ کے تھکے ماندے اور بھرے ہوئے سر کے اندر منفی طیش گھومنے لگا، وہ اپنے بیٹے پر چلایا اور اس کی آنکھوں سے چنگاریاں اڑنے لگیں، پھر کیا تھا اس نے اپنے بیٹے کو کندھے سے پکڑا اور اس کو نہایت ہی بے رحمی سے جھنجھوڑنے لگا، اسی دوران میں اس کی نظر گیراج کی دیوار کے ساتھ لٹکتی لکڑی کی چھٹی پر پڑ گئی اور اسے اٹھا لیا اور اس کے ساتھ اپنے بیٹے کے ہاتھ کو بری طرح سے پیٹنے لگا۔

بچہ زمین پر پڑا ایڑیاں رگڑنے لگا، باپ نے اپنے ایک ہاتھ کے ساتھ بچے کو قابو کر رکھا تھا اور دوسرے کے ساتھ اسے بے تحاشہ مارے جا رہا تھا، ماں نے یہ صورتحال دیکھی تو اس سے برداشت نہ ہو سکا اور اس نے اپنے خاوند کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر بچہ جتنا ہائے وائے کرتا باپ اسی قدر زیادہ مارنے لگتا۔ اسے بیٹے کی آہ و بکا متاثر کر سکی اور نہ وہ اس کے چیخنے چلانے پر متوجہ ہوا، مگر جس وقت اسے اپنے بیٹے کے ہاتھ سے خون ابلتا نظر آیا، تو وہ چونکا اور اپنے

ہاتھ میں پکڑی پھٹی کو دیکھا بھالا، تو دیکھا کہ وہ کیلوں سے بھری ہوئی ہے۔

اپنے بیٹے کو ہسپتال میں لے آیا، بیٹا درد کی وجہ سے چلائے جا رہا تھا اور باپ بے فائدہ ہسپتال کے اندر تسلیاں دے رہا تھا، اس وقت خوف اور دہشت کی انتہا نہ رہی، جب ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ اس ہاتھ کا کاٹا جانا لازم ہے، اس لیے کہ لوہے کے کیل زہر آلود تھے۔

آپریشن ہو جانے کے بعد جھکے سر کے ساتھ باپ بیٹے کے پاس آتا ہے، اس وقت معصوم بچے نے بہت سارے سوالات سے بھری نظر کے ساتھ اپنے باپ کو دیکھا اور کہا:

''میرے پیارے ابا جان! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میرا آخری عمل تھا جو آپ کی شدید ناراضی کا باعث بنا، آیندہ کبھی اس طرح کی حرکت کا ارتکاب نہیں کروں گا، تو کیا ابا جان آپ میرا ہاتھ مجھے واپس لوٹا دیں گے؟!''

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اولاد کو سزا دیتے وقت باپ کی ذہنی ونفسیاتی حالت کیا ہوتی ہے، مگر یہ تصویر اس وقت ہی مکمل ہوسکتی ہے، جب بچے کی بھی انھی دونوں حالتوں کا احاطہ کر لیا جائے، خاص طور پر اس لیے کہ بچہ ہی عمل اور ردعمل کے لیے سرافگندہ ہوتا ہے اور اس کی شخصیت ہی اپنی نرمی و لچکداری کی وجہ سے مقصود ہوتی ہے۔

سختی اور بے رحمی کا شکار بچہ کیا محسوس کرتا ہے؟

بڑوں کی بے دردی اور شقاوت کے شکار بچے کے جذبات و احساسات کیا ہوتے ہیں؟ ہم اس پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

آپ ذرا اس آخری موقع کو یاد کریں، جب آپ نے کسی باپ کی اس وقت ہمنوائی اور پشت پناہی کی تھی، جب وہ اپنے بیٹے کو سزا دے رہا تھا اور آپ نے یہی سمجھا تھا کہ آپ حق اور دلیل کا ساتھ دے رہے ہیں، جب کہ اس موقع پر ایسے لوگ بھی ضرور موجود ہوں گے، جو اس باپ کو ظالم اور ستم گر قرار دے رہے ہوں گے۔تم دونوں اس کوشش میں تھے کہ بچے کی سزا وتعذیب کی وجہ سے ظہور پذیر ہونے والے احساسات یا موقف سے اپنے آپ کو نجات دلائیں، اس موقع کی مناسبت سے آپ فیصلہ کریں کہ ذیل کی اصطلاحات میں کونسی اصطلاح آپ پر چسپاں ہوتی ہے؟

① بدشگونی۔
② درد۔
③ انتقام۔
④ رنج واندوہ۔
⑤ کنارہ کشی۔
⑥ تذبذب اور حیرت۔
⑦ غصہ۔
⑧ تہمت عائد کرنے والا۔
⑨ سمجھانے سے قاصر۔
⑩ بغض وعداوت۔
⑪ گراوٹ اور انحطاط۔
⑫ دوگنی سزا۔
⑬ ناراضی اور اشتعال۔

کیا آپ نے اسی وقت سکون و اطمینان کے ساتھ ہر قسم کے تاثرات سے لاتعلقی اختیار کرتے ہوئے یہ پوچھا تھا کہ کیا اس طرح کے حالات میں کوئی بچہ اس سے مختلف کردار ادا کرسکتا ہے؟

بچوں کے لیے تو یہ بالکل ہی ناممکن ہے کہ وہ بڑوں کی طرح اپنے تاثرات، طرزِ عمل اور خواہشات کو کنٹرول کرسکیں، لیکن آپ اپنی غصے کی حالت کو سامنے رکھیں اور اس وقت پیدا ہونے والے اپنے جذبات و احساسات اور سوچوں کا جائزہ لیں۔ اگر بچہ بھی ایسے ہی خیالات کو اپنا لے تو اس کا نتیجہ اس فرد کے متعلق کیا نکلے گا، جو تا حال خام ہے اور تعمیر و تشکیل کے مراحل میں ہے؟

مار کھانے کے بعد بچہ کیا سوچتا ہے؟

بچے کو جس وقت سزا دی جاتی ہے، تو وہ اپنے باپ سے خوف محسوس کرنے لگتا ہے اور بڑی حد تک یقین کر لیتا ہے کہ آپ اس سے ذرا بھی محبت نہیں کرتے، بلکہ اس سے شدید نفرت کرتے ہیں، اس کے ساتھ اسے گھبراہٹ، خوف اور بے اطمینانی کا احساس لاحق ہو جاتا ہے، اس لیے کہ وہ شخصیت جس پر اس کی حفاظت ونگہداشت فرض تھی اور وہ اسے اطمینان و آسودگی سے ہمکنار کر سکتی تھی، اسے ہی اپنے فائدے اور منفعت سے لاتعلقی ہوگئی ہے اور اسے اپنے آپ پر ضبط نہیں رہا، اب وہ سوچنے لگتا ہے کہ اس سے لاتعلقی اختیار کی جا چکی ہے اور وہ بدنصیب لوگوں کی فہرست میں درج ہو گیا ہے، وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کرے اور اس کا شمار اچھے بیٹوں کی لسٹ میں ہو جائے؟

وہ ان حالات میں اڈرینالین کے غیر معمولی اخراج کی وجہ سے کسی ہدایت و راہنمائی کا ہمہ جہتی احاطہ کر سکتا ہے نہ کسی پیغام کو سمجھ سکتا ہے اور نہ وہ سنجیدگی اور وقار کے ساتھ کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔

یہی احساسات بعد میں غیر اختیاری پیشاب کے اخراج، خوف کی بیماری اور اپنی ذات میں محدودیت اور شرمندگی وخجالت ایسے دوسرے عوارض کا موجب بن جاتے ہیں۔

اے باپ! ذرا آپ غور کریں

ہم نے اس سے پہلے سزا دیتے وقت باپ کی شخصی خصائص و علامات کا تذکرہ کیا ہے، آپ ان کا مطالعہ کریں اور انھیں سختی وتشدد کے تحت زندگی گزارنے والے بچے کے احساسات و جذبات اور اس کی وجہ سے بچے کی ذات پر مرتب ہونے والے اثرات کے مابین تقابل کریں، جو اس قوت اور بہادری کے جواہر سے محروم ہو چکی، جس کی آرزو ہر مسلمان فرد کو لاحق رہتی ہے کہ اس کے ہاں ایسی اولاد پیدا ہو، جو معیار اور قوت کے اعتبار سے وقار اور برتری کا باعث بنے نہ کہ ایسی جو تعداد میں تو بہت زیادہ ہو، مگر وہ ہو بے کار اور بے وزن۔

آپ اپنے قیمتی اوقات میں سے صرف چند لمحات کے لیے حد درجہ نرمی کے ساتھ پُرسکون جگہ پر بیٹھیں اور غصے کے وقت اپنی حالت کا اور اپنے کمزور و بے بس بچے کے احساسات کا تصور کریں، اس کے بعد اپنے بچے کو عمدہ ترین اخلاق، جرأت و ہمدردی اور پیش قدمی کی بنیاد پر نشو ونما دینے کے لیے زیادہ سود مند متبادل طریقہ کار کی جستجو کریں، تا کہ آپ کا بچہ فرمانِ رسول کریم ﷺ:

«اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ»

''طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور مومن کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔''[1]

کے مطابق طاقتور ایمانداروں کے زمرے میں داخل ہو جائے۔

اپنے سابقہ اسلوب کو بدلتے وقت یہ فیصلہ بھی کر لیں کہ آپ کے غصے نہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2664]

ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اپنے نزدیک ایک غیر پسندیدہ روش یا طرزِ عمل پر بھی ناراض نہ ہوں، بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ آپ اچھا طریقہ کار استعمال کریں، یعنی غصے کے وقت آپ بگاڑ اور تخریب کے بجائے تعمیر و اصلاح کے پہلو کو ترجیح دیں گے، اس وقت ہی آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا اسلوب تبدیل ہو گیا ہے اور آپ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔

ہم اس مطلوبہ تبدیلی کے طریقہ کار پر آگے روشنی ڈالیں گے اور بتائیں گے کہ تربیتی مشکلات اور ماں باپ اور اولاد کے باہمی تعلقات میں پیدا ہونے والی الجھنوں کے ازالے کے لیے مثبت تبدیلیوں کے عمل میں ہمیں کونسے اقدامات کرنے ہوں گے، اس طرح سے ہم اڈرینالین کے رساؤ کو ایک قاعدہ و قانون کے ماتحت کرنے کے ساتھ اسے مثبت تعمیری قوت میں بھی بدل سکتے ہیں، یقیناً اس طرح کی مہارت خاندان بھر کی خوشیوں اور اس کے افراد کے باہمی تعلقات کے لیے مفید اور ضروری ہے، اسی کے ذریعے سے ہمیں اپنی اولاد کے لیے پسندیدہ اور محفوظ ترین راستہ مل سکتا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا بچہ جسمانی اور روحانی اعتبار سے مکمل طور پر درست ہو جائے۔

ہم اپنے بچوں کو کیوں مارتے ہیں؟

ڈاکٹر احمد جمال ماضی ابوالعزام کہتے ہیں:

''بڑوں کی طرف سے بچوں کے ساتھ سختی اور بے رحمی کے واقعات خواہ وہ معمولی قسم کے ہی کیوں نہ ہوں، وہ انتہائی گہرے نفسیاتی زخم لگا کر چھوڑتے ہیں اور یہ زخم زیادتی کی ہر نئی واردات کے ساتھ مسلسل پیچیدہ تر ہوتے جاتے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص اگر اپنی بچپن کی یادداشتوں کو پیش نظر رکھے تو وہ یقیناً اس کی تصدیق کرے گا۔ بچپن کی وہ یادیں حد درجہ تلخ اور ناخوشگوار ہوتی ہیں، جن میں ہمیں اپنے ماں باپ کی طرف سے مار پیٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا، بعض لوگوں کو تو اس طرح کی یادوں سے نفرت سی ہونے لگتی ہے اور وہ اسے کم سے کم بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر کسی ضرورت کے تحت بیان کرنا بھی پڑے تو وہ اسے تفریحی یا خوش طبعی کے انداز سے بیان کر دیتے ہیں۔

''اس طرح کے حالات کو بیان کرتے وقت بالعموم چہروں سے مسکراہٹ غائب ہو جایا کرتی ہے، اگر آتی بھی ہے تو اس پر شرمندگی اور ندامت کا پرتو ہوتا ہے اور یہی پوشیدہ خجالت ہی ان کو مسکراہٹ کی طرف مائل کرتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم دکھ، درد اور اذیت سے بچنے کے لیے ان تلخ ترین واقعات کو بھلا بیٹھتے ہیں۔

''بچوں کے ساتھ سختی اور تشدد کے واقعات اکثر طور پر تھپڑوں یا چھڑیوں کے ذریعے سے ہوتے ہیں، اس طرح کے واقعات اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات کا انکار کرتے ہوئے بعض لوگ تھپڑوں کو بچوں کے ساتھ بے رحمی یا تشدد تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح کی سزا سے نہایت ہی کم نقصان ہوتا ہے۔''

چہروں پر تھپڑ رسید کرنا، زہر آلود کھانے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، جس کا علاج ممکن ہوتا ہے اور اس سے انسان کو مستقبل میں کسی قسم کے نقصان کے بغیر نجات بھی مل سکتی ہے، لیکن بھلا ہم میں سے کوئی ہے جو اسے اپنے لیے پسند کرتا ہو؟ اگر کوئی انسان منہ پر تھپڑ کھانے کے باوجود زندگی گزارنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تھپڑ ایک قیمتی شے ہے۔

اس طرح کی مار حد درجہ خطرناک ہوتی ہے، لیکن بعض والدین بحث پر اتر آتے اور کہتے ہیں کہ اگر ماں باپ کو بچے پر کنٹرول ہی نہ ہو اور وہ راستہ عبور کرتے وقت اسے مضبوطی سے پکڑ بھی نہ سکتے ہوں تو ان کی ذمے داری اور مسئولیت کا کیا مطلب باقی رہ جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بچوں کے رخساروں پر تھپڑ مارنے کی وجہ سے انھیں زبردست جذباتی ہیجان لاحق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بڑوں سے کچھ سیکھنے کی استعداد و قدرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اس طرح کی مار پیٹ سے یقیناً بڑوں کے غصے کی تسکین ہو جاتی ہے، لیکن بچوں کے اندر شدید ترین غیظ وغضب کو پیدا کر دینے کی قیمت پر! بڑوں کا غصہ تو وقتی ہوتا ہے، مگر بچے کے چہرے پر لگے تھپڑ کے اثرات مستقل اور دیر پا

رہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں مطلوبہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اس طرح کی سزا سے بچوں کو یہ احساس لاحق ہوتا ہے کہ ان کے گرد و پیش میں رہنے والے بڑے لوگ ان کے لیے خطرناک ہیں، اس لیے یہ ان سے دور رہنے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔

اعتماد کا فقدان:

مسلسل منہ پر تھپڑ مارنے کا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ بچے کا اپنے والدین پر اعتماد و یقین ختم اور ان کے ساتھ اس کی محبت میں بوسیدگی اور بھر بھراپن پیدا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس بچے کو متواتر زد و کوب کیا جاتا ہو، وہ اپنے ماں باپ کو محبت اور امن و آسودگی کا منبع و محور تسلیم کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے اور یہی وہ حیات بخش عناصر ہیں، جو ہر بچے کی صحت مند نشو ونما کے لیے ناگزیر قرار پاتے ہیں۔

بچے کی حفاظت و نگہداشت اور اس کی خوراک کے حق کو تو اس سے صادر ہونے والے کسی بھی رویے یا برتاؤ کے ساتھ قطعاً مشروط نہیں ہونا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تحفظ، حمایت اور غذا کو بھی اسی سختی و شدت کا ایک حصہ شمار کرنے لگے اور پھر وہ اس قسم کی خوراک اور نگہبانی کو بھی مسترد کر دے۔

جن بچوں کو مارا پیٹا جاتا ہے، وہ بعینہ ان بچوں کی طرح ہوتے ہیں جو مناسب غذا گرم جوشی اور اطمینان و آسودگی کے حق سے محروم اور بہترین انداز کی نشو ونما کے حصول میں ناکامی سے دوچار کر دیے گئے ہوں۔

مارنے کی دھمکی:

بعض والدین شاذ و نادر اپنی اولاد کو مارتے ہیں یا وہ بالکل ہی نہیں مارتے، لیکن وہ مارنے کی دھمکیاں لگاتار دیتے رہتے ہیں، یا اس کے علاوہ کوئی

ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جو مار کٹائی سے بھی زیادہ بے رحمی پر مبنی ہوتا ہے، مثلاً وہ کہتے ہیں:

''زبان بند نہ کی تو میں تیری زبان ہی کاٹ ڈالوں گا۔''

اس طرح کے انداز سے والدین کو وقتی طور پر اپنی اولاد پر غلبہ اور بالا دستی تو بہ آسانی حاصل ہو جاتی ہے، بچے اس طرح کی جھڑکیوں کو سن کر اطاعت کرنے لگیں یا انکار کر دیں، بہر حال وہ اس طرح کی متوقع خوفناک سزا سے نجات حاصل کرنے کے لیے جھوٹ اور دھوکا دہی کے امکانات کو ضرور سیکھ جاتے ہیں، بالآخر جب انھیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈراوا تو بے جان تھا، جسے کبھی رو بہ عمل لایا ہی نہ جا سکتا تھا، تو پھر ان کے ذہنوں میں بڑوں، خاص طور پر وہ جو قابل وثوق تھے، کے متعلق یہ گہری اور سنجیدہ و خطرناک رائے قائم ہو جاتی ہے کہ ''یہ سب لوگ کذب بیانی کرتے ہیں۔''

جب بچوں اور ان کے تربیت کاروں کے مابین اعتماد اور بھروسے کا رشتہ کمزور پڑ جائے تو پھر بذات خود بچوں کے ہاں دوستی اور میل جول کے تعلقات استوار کرنے کی صلاحیت شدید ترین بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے، بلکہ وہ دوسروں کے ساتھ کسی بھی قسم کے مخلصانہ تعلق اور ثمر آور تعاون کے رشتے جوڑنے کی استعداد سے کلی طور پر قاصر ہو جاتے ہیں۔

اس طرح کی صورت حال سے دوچار بچوں کی نظر میں تعلقات اور روابط نزاع اور تکرار کا محل ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت محض ایسے سامان کی طرح ہوتی ہے، جس میں فائدہ ہونے کا احتمال بھی ہے اور نقصان کا بھی اور یہ دوسروں پر اعتماد، اطمینان اور یقین کو بے وزن اور کمزور سمجھتے ہیں، جو زیادتیوں کی وجہ سے اپنا وجود کھو سکتے ہیں۔

ہم نے فوراً سزا دینے کے میلان و رجحان کے مربی اور بچے کی ذاتوں پر پڑنے والے آثارِ بد کی پوری تفصیل بیان کر دی ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ مربی یا والد سزا دیتا ہے تو وہ ابتدائی طور پر ظاہر ہونے والی چند عارضی و وقتی علامات کے علاوہ بچے کے اندر کسی بھی مثبت تبدیلی کو اجاگر کرنے سے قاصر رہتا ہے، یہ وقتی اطاعت و قبولیت جلد ہی ختم ہو جاتی ہے تو اس کی جگہ ایسے رویے ظہور پذیر ہوتے ہیں، جو سخت ناگوار اور حد سے زیادہ پیچیدہ ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے ہمت، بہادری، خود اعتمادی، اقدام و تحریک، لوگوں کے ساتھ برتاؤ کی صلاحیت اور والدین کے ساتھ باہمی محبت کی صورت میں بچے کے مختلف پہلو متاثر ہوتے ہیں۔

ہم کوشش کریں گے کہ ان لمحات میں ان تربیت کاروں کو متبادل طریقے اور اسلوب پیش کریں، جو اپنی اولاد کی تربیت و راہنمائی کے لیے سختی اور تشدد کے لگے بندھے طرزِ فہمائش پر بھروسا کیے ہوئے ہیں۔

آپ کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟

یہ ہدایات بچوں کے پریشان کن رویوں کے مقابلے میں اچھے طرزِ عمل کے اختیار کرنے میں کافی حد تک مددگار ثابت ہوسکتی ہیں، ان ہدایات میں سے بعض تو ایسی ہیں، جن کو اولاد کے ناپسندیدہ رویوں کے ظہور سے پہلے حفظِ ما تقدم کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے اور میرے خیال میں یہ طریقہ بچے کی ناپسندیدہ چال چلن کی اصلاح کے لیے دخل اندازی سے کہیں زیادہ موثر اور کارگر ہے۔

سب سے پہلی راہنمائی یا فیصلہ یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد کے ساتھ سختی اور شدت کے اپنے ذاتی اور ماضی کے ساتھ وابستہ تمام بیک گراؤنڈ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے خود کو تیار کریں، نہ صرف یہی بلکہ ان کو بدل دینے کا عزم کر لیں اور ایسی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے خود کو آمادہ کریں، جو آپ کو اور آپ کے خاندان کو سکون، اطمینان، ہم آہنگی کے ساتھ آراستہ مفید ترین ربط و تعلق عطا کر دے، جس کے نتیجے میں آپ اپنی اولاد کے اندر وہ کچھ دیکھیں گے، جس کے آپ آرزومند رہتے ہیں۔

والدین اور اولاد کے باہمی تعلقات کی مضبوطی کے لیے دس (10) اقدامات

① آپ متوازن دلچسپی کو اپنائیں، اپنے بچے سے صادر ہونے والے اچھے اور قابلِ تحسین رویوں کی ستائش کریں، ان کے مقابلے میں ایسے رویے جو کم نقصان دہ ہوں، یا حد سے زیادہ اچھل کود، بہت زیادہ سوالات یا سخت مخالفت و عناد ایسے انداز، جو معصوم بچپن کی خصلت و عادات سے تعلق رکھتے ہوں، سے چشم پوشی اور بے توجہی برتیں۔

② غیر مہذب اور نامناسب طرزِ عمل کو قطعاً قبول نہ کریں اور نہ اس کے ظہور کے ابتدائی مرحلے پر مسکرائیں، بلکہ اسے بدلنے کے لیے مداخلت کریں اور یاد رکھیں کہ بچے کو طمانچہ مارنے سے اس عمل سے دور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ طمانچہ تو اسے اور زیادہ پختہ کرے گا اور وہ اس طرزِ عمل کو باپ کا سامنا کرنے کے لیے کمزور پوائنٹ سمجھے گا، یا مستقبل میں اسے انتقام لینے کا ایک ذریعہ خیال کرے گا۔

③ اپنے بچے کے لیے ضابطے اور قوانین متعین کر دیں اور اس کی طرف سے ان قوانین کی پاسداری کو خوب سراہیں اور ان ضابطوں کے لیے اپنے بچے کی طرف سے قبولیت اور پسندیدگی پر مبنی تمام تر اعمال کی توثیق کریں۔

④ اپنے لیے بھی ایک لائحہ عمل لکھ لیں، جس کی روشنی میں آپ طے شدہ

قوانین وضوابط کی خلاف ورزی کے وقت اپنے بچے کے معاملات میں دخل دیں گے، یاد رہے کہ اپنے لیے جو بھی لائحہ عمل لکھیں، اسے سکون و اطمینان کی حالت میں لکھیں غصے اور اشتعال میں تو قطعاً نہیں۔

۵ اپنے خاندانی تعلقات کی مضبوطی و استحکام کے لیے طے شدہ منصوبے کی کامیابی کے ہر موقع و مناسبت پر آپ اپنے رب کا شکر ادا کریں اور "الحمد للّٰه" کہہ کر اپنے آپ کو انعام دیں اور اپنے خاندان کے افراد کو اپنے سمیت خصوصی سیر و سیاحت، عمرے اور تحائف کی شکل میں ہدیہ دیں۔

۶ اپنے بچے کی روز مرہ کی سرگرمیوں کی ایک فہرست بنائیں اور اسے دو قسموں میں تقسیم کر دیں، ایک قسم کی فہرست میں وہ سرگرمیاں لکھی ہونی چاہییں، جن کے مطابق آپ اپنے بچے کو چلانا چاہتے ہیں اور دوسری قسم میں ایسی سرگرمیوں کو مندرج ہونا چاہیے، جن کے اختیار کرنے کا حق آپ کے بچے کے پاس ہو، بایں طور کہ وہی اپنے نقطہ نظر سے ان کے متعلق فیصلہ کرنے کا اہل ہو، یہ اہم ترین لائحہ عمل ہے، ایک طرح سے یہ بچے کے لیے حدود کا تعین کرتا ہے اور اس کے ساتھ یہ اسے تعمیری حریت و آزادی سے ہمکنار کرتا ہے اور اسے زندگی کی ایسی بے شمار مہارتوں سے شناسائی دیتا ہے جن کی اسے ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ وہ فیصلہ کرنے، مشکلات کو حل کرنے، ذہن کو قائدانہ کردار ادا کرنے کے لیے متحرک رکھنے اور کسی بھی شخص کی دلیل اور اطمینان کے بغیر اطاعت نہ کرنے کی استعداد و صلاحیت کا مالک بن جاتا ہے۔

۷ عمومی معاملات کے حوالے سے اپنے بچے کے نقطہ نظر کو بھی اہمیت دیتے رہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ درست ہو، یا اس میں بحث یا راہنمائی کی ضرورت

ہو اور بچے کو اس میں صحیح جہت کا علم ہو جائے، تاہم ایسے مواقع پر آپ کو اپنے بچے کے نقطہ نظر یا رائے کی تحقیر یا تضحیک سے احتراز کرنا چاہیے۔

⑧ ان سرگرمیوں کا تعین کر دیں، جنھیں آپ کی مدد کے بغیر بچہ خود سرانجام دے سکتا ہے، بس آپ اس کی نگرانی کرتے رہیں، اس کی کامیابیوں کو سراہیں اور مشکل سرگرمیوں کی تکمیل کے لیے اس کی مدد کرتے رہیں۔

⑨ ذہنی طور پر اپنے بچے کی خود مختاری کو اس کے نقطہ نظر اور پسند کی روشنی میں مستحکم کریں اور عملی طور پر ایسا رویہ اختیار کریں کہ اسے خود اعتمادی کا جوہر نصیب ہو جائے۔

⑩ اہداف و مقاصد کی نقش گری میں اور ان کی ترتیب و ترکیب اور انھیں ضبط تحریر میں لانے کے لیے اپنے بچے کو مدد فراہم کریں اور اسے ذہنی و مادی لحاظ سے ایسے اسباب مہیا کریں، جن کے ذریعے سے وہ مطلوبہ اہداف حاصل کر سکے۔

گھر کے اندر آپ بطور مربی کس طرح مضبوط رہ سکتے ہیں؟

1. آپ ایسی سرگرمیوں کی فہرست بنا لیں، جن میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار آپ کو نہیں، بلکہ آپ کے بچے کو حاصل ہو، اس کے مقابلے میں ان امور کی تفصیل ہونی چاہیے جن کے لیے آپ اپنے آپ کو ذمے دار سمجھتے ہیں اور پھر اپنے کردار وعمل کے ذریعے سے ان کو رو بہ عمل لانے کا آغاز کریں اور اس طریقے کو آپ اپنا محور بنا لیں۔
2. اپنے حوصلوں کو بلند رکھیں اور اپنے نقطہ نظر یا رائے کے متعلق مکمل سکون اور وقار کے ساتھ اپنے بچے کو آگاہ کریں اور اسے مطمئن کرنے کی مکمل کوشش کریں اور یاد رکھیں کہ ماں باپ کی فکر اور سوچ عمومی طور پر درست ہوتی ہے۔
3. ایسی سرگرمیوں کی نشاندہی کر دیں، جن کے لیے آپ کی نگرانی و نگہبانی کی اشد ضرورت لاحق ہو اور آپ کی غیر موجودگی کی صورت میں ان کی انجام دہی کا معاملہ آپ کے بچے کے سپرد کرنا ممکن نہ ہو، اس معاملے میں آپ کسی قسم کی نرمی و رواداری کو دخیل نہ ہونے دیں۔
4. آپ سب لوگ ماں باپ اور اولاد کے دائرہ ہائے کار پر اتفاق کر لیں، یعنی ان ذمے داریوں کا تعین کر دیں، جو بچے سے متعلق ہیں اور ان کا بھی، جن کی ذمے داری ماں باپ پر ہوتی ہے (بچے کا کمرہ، کھلونے اور

اس کا خاص سامان سب کا ذمے دار خود بچہ ہوتا ہے)

٥ اپنے مطالعہ اور تعمیری مہارت و تربیت کے حوالے سے نئی ثقافتوں اور سابقہ معیاری تربیتی اسلوبوں کی روشنی میں اپنے لیے افکار، طریقہ کار اور تعلقات میں تبدیلی لانے کے لیے کوئی تربیت اور لائحہ عمل ضرور مرتب کریں۔

کیا آپ اپنی مداخلت میں حد سے تو تجاوز نہیں کر جاتے؟

① آپ ایسی اشیا کی فہرست بنائیں، جن کی انجام دہی بچہ خود یا کسی دوسرے بچے یا بالغ کے ذریعے کرے گا، ایسے کسی بھی کام کے لیے آپ بچے کی خوب حوصلہ افزائی کریں۔

② کچھ ایسی مہارتیں بھی سیکھیں، جن سے آپ کو نرمی، سکون اور غصے پر کنٹرول حاصل کر لینے کے سلیقے نصیب ہو جائیں، مثلاً: وضو، نماز کی طرف رجوع، جسمانی حالت بیٹھنے، کھڑے ہونے اور ٹیک لگانے کو تبدیل کر دینا اور غور وفکر اور دعا کرنا۔ اس کے علاوہ بھرپور انداز سے گہرا سانس لینے سے آپ مثبت اور تعمیری سوچ اور درست فیصلے کی طرف مائل ہو سکتے ہیں، یقیناً یہ طریقے آپ کو سکون بخشیں گے اور بیٹے کی طرف سے لاحق ہونے والی شدید پریشانی سے بھی آپ نجات پالیں گے۔

③ رفتہ، رفتہ اپنے بچے کی زندگی میں خود مختاری کے دائرے کو کشادہ کرتے رہیں۔

④ اپنے بچے کو اور اس کی چاہتوں اور اس کے رویوں کے محرکات و اسباب کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے اس کے ساتھ ہم کلام ہوا کریں اور اس کے ساتھ گفت وشنید اور تبادلہ افکار کے اس سلسلے کو قائم رکھیں اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں، تاکہ وہ خود ہی اپنے رویوں کے اندر تبدیلی لائے، یہ جانے بغیر کہ آپ اس کو بدلنا چاہتے ہیں، بس آپ اسے یہ سمجھے رہنے

دیں کہ وہ خود ہی تبدیلی لانے کا خواہش مند ہے اور اس کا فیصلہ بھی اسی نے کیا ہے۔

5 آپ دوبارہ مختصر اور درمیانی مدت کے مقاصد و اہداف لکھیں اور پھر اپنے بچے کی زندگی میں ان کے ظہور کی مدت کا جائزہ لیتے رہیں اور حاصل شدہ ہدف کے صلے میں آپ اسے تحفہ پیش کریں۔

6 ہر مثبت قدم پر خوشی کا اظہار کریں، خواہ یہ قدم آپ کے بچے نے اٹھایا ہو، یا یہ قدم خود آپ نے اپنے بچے کے تشخص کو نمایاں کرنے اور اس کے پسندیدہ مشغلے کو فروغ دینے کے لیے اٹھایا ہو۔

تبدیلی کی قوت اور متبادل کی جستجو

تعلیم و تربیت میں بے رحمی و سختی اور سزا کے متبادل کا حصول ماں باپ کے ہاں تبدیلی کی قوت کا محتاج ہوتا ہے، یعنی ان پختہ خیالات کو بدل دینے سے جو بچوں کے ساتھ برتاؤ کے مختلف طریقوں کے حوالے سے ذہنوں میں پختہ و پیوستہ ہو چکے ہوتے ہیں اور ماں باپ کے رویوں اور اقدامات میں تبدیلی لانے ہی سے متبادل کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ اولاد کی ذہن سازی کے لیے موثر ترین برتاؤ تعمیری اور مثبت لائحہ عمل کا بنیادی نقطہ صرف یہی ہے کہ تبدیلی کی لازمی ضرورت کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾

[الرعد: 11]

''یقیناً اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔''

ہمیں تبدیلی کے تقاضوں کو سمجھنا چاہیے

تبدیلی اور متبادل رویے کی کچھ بنیادیں اور تقاضے ہوتے ہیں، پدری منصب کے کما حقہ حصول اور اصلاحی وتعمیری کام میں مہارت پیدا کرنے کے لیے ان میں ہنروری اور واقفیت حد درجہ ضروری ہے، ان تقاضوں میں سے کچھ کا بیان ذیل میں کیا جاتا ہے:

① کشیدگی کے اظہار کے بجائے مشکلات کو حل کیا جائے:

ہمیں دو طرح کے رویوں کو سامنے رکھنا چاہیے، ہمارے سامنے بچے کا پریشان کن اور ناپسندیدہ رویہ جو مربی کو غضب ناک اور مشتعل کر دیتا ہے، تو کیا ہمیں اس اشتعال کو سخت ترین بے رحمی وسختی اور سزا کے مختلف طریقوں کی تلاش میں صرف کر دینا چاہیے؟ یا کہ ہمیں اس کو سلجھاؤ اور عقدہ کشائی کے ذرائع کی تلاش کرنے کے لیے ایک ذریعہ بنا لینا چاہیے؟

② غصے اور اشتعال کا بہترین استعمال:

غصہ اور اشتعال انسان کے لیے مفید شَے ہے، بشرطیکہ وہ اس کا صحیح استعمال جانتا ہو اور اس میں وہ خود کو مضبوط بھی رکھتا ہو۔ یہ قوت اور جوابی عمل (ری ایکشن) کا سرچشمہ ہے اور اپنی اقدار و روایات اور عبادات کے ساتھ انسان کے لگاؤ کی دلیل ہے، وگرنہ جو شخص غضبناک ہوتا ہے نہ اسے طیش اور جوش لاحق ہوتا ہے، وہ ان چیزوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتا۔ اسی طرح ماں باپ اور دیگر

عام تربیت کار اگر ناپسندیدہ رویوں اور گندی حرکتوں سے ناراضی یا خفگی محسوس نہیں کرتے، تو یہ ان کی بے توجہی اور بے پروائی کی علامت ہے اور اس چیز کی بھی دلیل ہے کہ انھیں اپنی ذمے داریوں کا اور ان کی ضخامت کا کوئی بھی احساس ہی نہیں ہے، جس کی طرف رسول اکرم ﷺ کا فرمان مبارک:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[1]

''تم سب ذمے دار ہو اور تم سب سے اس کے ماتحتوں کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔''

دلالت کرتا ہے اور ہاں انھیں اخروی نتائج کی فکر بھی دامن گیر نہیں ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [التحريم: 6]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔''

اشتعال اور ناراضی مطلوب شے ہے، جب کہ اس اشتعال کی اندھی پیروی یقیناً ناپسندیدہ ہے۔ کامیاب مربی وہ ہوتا ہے جو غصے اور اشتعال کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

نبی اکرم ﷺ غصہ نہ کرنے کی تلقین فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ اس شخص کی تعریف بھی فرماتے ہیں، جو حرمتوں کی پامالی پر غضبناک ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیں غصے کے منفی اثرات سے محتاط رہنے کی تعلیم دے رہے ہیں اور منفی قسم کے اشتعال سے منع فرما رہے ہیں، جس کے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4892] صحيح مسلم، رقم الحديث [1829]

محرکات بالعموم ذات اور انانیت ہوا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اعلا اخلاقی اقدار اور عقائد کے لیے لاحق ہونے والا طیش اور تاؤ روشن ایمان کی نشانی ہوتی ہے۔

زود رنجی اور ناراضی آپ کو مضبوط ترین توجہ اور نگرانی کی خصوصیت سے بہرہ ور کرتی ہے اور اس کے علاوہ یہ آپ کو بچے کے ناپسندیدہ رویوں میں انقلاب لانے کے لیے موثر اور قابل عمل ذرائع کی تلاش کی فکر دیتی ہے، اس قسم کا اشتعال مفید اور کارآمد ہوتا ہے، جب کہ وہ غصہ جو سزا، مار پیٹ، توڑ پھوڑ، گالیوں، عیب جوئی اور تضحیک وتحقیر ہی کو ظاہر کرتا ہے، یہ ایسا تباہ کن اشتعال ہے جو کچھ بھی بدلنے کی سکت نہیں رکھتا اور نہ اس کے ذریعے سے بچے کی روش اصلاح پذیر ہوسکتی ہے۔ اگر کبھی کوئی مثبت تبدیلی نظر آتی بھی ہے، تو وہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے، خوف، غصے کی ہیجانیت سے نجات اور اشتعال کے دیگر اثرات سے محفوظ رہنے کے محرکات کے علاوہ اس کی کوئی دوسری وجہ نہیں ہوتی۔

منفی غیظ وغضب کے برے اثرات کی فہرست خاصی طویل ہے، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ بچہ اپنے ناپسندیدہ طرزِ عمل کو صرف آپ کے ڈر کی وجہ سے ترک کر دیتا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ خطرناک یہ امر ہے کہ آپ منفی اشتعال کی صورت میں اپنی ذات کو صلہ دینے کے عادی بن جاتے ہیں، جو بے حس کر کے آپ کو پسندیدہ جوہر سے محروم کر دیتا ہے اور آپ کو اس طرزِ عمل کا عادی بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ ہر چھوٹے بڑے معاملے پر غصہ اور اشتعال آپ کی پہچان بن جاتا ہے۔

آپ اپنے منفی تاثر پذیری کے رویئے سے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ آپ سب کچھ بہتر کر رہے ہیں، اولاد آپ کے احکامات کو سنتی اور عملاً قبول کرتی ہے، اس طرح آپ اپنے خیال کے مطابق مثبت نتائج کو بھی بہت ہی جلد ظاہر ہوتا دیکھتے

ہیں، لیکن آپ کو یاد رہے کہ اس کی جو قیمت آپ نے مستقبل میں چکائی ہے، وہ بہت بڑی اور گراں بار ہے کہ آپ اس وقت کنبے کے باہمی تعلقات کو کمزور کر چکے ہوں گے، سب افراد آپ کی اطاعت ضرور کریں گے، مگر آپ ان کے اعتماد، پیار اور اشتیاق و اخلاص سے محروم ہو چکے ہوں گے۔

جو شخص مخلص اور خیر خواہ مربی بننا چاہتا ہے، اس کے لیے اپنے رویے پر نظر ثانی اور تبدیلی کی استعداد نہایت ہی ضروری ہے، جسے انسان کی روح سے آغاز پذیر ہونا چاہیے، اس کتاب کے اندر بیان شدہ مضامین اور مہارتیں آپ کو اس مثبت تبدیلی کی صلاحیت سے آراستہ کر سکتی ہیں۔

کتاب کے دوسرے حصے میں وارد ہونے والے مقاصد و مطالب کے مطالعے سے آپ کو ان شاء اللہ تعالیٰ تعمیری لائحہ عمل کے اقدامات کی چابی دستیاب ہو جائے گی، جس کی روشنی میں آپ تعمیری و اصلاحی تربیت کرنے والے کامیاب مربیوں کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔

ایمان کی ضرورت

ایمان کی ضرورت ایک بنیادی و ذاتی ضرورت ہے، کوئی بھی بچہ اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، بلکہ یہ تو باقی تمام ضروریات کے لیے مرکزی مرشد و راہنما کی حیثیت رکھتی ہے اور ان میں پاکیزگی اور نکھار لاتی ہے۔ ایمان کی طلب ایک انسانی ضرورت بھی ہے، جو اسے باقی تمام مخلوقات سے منفرد اور ممتاز بناتی ہے، اس کی بنیاد پر اخلاق و عادات تہذیب و اصلاح سے آراستہ ہوتے ہیں اور ان کو صحیح اور موزون سمت اور بے عیب فطرت کی طرف راہنمائی میسر ہوتی ہے۔

ایمانی تربیت (عقائد و عبادات کی روشنی میں)

تربیتِ ایمانی کے اصول:

ایمانی تربیت کا مدار دو اصول پر ہے:

① چھے بنیادوں پر ایمان جن کو حدیثِ جبریل علیہ السلام میں متعین کیا گیا ہے:

« اَلْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ »[1]

''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور اچھی، بری تقدیر پر بھی ایمان لائے۔''

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [8]

یہ وہ اعلا ترین بنیادی عقیدہ اور اصول ہے، جو تمام تر اسلامی قوانین و احکامات کا مرکز و محور ہے اور تمام شاخیں اسی سے نکلتی ہیں۔ یہ انسان کی ترقی و اٹھان کا اور ہر فطرت و تہذیب کا اولین دائرہ ہے، یہ انسان کے لیے اس کی اعلا اقدار اور اس کے طرزِ اعمال و افکار کا راہبر و قائد ہے، مختصراً یہ انسان کی مفید اور متوازن تربیت کے لیے اصل اور بنیاد ہے۔

② اسلامی فرائض کی پابندی اور اس کے احکامات سے وابستگی یقیناً دل میں ایمان کی پختگی اور زبان کے ساتھ اس کی صراحت کا حتمی نتیجہ ہوتی ہے، جس قدر عقیدہ مضبوط اور مستحکم ہو گا، اسی قدر خالق کریم جل شانہ کے اوامر کی پابندی و فرماں برداری کا جذبہ بڑھتا جائے گا۔

ایمانی تربیت کا مقصد:

ایمانی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ توحید کی تینوں اقسام (الوہیت، ربوبیت، اسما و صفات) کی بنیاد پر توحیدِ خالق پر استوار صحیح عقیدے کی پختگی اور اس سے لازم ہونے والی عبادات اور احکامات کے ذریعے سے دینی روک کو مستحکم کیا جائے۔

مسلمان مربی بچے کے سامنے اس کی نشو و نما کے اولین مرحلے ہی میں اس عقیدے کو رکھتے وقت اس کی وضاحت و تشریح کرتا ہے، تاکہ اس کا ایمان کی بنیادی عقائد کے ساتھ مضبوط تعلق قائم ہو جائے اور سمجھ بوجھ حاصل ہوتے ہی اعتقادی اصول کی معرفت اور عبادات کی تعلیم مہیا ہو جائے۔ شروع میں یاد کرایا جائے، پھر سمجھایا جائے، اس کے بعد اعتقاد و یقین اور تصدیق کو پختہ کیا جائے، عمل کی مشق بھی اور ساتھ ہی ساتھ عبادت بھی۔

ایمانی تربیت کیوں؟

اسلامی منہج کی رو سے ایمانی تربیت کو مسلم انسان کی تعمیر و تشکیل کے لیے

ایک اصل اور بنیاد کا درجہ حاصل ہے اور مختلف حیثیتوں سے یہ پہلا اور مرکزی ہدف ہے۔

پہلی حیثیت:

دینی عقیدہ انسانی فطرت اور مزاج کی اصلی ضرورت ہے، اس حیثیت سے کہ انسان کی زندگی کے لیے ایمان لازم، ضروری اور عظیم ترین شئے ہے، جو ہمت و جرأت اور اطمینان کا خزانہ ہے۔ یہ وہ عظیم حقیقت ہے، جس کی تائید مختلف تہذیبوں کی تاریخوں کے نفسیاتی و فلسفیاتی مطالعے سے ہوتی ہے۔

دوسری حیثیت:

دورِ حاضر کی تہذیب جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، ان برائیوں اور خامیوں کی شاکی نظر آتی ہے، جو اعلا انسانی اقدار اور بلند ترین اخلاق حسنہ پر کم درجہ گرفت کی وجہ سے ظہور پذیر ہو چکی ہیں، اس کے علاوہ یہ چھچھورے پن، اباحیت اور شہوات میں استغراق سے بھی دکھی ہے، جو اکثر طور پر عقیدے کی کمزوری اور ایمان کی طرف میلان نہ ہونے کی وجہ سے رونما ہو رہی ہیں۔

تیسری حیثیت:

موجودہ معاشرہ اخلاقی انحطاط اور دینی و روحانی کمزوریوں کے آثار و علامات کا گلا کرتا نظر آتا ہے، جس کی بنیاد پر دینی معاملات میں سستی، غفلت اور بے پروائی کا مادہ پیدا ہو رہا ہے اور تعاون، محبت، معاشرتی اتحاد و یکجہتی اور اعلا ترین اخلاق و عادات جن کی طرف دین نے ترغیب دلائی ہے، کے اہتمام میں حد درجہ کوتاہی کا ارتکاب معمولی بنتا جا رہا ہے۔

چوتھی حیثیت:

دنیا کے نوجوان۔ خاص طور پر عرب ممالک کے نوجوان۔ ایسی روشن ترین اقدار کی جستجو میں ہیں، جو انھیں فکری انتشار سے نجات دلا دیں اور جو دورِ حاضر میں مختلف تحریکوں اور مذاہب کی صورت میں دنیا میں لہریں اٹھا دینے والے انسانی ریلوں کے درمیان مستقبل کی نقشہ گری کرنے والی دلیل کا کام دے سکیں۔[1]

پانچویں حیثیت:

ایمانی تربیت فطرت کی حفاظت ونگہداشت کے لیے مضبوط ترین دفاعی سسٹم کی تشکیل کرتی ہے، وہی فطرت جس پر انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔ ارشادِ رسول کریم ﷺ ہے:

«كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ»[2]

''ہر بچے کی پیدائش فطرت پر ہوتی ہے۔''

یہ انسان کیسا ہی کیوں نہ ہو، اس کی پیدائش کے وقت دینداری اور عقیدے کی شکل میں یہ فطرت ہر قسم کی قوتوں سے بڑھ کر ایک قوت کی صورت میں موجود ہوتی ہے اور اس کا غالب اور بلا نمونہ ایجاد کرنے والا اور پوری کائنات کے قوانین میں خود مختار حیثیت رکھنے والا خالق بھی اس کی فطرت میں یقیناً موجود ہوتا ہے۔

---

[1] تربية الأولاد في الإسلام [ج: 1]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1319] صحيح مسلم، رقم الحديث [2658]

عقیدے کی تعمیر

یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ مربی یا والدین بچے کے قلب و دماغ میں ارکانِ ایمان کی تخم ریزی کس طرح کریں اور اس کی شخصیت کے اندر موجود فطرت کی حفاظت کیسے کریں؟

اس کا جواب نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کی اقتدا اور آپ ﷺ کے اپنی اور اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد کے ساتھ برتاؤ کے طریقے کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی قولی، فعلی اور تقریری سنتوں کے ذریعے سے ہمارے لیے اس تربیت کی بنیادوں کو مرتب فرمایا ہے اور اس کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے طریقے بھی ارشاد فرمائے ہیں، مزید مطالعہ کے لیے آپ سہام مہدی کی کتاب "الطفل و الشریعۃ" [ص: 182] کا مطالعہ فرمائیں۔

پہلی بنیاد:

بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کے ذریعے سے کلمہ توحید کی تلقین کریں اور اس کے باطن میں موجود فطرت کے بیج کو روئیدگی اور نمو عطا کریں۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والدین کے پاس بچہ ایک امانت ہے، اس کا دل صاف، شفاف اور بے داغ موتی کی طرح ہوتا ہے۔ ہر نقش اور صورت سے پاک اور ہر قسم کے نقش کے لیے مستعد اور ہر طرح کے رجحان و میلان

کے لیے تیار و آمادہ، اگر اسے خیر اور بھلائی کی عادت سکھائی جاتی ہے اور وہ اسے اپنا لیتا ہے، تو وہ دنیا و آخرت کی خوش نصیبی کا حق دار ٹھہرتا ہے اور اس کے ماں باپ، معلم اور مودب بھی اس کے ثواب میں شریک ہو جاتے ہیں اور اگر اسے برائی کا خوگر بنا دیا جاتا ہے اور پھر جانوروں کی طرح اسے چھوڑ دیا جاتا ہے تو وہ بدبختی کے نتیجے میں ضائع اور برباد ہو جاتا ہے اور اس کا گناہ اس کے متولی اور نگران کی گردن میں پڑ جاتا ہے۔''[1]

اسلام نے نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کو اس کی پیدائش کے فوراً بعد ہی مشروع کیا ہے، تاکہ سب سے پہلے اس کے کان میں حد سے زیادہ میٹھے، رسیلے اور پاکیزہ کلام ذکر اللہ کو ڈالا جائے اور اسے اس کے ذہن نشین کرایا جائے، اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ نومولود کے کان کے ساتھ سب سے پہلے اذان کے کلمات ٹکرائیں، جن کے اندر توحید اور شہادت کا کلمہ موجود ہے، جسے اس دین کے اندر داخل ہونے کے لیے سب سے پہلے بولا جاتا ہے۔

دوسری بنیاد:

بچے کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدے کو مضبوط اور اس کے ساتھ محبت کے تعلق کو مستحکم کیا جائے۔

بچہ سب سے پہلے تعلق اور محبت میں مہارت حاصل کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی اولاد کے نفوس میں پیوست کرنا عقیدہ توحید کے لیے اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ بچہ قدرتی طور پر اپنے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے

[1] إحياء علوم الدين [110/3]

کے ساتھ محبت کا رشتہ اور تعلق قائم رکھتا ہے، جب اسے یہ معرفت نصیب ہو جائے گی کہ اس کا خالق و رازق اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اسے کھلاتا پلاتا ہے تو اس کی محبت اور زیادہ بڑھ جائے گی اور اپنے خالق سے محبت کی بنیاد پر وہ اس کے کلام ''قرآن حکیم'' سے اور ان احکامات اور اخلاق سے لگن رکھے گا، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے بچوں کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی شریکوں سے برتری و پاکیزگی کے عقیدے کو، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار و اعتراف اور اس کی تمام برتر و بالا صفات جنھیں اس نے خود اپنے لیے پسند فرمایا، یا اس کے رسول ﷺ نے ان کے ساتھ اسے متصف فرمایا ہے، تعلیم کے ساتھ مضبوط کر سکتے ہیں۔

تیسری بنیاد:

اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور چھپے، ظاہر اس کا دھیان راسخ کیا جائے۔ بچے کے ذہن میں یہ بات مضبوط و مستحکم ہو جائے کہ پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ اکیلا و یکتا ہے، لہٰذا خالص اسی کی عبادت کی جائے اور وہ ہر شَے کا نگران ہے، تو وہ اس کی اطاعت و فرماں برداری اور پوشیدہ و ظاہری امور میں اس کے خوف کو نصب العین بنا لے گا۔

مربی اپنی اولاد کو یہ شعور عطا کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سنتا، انھیں دیکھتا اور ان کے ظاہری و پوشیدہ حالات سے اور ان کے علی الاعلان دعووں اور اقوال کو بہ خوبی جانتا ہے۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس اور اس کی شرح کے ذریعے اس کے ذہن میں ثبت کرے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ

سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ﴾ [الرعد: 10,9]

''ظاہر و پوشیدہ کا وہ عالم ہے (سب سے) بڑا اور (سب سے) بلند و بالا، تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور آواز بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو، سب اللہ تعالیٰ پر برابر و یکساں ہیں۔''

جناب لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

''میرے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی کرنا چاہے تو ایسی جگہ تلاش کر لیا کر، جہاں وہ تجھے دیکھ نہ پاتا ہو۔''

اس حکیمانہ کلام کے اندر یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی شے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، لہٰذا تجھے اس کی نافرمانی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

ایک عالمِ ربانی کے متعلق مذکور ہے کہ وہ ایک نوجوان (شاگرد) کو اپنے دیگر تمام شاگردوں پر فوقیت دیتے تھے، باقی طلبہ کے سرپرستوں کو علم ہوا تو انھوں نے عالم کو تنبیہ و فہمایش کی، چنانچہ عالم موصوف نے اپنے تمام شاگردوں کو جمع کیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک پرندہ حوالے کیا اور کہا ''جا! اسے ایسے مقام پر لے جا کر ذبح کر کے آ، جہاں کسی کی بھی نظر نہ پڑے'' چند لمحے گزرے ہوں گے کہ اس نوجوان کے سوا سب طالب علم اپنے اپنے حصے کے پرندوں کو ذبح کر کے آ گئے، مگر وہ ذبح کیے بغیر پرندے کو اس کے پاس لایا، جب اس سے تعمیلِ حکم نہ کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: ''آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس پرندے کو ایسے مقام پر ذبح کر کے لاؤ، جہاں کوئی بھی نہ دیکھتا ہو، مجھے تو ایسا کوئی مقام نہیں مل سکا کہ ہر جگہ پر ہی مجھے اکیلی و یکتا، منفرد اور بے نیاز و لاثانی ذات دیکھتی ہے'' عالم نے کہا: ''بہت خوب!'' اس کے بعد وہ

اپنے دیگر شاگردوں کے سرپرستوں سے مخاطب ہوئے اور کہا: ''میں نے اس نوجوان کو اپنے باقی تمام شاگردوں پر اسی خوبی اور امتیاز کی وجہ سے ترجیح اور برتری دے رکھی ہے۔'' بچوں کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کا خیال اور دھیان راسخ ہو جائے تو ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کا خوف بیدار ہو جاتا ہے، جو انھیں جرائم و معاصی سے دور رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے قلب وضمیر میں حیا پیدا ہو جاتا ہے۔

چوتھی بنیاد:

اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان۔ اس سے امید و آرزو اور اسی سے خوف۔ جو بچہ ایمان کے مسئلے کو مکمل طور پر سمجھ لیتا ہے اور اس کے دل میں صغرسنی سے ہی جب اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی محبت جذب ہو جاتی ہے، تو بڑا ہونے کے بعد اسے دوسرے ایمانی مسائل میں مطمئن کرنا آسان ہو جاتا ہے، بلکہ اس عمر میں تو وہ اس کے لیے خوب واضح اور آشکارا ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے مکمل وجود اور ہستی کے ساتھ ان کی پیروی کے لیے مستعد ہوتا ہے۔

پانچویں بنیاد:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق۔ ایمانی تربیت کی اساس اور بنیاد یہ ہے کہ انسان اور اس کے پروردگار کے مابین کبھی نہ ٹوٹنے والا تعلق قائم ہو جائے۔ عبادت اپنی تمام تر صورتوں اور اقسام کے ساتھ یہی شعور عطا کرتی ہے کہ اس کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑا ہوا ہے، وہ اسی سے ہدایت کا طلبگار اور مدد کا خواستگار ہوتا ہے، وہ پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا اور پکار کو قبول فرماتا ہے، بچہ نماز، روزہ اور قرآن کریم کی تلاوت کو اپنی خصلت بنا لیتا ہے تو یہ سب ہی انداز بندے اور اس کے پالنہار کے درمیان تعلق کی صورتیں بن جاتی ہیں۔ اسی طرح دعا اور نعمت ہائے الٰہیہ کے اعتراف اور شکر سے بھی یہ تعلق وجود پذیر ہوتا ہے۔

چھٹی بنیاد:

بچوں کے قلب و روح میں نبی اکرم ﷺ کی محبت کو مضبوط اور پختہ کرنا۔ اس کا حصول ذیل کی صورتوں سے ہوسکتا ہے:

① بچے کو اس امر کی ترغیب و تلقین کی جائے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو ہی اپنا اعلا ترین پیشوا اور قابلِ اتباع نمونہ یقین کرے۔

② اس کو رسول اکرم ﷺ کی پاکیزہ سنتوں کی پیروی اور آپ کے اقوال و افعال کی اقتدا کے معاملے میں ہمت دلائی جائے اور اس کے حوصلے کو متحرک اور بلند و بالا کیا جائے۔

ساتویں بنیاد:

فرشتوں پر ایمان۔ یہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی قطعاً نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا گیا ہوتا ہے۔

بچے کے سامنے اس کی سادہ تشریح کی جائے کہ فرشتے کون ہیں؟ انھیں کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ ان کا کیا مزاج ہوتا ہے؟ ان کے کیا اعمال و وظائف ہوتے ہیں؟ یہ معرفت و ادراک بچے کو مختلف تربیتی خیالات سے روشناس کرائے گی، مثلاً:

1. فرشتوں سے حیا کا احساس پیدا ہوگا، جو اعمال کی کتابت کے لیے مکلّف بنائے گئے ہیں۔
2. وہ آگاہ ہو جائیں گے کہ فرشتے ذکرِ الٰہی کی مجالس اور نمازوں کے اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں۔

آٹھویں بنیاد:

اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان۔ کتب، رسالت

اور نبوت کے معانی کی وضاحت کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اہم ترین کتابوں تورات، انجیل، زبور، صحفِ ابراہیم کے متعلق مختصر تعارف بیان کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے حوالے سے خلاصہ گفتگو پیش کیا جائے، جو اسے باقی کتابوں سے امتیاز عطا کر دے کہ یہ قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں میں بیان شدہ تعلیمات پر مشتمل ہے، ہر ہر شئے کو کھول کر بیان کرنے والی عظیم المنز لت کتاب ہے، جو ایمان داروں کی نصیحت و ہدایت کا موجب ہے، اس کے ساتھ ساتھ انبیاے کرام کے متعلق قصہ گوئی کے انداز سے گفتگو کی جائے، خاص طور پر وہ انبیاے کرام جن کا تذکرہ قرآن کریم میں ہوا ہے اور ان میں سے خصوصیت کے ساتھ اولو العزم انبیا و رسل (علیہم السلام)۔

نویں بنیاد:

یوم آخرت پر ایمان۔ ہمارے اس جہان کے فنا و زوال کے ساتھ ہی یومِ آخرت کی ابتدا ہو جائے گی، اس دن کائنات کی ہر شئے فنا ہو جائے گی اور زمین و آسمان بدل جائیں گے، اس حوالے سے بچوں کے ذہنوں میں بہت سارے سوالات پیدا ہو سکتے ہیں، وہ زمین، سورج، ستارے اور اجرام سماویہ (عطارد، زہرہ، زمین، مشتری، زحل، یورانس پٹوں، پلوٹون) کی وضع اور ساخت کے متعلق بھی دریافت کر سکتے ہیں، بس ایسے ہی لمحات میں یومِ آخرت کے مفہوم و مطلب کو ذہن میں پختہ کرنے کی ابتدا کی جانی چاہیے، اسی دوران میں بحث کو مکمل کرنے کے لیے یومِ آخرت کے متعلق قرآن کریم کی منظر کشی کو اور اس کے مختلف ناموں (یوم البعث، یوم القیامۃ، یوم التلاق، یوم التناد، الصاخہ، الحاقۃ، الغاشیۃ، الواقعۃ) کے معانی و مطالب کو بھی بیان کیا جائے۔

تاہم جس بات پر توجہ دینا لازم ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو یومِ آخرت

کے انتظام و اہتمام کی حکمت سے آگاہ کریں، یہی معرفت ہی ہماری زندگی کو اعلا ترین مقصد و جہت، بلند ترین فائدہ اور معنویت دے سکتی ہے، وہ اس طرح کہ یہ مقصد بھلائیوں کی انجام دہی، شریعت الٰہیہ کی تنفیذ، اوامر ربانیہ کی تعمیل، برائیوں سے اجتناب، عمدہ اخلاق و عادات سے آراستگی اور ہلاکت خیز بے حیائیوں سے دوری کی شکل میں منعکس ہوسکتا ہے۔

دسویں بنیاد:

تقدیر کے اچھے اور برے پہلو پر ایمان۔ مربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو قضا و قدر کے مسائل اور ان کے مطالب و مفاہیم کو ان کی مخصوص فہم و فراست کے مطابق بیان کرے، اس طرح سے کہ وہ پہلے سادہ انداز سے تشریح کرے اور رفتہ، رفتہ قضا و قدر کے ذیل کے مطالب بیان کرے:

1. قضا و قدر کا معنی۔
2. مسلمان کے عقائد میں قضا و قدر کے ساتھ ایمان کی اہمیت۔
3. تقدیر کا غلط مفہوم۔
4. ایمان بالقدر کی حکمت و مصلحت۔
5. تقدیر پر ایمان، عمل اور قربانی کا محرک ہے۔
6. ۔ہدایت اور گمراہی۔

گیارھویں بنیاد:

بچوں کو قرآن کریم اور سنت نبویہ مطہرہ کی تعلیم دی جائے:

بچے کو قرآن کریم کی بعض سورتوں اور بعض ایسی احادیث نبویہ کو یاد کرانا لازم ہیں، جن کا تعلق خاص طور پر چال چلن اور برتاؤ کے ساتھ ہے۔ بچے کے

لیے قرآن کریم اور احادیثِ مطہرہ کے حفظ کی حکمت یہ ہے کہ اس کے اندر زندگی کے مختلف میدانوں خاص طور پر فکری تہذیبی اور ادبی ولغوی میدانوں میں مہارت حاصل کرنے کے لیے تعاون کا راز پوشیدہ ہے، عقیدہ اور دیگر علوم میں حاصل شدہ منافع اور فوائد اس سے زائد ہیں۔

خلاصہ:

عقیدے کی لفظی تعمیر ہی وہ بنیاد ہے، جس سے باقی تمام سرگرمیوں کو وسعت اور پھیلاؤ نصیب ہوتا ہے، ان میں سب سے پہلے عبادت کی تعمیر کا مرحلہ آتا ہے، تاکہ ایمانی تربیت پہلے مکمل ہو جائے، اس کے بعد کچھ اور، اس لیے کہ عقیدے کو اوّلیت حاصل ہے۔

عبادت کی تعمیر

سب سے اہم ترین مقصد جسے مربی کو عقیدے کے بعد بچے کے ذہن نشین کرانا چاہیے، وہ ہے عبادت کا مفہوم یا دوسرے لفظوں میں اسلامی فرائض کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے اور اس کے احکامات کی پیروی کے ذریعے سے خالق عزوجل کے لیے عبودیت کا اظہار، اس لیے کہ عقیدے کی ساخت کو عبادت کی عمارت سے علاحدہ نہیں کیا جا سکتا، بایں طور کہ مضبوط عقیدہ زبان کے اقرار اور ارکان کی تعمیل ہی کو ایمان کا نام دیا گیا ہے۔

عقیدے کی تعمیر کا آغاز اسی وقت ہو جاتا ہے، جب مربی بچے کے ذہن کے اندر اللہ عزوجل کے لیے عبادت کے مفہوم و مطلب کو پوری گہرائی کے ساتھ پیوست کرنے کے لیے مکمل لگن کے ساتھ کوشش کرتا ہے اور اس ضمن میں وہ انسان کو خالق کریم اور منعم عظیم کی طرف سے عطا کی جانے والی بینائی، خوراک، لباس اور مال کی صورت میں معروف ترین نعمتوں کا تذکرہ کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ منعم کریم کے ان احسانات اور فضل و کرم کا شکر ادا کیا جائے، اس طرح سے جہاں بچے کی روح کی گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر و قیمت پیوستہ ہوگی، وہاں اسے ان نعمتوں کے لازمی شکرانے کا احساس بھی نصیب ہوگا اور اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ شکرانہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کے ذریعے ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔

شکر تو اصل بنیاد ہے، اس کے بعد عبادت کی تعمیر کا آغاز مرحلہ وار وجود پذیر ہوتا ہے۔

① عبادت کے مکمل اور ہمہ گیر مفہوم کو ذہن میں راسخ کیا جائے:

اپنے بچوں کو مختلف قسم کی عبادات کی تعلیم و تلقین شروع کرنے سے پہلے زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہم ان کے ذہنوں میں عبادت کے معانی و مطالب اور ہمارے دین حنیف میں اس کے اغراض و مقاصد کو پختہ کریں اور ممکن حد تک ان معانی میں سے کسی ایک کو ایسے سادہ اور عام فہم انداز سے بیان کریں، جو ہمارے بچوں کی سوج بوجھ اور ان کی عقلی صلاحیتوں کے ساتھ پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔ ان معانی کی تفصیل یہ ہے:

① عبادت یہ ہے کہ تو اپنے تمام تر رویوں اور رجحانات کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کے تابع کر دے۔

② عبادت یہ ہے کہ تو اپنی دنیا و آخرت کے جملہ امور میں اللہ وحدہ لاشریک لہٗ سے راہنمائی حاصل کرے۔

③ عبادت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے ہاں تقرب کے حصول اور اس کے احکامات کی پاسداری کا نام ہے۔

④ عبادت، اوامر و نواہی اور حلال و حرام کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ ان قوانین کی پابندی کا نام ہے، جن کی طرف نبی اکرم ﷺ نے دعوت دی ہے۔

⑤ عبادت یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج، صدق گفتاری، امانت کے ادا کرنے، والدین کے ساتھ نیک برتاؤ، صلہ رحمی، معاہدوں کی پاسداری، پڑوسی، یتیم اور مسکین کے ساتھ حسنِ سلوک اور دعا و ذکر کی صورت میں تمام

ظاہری و باطنی اعمال و اقوال میں دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا جائے اور صرف اسی کی خوشنودی کی جستجو کی جائے۔

② بچے کے ذہن میں عبادت کے مقاصد کو اجاگر کیا جائے:

ان مقاصد کو ہم اپنے ہی پوچھے گئے سوال ''ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کس لیے کرنی چاہیے؟'' کے جواب کی صورت میں واضح کریں گے، اس طرح سے کہ ہم پہلے سوال کریں، اس کے بعد تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دیں گے، اس طرح سے بچے کے ذہن میں مفہوم زیادہ بہتر انداز سے جاگزیں ہوگا۔

''انسان کو اپنے رب کی عبادت کس لیے کرنی چاہیے؟''

① اس لیے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر حق ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ [الذاريات: 56]

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

حدیث شریف میں ہے:

«وَعَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كُنْتُ رَاكِبًا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: يَا مَعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا»[1]

''سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کے ہمرکاب تھا، اسی دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر معلوم

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6938] صحيح مسلم، رقم الحديث [30]

ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی شے کو شریک نہ کریں۔''

② عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا کیا گیا عہد ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ [يٰس: 60,61]

''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے قول و اقرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمھارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرنا، سیدھی راہ یہی ہے۔''

③ عبادت خالق کریم کی نعمتوں کے شکرانوں کا اظہار ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ [الزمر: 66]

''بلکہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔''

④ اللہ تعالیٰ کی عبادت، آزادی اور حریت کی کھلی دلیل ہے۔

اس عظیم ترین حقیقت کو مسلمان مجاہد سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایرانی لشکر کے سپہ سالار رستم کے سامنے ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا:

« اَللّٰهُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهُ، وَمِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلَى سَعَتِهَا وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ »

''ہمیں اللہ تعالیٰ نے ذمے داری سونپی ہے کہ ہم اس کی مشیت کے مطابق لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی طرف لائیں اور دنیا کی تنگیوں سے نجات دلا کر انھیں

اسلام کی وسعت و کشادگی کی طرف منتقل کریں اور انھیں مختلف مذاہب کے ظلم و جور سے خلاصی دے کر اسلام کے عدل و انصاف سے بہرہ ور کریں۔"

⑤ عبادت خالق کریم کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطُشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَلَئِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ وَإِنِ اسْتَعَانَنِيْ لَأُعِيْنُهُ»

"میرا بندہ کسی ایسی چیز کے ساتھ میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ان اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہے، جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرنے میں مشغول رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے تو میں اسے ضرور مدد میسر کرتا ہوں۔"

③ عبادت کے لیے بچے کو عادی بنانے کے مراحل:

بچے کے ذہن میں اللہ عزوجل کے لیے عبادت کے تصور اور نظریے کو گہرے انداز سے نقش کرنے کے لیے مربی یا والد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کائنات کے مظاہر کو مہارت کے ساتھ استعمال کرے اور ان مظاہرِ قدرت اور عبادتِ الٰہیہ کے درمیان ربط و تعلق کو اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ [حٰمٓ السجدة: 53]

''عنقریب ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی۔''

کی تعمیل کرتے ہوئے اجاگر کرے، کائنات کے مظاہر اور بچے کے درمیان ربط کی وجہ سے بچے کو بالواسطہ خوبصورت ذہنی توازن نصیب ہوگا، بچے کو احساس ہوگا کہ وہ بھی ان کروڑوں متناسب و مربوط اجزا کا ایک حصہ ہے، جو حد درجہ باریک اور گہرے نظام کے ساتھ رواں دواں ہیں اور ایک خاص مقصد کے لیے متحرک۔ اس سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ مربی جس وقت بچے کے ذہن میں عبادت کے معنی کو واضح کر دے گا، تو اس کے لیے عبادت کی تعمیر و تشکیل کا دوسرا مرحلہ آسان تر ہو جائے گا۔[1]

پہلا مرحلہ: (نمونے کے طور پر نماز کو محبوب و مرغوب بنانے کا مرحلہ):

عام طور پر تربیت ذہن نشین کرانے، نقل کرنے اور پیروی کرنے کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ بچہ پروان چڑھنے لگتا ہے تو وہ اپنے والدین کے اعمال کو انجام دینے کی کوشش کرتا ہے، ماں باپ نماز پڑھتے ہیں تو بچہ بھی ان کی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے! محمد سعید مولوی کی کتاب ''كيف يربي المسلم ولده'' [ص: 118] اور سہام مہدی کی کتاب ''الطفل في الشريعة الإسلامية [ص: 268]

طرح نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ شکل وصورت اس کے ذہن میں پوری طرح ثبت ہو جاتی ہے اور پھر وہ پوری زندگی تک اس کے زیر اثر رہتا ہے، لہٰذا اس مرحلے کی ابتدا کی صورت یہ ہے کہ ماں باپ اپنے بچے کو نماز پڑھتے وقت اپنے ساتھ کھڑا ہونے کا حکم دیں۔

دوسرا مرحلہ: (تعلیم کا مرحلہ)

ماں باپ اپنے بچوں کو سب سے پہلے نماز کے ارکان کی تعلیم دیں اور انھیں طہارت، لباس اور استقبالِ قبلہ ایسے ان امور سے شناسائی کرائیں، جن کا نماز سے پہلے وجود میں ہونا ضروری ہے، پھر اسی طرح ان کو نماز کو باطل یا فاسد کر دینے والے امور سے بھی آگاہ کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے بچے کی عمر کے ساتویں سال کو تعلیم کے مرحلے کے آغاز کے لیے متعین فرمایا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعٍ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرٍ» [1]

''اپنی اولاد کو ساتویں سال میں نماز پڑھنے کا حکم دو اور دسویں سال میں نماز میں غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے ان کو سزا دیا کرو۔''

تیسرا مرحلہ: (تنفیذ اور احتساب کا مرحلہ):

والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ عبادت کی عملی تنفیذ کے پہلو کو مدنظر رکھیں اور ساتویں سال کی عمر میں نبی اکرم ﷺ کے فرمان مبارک کی تعمیل کرتے ہوئے بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دیں۔

نماز جملہ عبادات میں سے سب سے زیادہ اجر والا عمل اور ایسی اہم ترین عبادت ہے، جس کی تمام انبیا علیہم السلام نے اپنی اپنی تعلیمات میں بہت زیادہ تاکید کی

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [495]

ہے، اس کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ والدین اپنی اولاد کو دس سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دیں، اگر وہ نماز ادا کرنے میں غفلت یا بے پروائی کے مرتکب ہوں، تو ان کے لیے جسمانی سزا کے طریقے کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

مگر یہ اجازت اس وقت ہے جب وہ اپنی عمر کے دسویں سال کو پہنچ جائیں، اس لیے کہ اسلام نے بچپن کے ایام کو بہت بڑی اہمیت دی ہے کہ اس عمر میں بچے کے پاس سیکھنے، متاثر ہونے یا نقل کرنے کی بڑی صلاحیت موجود ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مربیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو عبادات اور نیک کاموں کی عادت ڈالیں اور ان کو فرائض ادا کرنے کی مشق کرائیں، جب وہ عقل و ہوش کی عمر تک پہنچ جائیں۔ اس کے ساتھ ہی جب وہ بلوغت کی عمر کو پہنچیں تو مربیوں کو ان کے متعلق مستقل، غیر متزلزل اور سختی پر مبنی رویہ اپنا لینا چاہیے۔

نماز کے معاملے میں سزا بذات خود ایک مقصود و مطلوب شَے نہیں ہے، بلکہ اس سے حکم دیے گئے معاملے کی اہمیت کی طرف متوجہ اور اس معاملے میں والدین کی سنجیدگی کی طرف اشارہ کرنا بھی مطلوب ہے اور اس کے ساتھ بچے کو احکامات کی تنفیذ و تعمیل کی عادت ڈالنے کا مقصد بھی پیش نظر ہوتا ہے، اسی وجہ سے مارنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ بچے کو معلوم ہو جائے کہ یہ ایک سنجیدہ حکم ہے ٹھٹھا مخول نہیں ہے، تاہم مار پیٹ کے بھی قواعد و ضوابط ہیں، جن کا تذکرہ ہم تربیتی ذرائع میں کریں گے۔ ان شاء اللہ.

چوتھا مرحلہ: (بچوں کو مساجد کی طرف اپنے ساتھ لے جانے اور انھیں باجماعت نماز پڑھنے کا عادی بنانے کا مرحلہ)

ماں باپ اور مربیوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مساجد میں

اپنے ساتھ لائیں، انھیں باجماعت نماز پڑھنے کی مشق کرائیں، اس لیے کہ مسجد کی غرض و حکمت بھی یہی ہے کہ انسانی نفوس کو جرائم و معاصی اور حسد و عداوت سے نجات میسر ہو جائے۔ بلاشبہہ مساجد ان تمام خرابیوں کا قلع قمع کر دیتی ہیں۔ جب مسلمان ان میں کئی بار صاف شفاف سینوں اور پاکیزہ دلوں کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں، اس لیے کہ روحانیت سے معمور دلوں کے اندر جب بھی انسانیت داخل ہوتی ہے تو وہ ہر قسم کے نقائص و مفاسد سے پاک ہوتی ہے۔

بچوں کو اپنے ساتھ مسجدوں میں لے جانے کے متعدد فوائد:

1. بچے کو یہ شعور نصیب ہوتا ہے کہ وہ مسجد میں موجود ہر شخص کا بھائی اور حقوق میں اس کے مساوی ہے، اس کے نتیجے سے اس کے دل میں حقیقی مساوات کی روح پرورش پانے لگتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کسی کو کسی پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے، سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور برابر و یکساں ہیں۔
2. اس کے ہاں اجتماعی و معاشرتی زندگی گزارنے کا رجحان قوی ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی میزبانی میں اس پاکیزہ ملاقات کے سائے میں جماعت کی قوت و اخوت اور اتحاد کا مشاہدہ کرتا ہے۔
3. بچہ باجماعت نماز میں ایک ہی طرح کے اعمال ادا کرنے کے ذریعے سے مربوط و منظم زندگی کا اور متحد و متفق صفوں کی عظمت کا سبق حاصل کرتا ہے، اس کے ساتھ ایک ہی امام کی اقتدا اسے ایک ایسے قائد و راہنما کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتی ہے، جس کی اطاعت و فرماں برداری کی جانی چاہیے، اس سب کچھ کا عکس زندگی کے مختلف پہلوؤں میں نظم و ضبط اور اطاعت کی روح کے ذریعے سے منعکس ہوتا ہے۔
4. اسے اچھی عادات اور قابلِ فخر اخلاق سے مزین خوبصورت اور نفیس

طبیعت نصیب ہوتی ہے، جو اسے مستقبل میں معاشرے کا زندہ و بیدار فرد بنا دے گی، جو اپنی نیک خصلتوں کے نتائج وثمرات سے سب لوگوں کو مستفید کرے گا۔

5 جمعہ کے خطبات کے دوران میں اسے وعظ ونصیحت پر مشتمل بیانات کو سننے کی مشق حاصل ہوتی ہے اور اسی کے ضمن میں وہ حلال وحرام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روشناس ہوتا ہے۔

④ مسلمان شخص اپنی اولاد کو عبادت کی تربیت کیسے دے؟

محمد سعید مولوی کی کتاب "كيف يربّي المسلم ولده" [ص: 119] سے ماخوذ تحریر:

''بچہ چونکہ بچہ ہی ہوتا ہے، بعض اوقات وہ اپنی نماز سے غفلت یا کوتاہی کر سکتا ہے، ایسے میں والدین پر بہت بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ والد جب صبح کے وقت نمازِ فجر کے لیے بیدار ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو بھی جگا دے، یہ صورت بالکل غیر درست ہے کہ والد کو اپنی اولاد کے لیے شفقت کا جذبہ غالب آ جائے، جو اسے اپنی سوئی ہوئی اولاد کو بیدار کرنے سے روک دے، حالانکہ حقیقی شفقت و رافت تو ان کے جگانے اور بیدار کرنے میں پوشیدہ ہے، تاکہ بچے کو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا پتا چلے اور اس طرح سے روزِ قیامت اس کی نجات کا سامان مہیا ہو سکے۔ والد کے لیے یہ بات بھی قابلِ تحسین ہے کہ وہ اپنی اولاد کے وضو کی بھی نگرانی کرے، وضو میں ہو جانے والے غلطیوں کی درستی کرے اور انھیں ان امور سے آگاہ کرے، جو وضو کو توڑنے کا باعث بنتے

ہیں، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ یہ سب کچھ ایک ہی دفعہ بیان کر ڈالے، بلکہ وہ مناسب مواقع اور اغلاط کو مدنظر رکھے اور اپنی نصیحتوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے بوقت ضرورت بیان کرتا رہے۔

جب باپ مسجد کی طرف روانہ ہونے لگے تو اپنے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ مسجد میں لے کر جائے، مسجد کی طرف چلتے چلتے اپنے بیٹے کو باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف جانے کی فضیلت اور اس کے صلے میں مسلمان کو عطا ہونے والی دنیا و آخرت کی بھلائیوں پر روشنی ڈالے اور باجماعت پڑھی گئی نماز کو انفرادی نماز کے مقابلے میں حاصل ہونے والی فضیلت اور اجر عظیم کا تذکرہ بھی کرے۔

اگر مسجد دور ہے، اس تک پہنچنا دشوار ہے، یا اذان سنائی نہیں دیتی، یا مسجد تک پہنچنے میں بیماری یا بارش کی رکاوٹ مانع ہے تو ایسی صورت میں باپ کو چاہیے کہ وہ اپنے کنبے کے سبھی افراد کو باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے جمع کرے، اس کے پیچھے یا اس کے پہلو میں بیٹے صفیں باندھ لیں اور وہ ان کو نماز پڑھائے۔

والد کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سنتیں ادا کرنے کی ترغیب دلائے، وہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوں تو یہ ان کی نماز پر توجہ مرکوز رکھے، تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ وہ درست طریقے سے نماز پڑھتے ہیں یا نہیں اور انھیں بتائے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کیسے کیا جاتا ہے؟ اسی طرح دوسرے امور کی بھی وضاحت کرے۔

جب سب لوگ نمازِ فجر سے فارغ ہو جائیں تو باپ کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو اپنے سامنے بٹھا لے اور انھیں قرآن حکیم کی تلاوت کرنے کا

حکم دے، تلاوت کے دوران میں ہو جانے والی اغلاط کی درستی کرے، درجہ بدرجہ اور رفتہ رفتہ انھیں تجوید و تلاوت کے احکامات سے باخبر کرے، اس طریقے سے بچہ اچھی قراءت و تلاوت کے ساتھ ساتھ تجوید کے احکامات کسی مشقت اور صعوبت کے بغیر سیکھ لے گا۔

امید ہے کہ اولاد کے دلوں میں قرآن کریم کی تلاوت کے ذوق و اشتیاق کو مزید بڑھانے کے لیے موثر تدابیر میں سے یہ ایک تدبیر بھی کار گر ثابت ہوسکتی ہے کہ باپ اپنے ہر ایک بیٹے کو قرآن کریم کا ایک خصوصی نسخہ ہدیہ کرے اور اسے اس پر تلاوت کرنے کی حوصلہ افزائی کرے اور اس تلاوت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کی بشارت دے اور اس کے ساتھ وہ اسے پورے قرآن پاک یا اس کے کسی حصے کی عمدہ تجوید و قراءت کے ساتھ تلاوت کر لینے پر کتاب، سوٹ، یا اس جیسے کسی دوسرے ہدیے کا وعدہ کرے۔

باپ کے پاس اگر اپنے سب بچوں کی تلاوت سننے کی فرصت نہ ہو، تو وہ ان میں سے سب سے زیادہ کمزور تلاوت کرنے والے بچے کی تلاوت کو سن لے اور یہ بھی اس کے تمام بہن بھائیوں کے سامنے ہونی چاہیے، اس دوران میں وہ اس کی غلطیوں کی بھی اصلاح کرے۔

اگر اس کی اولاد میں سے کسی بچے نے پوری مہارت کے ساتھ تعلیم کا ایک حصہ مکمل کر لیا ہے، تو اسے تعلیمی اعتبار سے اپنے کمزور بچوں کے لیے اپنا مددگار بنا لے، اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس کی بیوی اگر اچھی تلاوت کرنے کے ساتھ اپنی اولاد کی قراءت کی تصحیح کرنے کی قدرت رکھتی ہے تو پھر مناسب یہی ہے کہ اس سے تعاون حاصل کرے۔

اس طرح سے ماں باپ دونوں اس ذمے داری سے احسن طریقے سے عہدہ براہوں گے اور اس کے ساتھ انھیں اجر بھی نصیب ہوگا۔

چونکہ نیکی کسی مزید نیکی کا وسیلہ بنتی ہے، اس لیے باپ کے لیے مناسب یہ ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو ہر دن وہ اپنے بچوں کو ایک حدیث شریف پڑھ کر سنائے اور سادہ لفظوں میں اس کی تشریح بھی کرے۔ ہر روز کا اہتمام مشکل معلوم ہو تو پھر اولاد کے حالات اور ان کی فہم و دانش کی صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے لائحہ عمل مرتب کرے۔

یہ امر بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کو قرآن کریم کی سورتوں کو یاد کرنے کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔ اس عمر میں بچوں کے لیے آیت الکرسی، سورۃ البقرہ اور سورت آل عمران کی آخری آیات، سورت یٰسین، سورۃ الواقعہ، تبارک الذی اور عمّ کے دونوں پارے یاد کرنا حد درجہ آسان ہوتے ہیں۔

یہ مشاہدے میں آیا ہے کہ اس عمر کے بچے جو دس سال سے زائد کے نہیں ہوئے ہوتے، وہ دس یا اس سے زائد پاروں کو حفظ کر چکے ہوتے ہیں، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تحفیظ القرآن الکریم کے ایسے مدارس سے مدد حاصل کرنا لازم ہے، جن کا جال مساجد اور دیگر مقامات میں پھیلا ہوا ہے، یہ مدارس ماں باپ کی بہت ساری مشقتوں کو برداشت کر کے اولاد کو قابل قدر فائدہ مہیا کرتے ہیں۔

تاہم یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ ہمیں اپنی اولاد کو قرآن کریم کے حفظ کرنے کے لیے اس وقت تک کسی ادارے کے حوالے نہیں کرنا چاہیے، جب تک ہم ان کے سامنے اس عظیم ترین اجر کو نہ بیان کر

دیں، جو انھیں نصیب ہوگا اور انھیں اس امر سے بھی آگاہ کر دیں کہ وہ اسے بھلائیں گے نہیں، بلکہ بار بار کی تلاوت اور دور کے ذریعے سے اپنے حفظ کو قائم دائم رکھیں گے، تاکہ وہ بھلا دینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار نہ ہو جائیں۔

اسی طرح جب ہم اپنی اولاد کو احادیث شریفہ پڑھ کر سناتے ہیں، تو موزوں اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ ہم انھیں پڑھی گئی احادیث کو یاد کر لینے کی امنگ بھی دلائیں، جب ہم اربعین نوویہ کو پڑھنے لگیں اور اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی اولاد کے ساتھ مل کر یاد بھی کر لیں، تو اس صورت میں ہمیں ریاض الصالحین کی طرف منتقل ہو جانا چاہیے۔ بعض ابواب میں سے چند احادیث کو منتخب کر لیں اور اپنی اولاد کو ان کے یاد کرنے کا تقاضا کریں، پھر ان سے یہ احادیث سنیں اور ان کے اعراب کی وضاحت کر دیں۔

میرے خیال میں بچے کے لیے ایک ہفتے کے دوران میں صرف ایک حدیث کا حفظ کر لینا ہی کافی ہے، اگر ہم بعض اوقات حدیث شریف کے پیریڈ کے بجائے سیرت نبویہ کا پیریڈ متعین کر لیں، تو یہ بھی مفید ثابت ہوگا، اس پیریڈ میں ہم اپنی اولاد کو رسول اللہ ﷺ کی روشن و تابان سیرت مطہرہ کے صفحات پڑھ کر سنائیں اور انھیں بتائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تک یہ پاک عقیدہ پہنچانے کے لیے کتنی محنت اور جدوجہد فرمائی ہے؟ آپ کی محنتوں کا کتنا قرض ہماری گردنوں پر موجود ہے؟ ہمارے دلوں کے اندر آپ ﷺ کے لیے کتنی محبت کا ہونا لازم ہے، جو ہماری اپنی جانوں اور ماں باپ سے ہماری محبت سے بھی بہت

زیادہ ہو، اس سب کچھ سے مقصود یہ ہونا چاہیے کہ ہماری اولاد کے دلوں میں عقیدے کی بنیادیں مضبوط و مستحکم ہوں اور یہ عقیدہ ان کے دلوں میں محبوب ترین شے بن جائے کہ وہ اسے قربان کر دینے یا اسے ترک کر دینے کے بجائے اس کے لیے قربانیاں پیش کرنے کے لیے مستعد رہیں۔

اسی طرح ہمیں سیرت کے اسباق سے یہ فائدہ ضرور ملنا چاہیے کہ اس کے نتیجے میں ہمارا اور ہماری اولاد کا اخلاق ہر قسم کے عیوب سے پاک، عمدہ اور قابلِ فخر ہو جائے۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ ہماری پیش کردہ باتوں سے کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ ماں باپ کے لیے ہمیشہ اور تھکا دینے والی جدو جہد کے ساتھ ان باتوں کا التزام ضروری ہے، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ باری باری ان سب مشاغل کو جاری رکھا جائے، کبھی حدیث کو، تو کبھی سیرت کو پڑھا جائے اور کبھی قراءت اور صالحین اور نیک اولاد کے سبق آموز تذکروں کو ترک کر دیا جائے، اس طرح سے بچے پر جوش اور ہشاش بشاش رہیں گے اور انھیں خوشگواری کا احساس نصیب ہو گا۔

ہم یہ قطعاً نہیں چاہتے کہ بچوں کو دیے جانے والے اسباق و دروس میں دباؤ کو استعمال کیا جائے، اس لیے کہ وہ ہر لحاظ سے بچے ہیں، ہمارا مقصود یہ ہے کہ وہ پوری روحانی کشادگی، ہمت اور رضا مندی کے ساتھ علم و معرفت کے حصول کے لیے متوجہ رہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ فَإِنَّهَا إِذَا كَلَّتْ عَمِيَتْ»[1]

---

[1] سلسلة الأحاديث الضعيفة [3649] یہ روایت ضعیف ہے۔

''وقتاً فوقتاً دلوں کو آسودگی مہیا کر لیا کرو، یہ جب تھک جاتے ہیں، تو ان کی بصیرت معدوم ہو جاتی ہے۔''

یہ تمام تر مشقتیں جنھیں ہم اپنی اولاد کے لیے اٹھاتے ہیں، والدین کے لیے ان سب کا برداشت کرنا آسان کام نہیں ہے، بلکہ شروع شروع میں ان کے لیے حد سے زیادہ تھکا دینے والی محنتیں درکار ہوتی ہیں، بالآخر ہمارا اور ہماری اولاد کا معاملہ درست سمت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بچے جب اچھی باتوں کے خوگر ہو جاتے ہیں تو ہماری مشقت کم ہونے کے ساتھ ہماری ذمے داری کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا ہے، پھر بچے خود ہی اپنے تعلیمی کاموں کو بہت زیادہ آسانی اور سہولت کے ساتھ انجام دینے لگتے ہیں۔

اس دور میں بچوں کے قلب و روح میں عقیدے کی مضبوطی و پختگی کے بعد سب سے اہم معاملہ ان کو نماز کی تعلیم دینے کا ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرٍ» [1]

''اپنی اولاد کو ساتویں سال میں نماز پڑھنے کا حکم دو اور دسویں سال میں نماز میں غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے ان کو سزا دیا کرو۔''

اس حدیث کی روشنی میں والدین اللہ تعالیٰ کے ہاں براہ راست اولاد کے متعلق اور ان کی نمازوں کی بابت جواب دہندہ ہیں، لہٰذا مستحسن بات یہ ہے کہ والد اپنی اولاد کو ہمیشہ نماز کے لیے اپنے ساتھ مسجد میں لاتا رہے، تاکہ وہ باجماعت نماز کی عادی ہو جائے، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے۔

ظہر کا وقت ہو جائے تو اپنی اولاد سے پوچھے، اگر انھوں نے نماز ادا کر

[1] سنن الدار قطني [330/1]

لی ہے تو بہتر ہے اور اگر وہ غفلت اور کوتاہی کی مرتکب ہوئی ہے تو انھیں نماز پڑھنے کا حکم دے اور انھیں خوب رغبت دلائے اور مسلسل ان کی نگرانی رکھے، یہاں تک کہ وہ اسے باقاعدگی کے ساتھ ادا کرنے لگیں۔ اسی طرح جب عصر کی نماز کا وقت ہو جائے اور وہ خود گھر میں موجود ہو تو اپنی ذمے داریوں کو خود نبھائے اور اگر وہ گھر سے باہر ہو تو ان کی والدہ کو یہ ذمے داری ادا کرنے کا حکم دے۔

شام کے وقت جب والد اپنے گھر کی طرف واپس لوٹتا ہے تو اس پر مختلف قسم کی ذمے داریاں عائد ہو جاتی ہیں، سب سے پہلے تو وہ اپنی اولاد سے مغرب اور عشا کی نماز کے متعلق پوچھے کہ انھوں نے پڑھی ہے یا نہیں؟ اگر پڑھی ہے تو گھر میں یا مسجد میں؟ اگر ان میں سے کسی ایک نے نماز کے علاوہ کوئی اچھا کام کیا ہے تو اس کے متعلق بھی پوچھ لے، مثلاً اس نے کوئی آیت یا حدیث یاد کر لی ہے، یا کوئی تحقیقی مضمون اور مقالہ پڑھا ہے، یا اس نے اپنی درسی کتاب میں کوئی ایسی مفید بات پڑھی ہے، جس نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا ہو۔

روزے اور عبادت کی تعمیر:

اسلام نے بچپنی کے دور کو بڑی اہمیت دی ہے، اس لیے کہ یہ سیکھنے، اثر قبول کرنے اور نقل کرنے کا دور ہوتا ہے، اسی لیے اسلام نے والدین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نیکیوں اور فرائض کو ادا کرنے کی تربیت دیں، یہاں تک کہ وہ سمجھ بوجھ اور شعور و ادراک کی عمر تک پہنچ جائیں، بچہ اگر روزہ رکھ لینے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے روزہ رکھنے کی ترغیب دی جائے۔ بخاری شریف میں باب صوم الصبیان (بچوں کے روزوں کے بیان) کے تحت یہ حدیث مذکور ہوئی ہے۔

« عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ: أَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةَ عَاشُوْرَاءَ إِلَى قُرَى الْأَنْصَارِ: مَنْ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ

يَوْمِهِ وَمَنْ أَصْبَحَ صَائِماً فَلْيُتِمَّ، قَالَتْ: فَكُنَّا نَصُومُهُ بَعْدُ وَ نُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا وَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ فَإِذَا بَكَى أَحَدُهُمْ عَلَى الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهُ ذٰلِكَ حَتَّى يَكُونَ عِنْدَ الْإِفْطَارِ»[1]

''سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں محرم کی صبح کو انصار کی آبادیوں میں یہ پیغام بھیجا کہ ''جو شخص صبح سے روزے سے ہے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے، سیدہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہم خود بھی اس دن کا روزہ رکھتیں اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی روزہ رکھواتیں اور ہم ان کے لیے رنگین اون کے کھلونے تیار کر لیا کرتیں، ان میں سے جب کوئی کھانے کے لیے روتا تو ہم اسے یہ کھلونا دے دیا کرتیں، یہاں تک کہ افطار کا وقت ہو جاتا۔

بچوں کے روزوں کے تربیتی فوائد:

1. روزے نگرانی، صبر اور استقامت کے اوصاف کو پیدا کرتے ہیں۔
2. روزے نظم وضبط اور اطاعت وفرماں برداری کا عادی بناتے ہیں، اس لیے کہ عبادات کو مخصوص اور متعین اوقات میں خاص قواعد وضوابط کے تحت ادا کیا جاتا ہے۔
3. روزے انسان کو زندگی کے تمام معاملات میں امانت کی پاسداری کا خوگر بناتے ہیں، اس لیے کہ روزہ ضمیر کی تربیت کرتا ہے، روزے دار ہر حال اور ہر لمحے میں اپنے رب کریم کی خوشنودی کا طلب گار رہتا ہے۔
4. روزے فقیر اور محتاج انسان کی مدد کا احساس دلاتے ہیں اور اسے اس کی معاونت کی ضرورت سے آگاہ کرتے ہیں اور اسے دوسروں کے دکھ،

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1859] صحيح مسلم، رقم الحديث [1136]

تکلیف اور رنج کو محسوس کرنے کا شعور عطا کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس کی تکلیف کے ازالے کے لیے پوری طرح جد و جہد کرنے لگتا ہے۔ [1]

بچے کو آہستہ آہستہ عادت ڈالی جائے:

① جز وقتی روزہ:

بچے کو آدھے دن یا عصر تک روزہ رکھنے کی عادت ڈالی جائے جب وہ اسے برداشت کر لے اور اس کا عادی بھی ہو جائے تو اسے دوسرے مرحلے میں منتقل کر دیا جائے۔

② روزوں میں تدریج:

شروع میں ایک دن کا مکمل روزہ رکھوایا جائے، اس کے بعد چند دنوں کے لیے روزہ نہ رکھوایا جائے، پھر آہستہ آہستہ روزوں کی تعداد کو بڑھا دیا جائے۔

③ سخت گرمی اور شدت کے موسم میں بچوں سے روزہ رکھوانے سے اجتناب کیا جائے۔

④ روزے کی حالت میں بچوں کو حد سے زیادہ بھاگ دوڑ اور کھیل کود سے باز رکھا جائے۔

⑤ بچے کو سحری کھانے کے لیے بیدار کیا جائے۔

⑥ سخت ترین بھوک اور ناقابلِ برداشت پیاس کی صورت میں بچے کا روزہ کھلوا دینا چاہیے اور اس میں ضد بالکل نہیں کرنی چاہیے۔

بچہ کب روزہ رکھے؟

اس کے لیے کسی سال کو متعین نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ روزے کا

[1] الطفل في الشريعة الإسلامية [ص: 268]

معاملہ بچے کی جسمانی قوت و ساخت اور اس کی ہمت و برداشت پر منحصر ہے، تا ہم اسے اس نیکی کی تربیت دی جا سکتی ہے، لیکن مجبور کر کے یا دباؤ ڈال کر نہیں۔

بچہ اور زکات:

بچے کو اس کے خاص مال یا اس کی جیب خرچی سے محتاج لوگوں کی مدد کرنے کے لیے صدقہ و خیرات کرنے کی عادت ڈالی جائے اور یہ خیراتی اداروں کی طرف سے قائم کیے گئے صدقات و خیرات اور عطیات کے فنڈ، یا سرگرمیوں میں تعاون کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، اس سے جہاں بچے کو ایک عبادت کی تربیت ملے گی، وہاں اسے سماجی و معاشرتی احساس سے تعلق نصیب ہو گا۔

بچہ اور حج:

صحیح مسلم میں ہے:

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءَ فَقَالَ: مَنِ الْقَوْمِ؟ قَالُوْا: مُسْلِمُوْنَ، فَقَالُوْا: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَرَفَعَتْ إِلَيْهِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَ لِهٰذَا حَجٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ»[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو روحا (مقام) پر ایک قافلہ ملا، آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟ انھوں نے عرض کی: ہم مسلمان ہیں اور ساتھ ہی یہ پوچھا کہ آپ کا کیا تعارف ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں، اسی دوران میں ایک خاتون نے ایک بچے کو اوپر اٹھا کر عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس کا بھی

[1] صحیح مسلم، باب صحة حج الصبي [561/1]

حج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اور تیرے لیے بھی اجر ہے۔''

لہٰذا بچے کو حج کے احکامات سکھائے جائیں اور اسے اس کی فہم کے مطابق سادہ اور سہل طریقے سے حج کے مقاصد سے آگاہ کیا جائے، تاکہ اس کے خمیر میں اللہ تعالیٰ کے عزت و حرمت والے گھر اور حج کے شعار کی محبت جاگزین ہو جائے۔

ایمانی تربیت کے حوالے سے ایک بات:

ایمانی (عقیدہ اور عبادت کی) تربیت کے دوران میں مربی کو چاہیے کہ وہ بچے اور اس کے خالق کے درمیان ربط و تعلق کی مضبوطی و پختگی کے ہدف کو پیش نظر رکھے، تاکہ یہ اس کی زندگی کا ایسا جوہر و خلاصہ بن جائے، جو تعلیمات ربانیہ کی موافقت میں ایک دائمی لائحہ عمل کی حیثیت رکھتا ہو، ایسی تربیت ہی انسانی زندگی کی تمام تر سرگرمیوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے اس منہج کے ساتھ مربوط رکھتی ہے، جو انسان کے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور اسی کی خاطر وجود میں لانے کا باعث بنتی ہے، اس کی روشنی میں انسان اپنے آپ کو حلال اور حرام کا پابند اور اپنی زندگی کو شرعی احکامات کے مطابق بناتا ہے۔

ایمانی تربیت ہی انسان کی انسانیت کی تعمیر کے لیے وہ اصل اور مضبوط بنیاد ہے، جو اسے اپنے رب کے ساتھ، اپنی قوم، معاشرے، خاندان، اپنی ذات، اپنے ماحول، جملہ ذی روح اشیا اور پوری کائنات کے ساتھ خیر خواہی اور اخلاص کی خوبی عطا کرتی ہے، ایمانی تربیت ہی وہ میزان ہے جو روح اور جسم کے درمیان توازن اور یکسانیت کو پیدا کرتی ہے اور فکر و سوچ، رویوں اور رجحانات میں اعتدال کو برقرار رکھتی ہے۔

بچے کے لیے ایمانی تربیت اس کی روز مرہ کی خوراک سے بھی زیادہ

اہمیت رکھتی ہے۔ اگر مربی صحیح معنی میں یہ حق ادا نہیں کرتا، تو یقیناً اس نے اپنے بچے کا ایک بھی حق ادا نہیں کیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [التحریم: 6]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔''

جو اللہ کے لیے کوئی شے چھوڑتا ہے، اللہ اسے بہتر بدلہ عطا فرماتے ہیں

بہتر بدلہ

حیرت انگیز واقعات اور نصیحت آموز حکایات کے ساتھ

تالیف

فضیلۃ الشیخ إبراهیم بن عبداللہ الحازمی

ترجمہ

فضیلۃ الشیخ سعید الرحمٰن ہزاروی حفظہ اللہ تعالیٰ

مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

نظر ثانی

حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

مکتبہ بیت السلام

الریاض، لاہور

ما ذا يريد
أبناؤنا منا

تالیف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر یاسر نصر حفظہ اللہ



مکتبہ بیت السلام لاہور ریاض

Tel: 4381155 - 4381122 Fax: 4385991
Mob: 0542666646,0566661236,0532666640

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
Tel: 042-37361371
Mob: 0321-9350001
Email: bait.us.salam1@gmail.com
Web: baitussalam.exai.com
Facebook page :Baitussalam book store